



صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا

قبول اسلام



عبدالعظیم ندوی



سَيِّدُكَ أَحْمَدُ شَحِيدُكَ أَيُّدُكَ طَمَحِيٌّ
دار عرفات، تکیہ کلان، رائے پورہ



رَبَّنَا إِنَّا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ آمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا
قبولِ اسلام



عبدالعظیم ندوی



مدینۃ احکام شہید اکبر الہدی

دار عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

طبع اول

ربیع الاول ۱۴۳۷ھ - دسمبر ۲۰۱۵ء

نام کتاب :	صحابہ کرام <small>رضی اللہ عنہم</small> کا قبولِ اسلام
نام مرتب :	عبدالعلیم ندوی
صفحات :	۵۰۴
کمپوزنگ :	ابو حنظلہ ندوی
تعداد :	۱۰۰۰

باہتمام: محمد نفیس خاں ندوی

ملنے کے پتے :

☆ ابراہیم بک ڈپو، مدرسہ ضیاء العلوم میدان پور رائے بریلی

☆ مکتبہ ندویہ، دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

☆ مکتبۃ الشباب العلمیۃ الجدیدة، ندوہ روڈ، لکھنؤ

ناشر :

سید احمد شہید اکیڈمی

دارِ عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی (یوپی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فہرست مضامین

۱۸	انتساب
۱۹	تقدیم
۲۲	تقریظ

دعوت اسلام

۳۰	صحابہ کرام کا قبول اسلام
۳۱	قرآن مجید کا اثر
۳۲	اخلاق نبوی کا اثر
۳۳	مواعظ نبوی کا اثر
۳۳	شمائل نبوی کا اثر
۳۴	دُعا کا اثر
۳۴	معجزات کا اثر
۳۵	فتح مکہ کا اثر
۳۶	حضرت ابو بکر صدیق کا قبول اسلام
۴۱	حضرت عمر فاروق کا قبول اسلام
۴۸	حضرت عثمان ذوالنورین کا قبول اسلام
۵۱	حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قبول اسلام
۵۲	حضرت زبیر بن العوام کا قبول اسلام

- ۵۶ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام
- ۵۹ حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ کا قبول اسلام
- ۶۰ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا قبول اسلام
- ۶۳ حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ کا قبول اسلام
- ۶۵ حضرت سعید بن زیدؓ کا قبول اسلام
- ۶۷ حضرت حمزہ بن عبدالمطلبؓ کا قبول اسلام
- ۶۹ حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کا قبول اسلام
- ۷۰ حضرت بلالؓ بن رباح کا قبول اسلام
- ۷۲ حضرت جعفرؓ طیار کا قبول اسلام
- ۷۵ حضرت زیدؓ بن حارثہ کا قبول اسلام
- ۷۶ حضرت عبد اللہؓ بن عباس کا قبول اسلام
- ۷۷ حضرت عبد اللہؓ بن مسعود کا قبول اسلام
- ۸۰ حضرت ابوموسیٰؓ اشعری کا قبول اسلام
- ۸۱ حضرت عمارؓ بن یاسر کا قبول اسلام
- ۸۴ حضرت صہیبؓ بن سنان رومی کا قبول اسلام
- ۸۶ حضرت مصعبؓ بن عمیر کا قبول اسلام
- ۸۸ حضرت عثمانؓ بن مظعون کا قبول اسلام
- ۹۱ حضرت ارقمؓ بن ابی الارقم کا قبول اسلام
- ۹۲ حضرت شرجیلؓ بن حسنہ کا قبول اسلام
- ۹۳ حضرت عبیدہ بن حارثؓ کا قبول اسلام
- ۹۴ حضرت عمروؓ بن مرہ کا قبول اسلام
- ۹۵ حضرت عکاشہؓ بن محسن کا قبول اسلام

- ۹۶ حضرت عبداللہ بن مخرمہ کا قبول اسلام
- ۹۷ حضرت حصین کا قبول اسلام
- ۹۹ حضرت معاویہ بن حنیفہ کا قبول اسلام
- ۱۰۱ حضرت مقداد بن عمرو کا قبول اسلام
- ۱۰۲ حضرت عبدالرحمان بن ابی بکر کا قبول اسلام
- ۱۰۳ حضرت عبداللہ بن سہیل کا قبول اسلام
- ۱۰۴ حضرت عقبہ بن غزوٰان کا قبول اسلام
- ۱۰۵ حضرت عامر بن فہیرہ کا قبول اسلام
- ۱۰۶ حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد کا قبول اسلام
- ۱۰۸ حضرت عبداللہ بن جحش کا قبول اسلام
- ۱۰۹ حضرت ابوحنیفہ کا قبول اسلام
- ۱۱۱ حضرت ابوہریرہ کا قبول اسلام
- ۱۱۲ حضرت ابوذر غفاری کا قبول اسلام
- ۱۱۵ حضرت سلمان فارسی کا قبول اسلام
- ۱۲۱ حضرت عمرو بن العاص کا قبول اسلام
- ۱۲۵ حضرت خالد بن ولید کا قبول اسلام
- ۱۲۷ حضرت خالد بن سعید کا قبول اسلام
- ۱۲۹ حضرت خیاب بن ارت کا قبول اسلام
- ۱۳۳ حضرت ابن ام مکتوم کا قبول اسلام
- ۱۳۵ حضرت بریدہ سلمیٰ کا قبول اسلام
- ۱۳۶ حضرت طفیل بن عمرو دوسی کا قبول اسلام
- ۱۴۰ حضرت عقبہ بن عامر جہنی کا قبول اسلام

- ۱۴۱ حضرت عمیرؓ بن وہب کا قبول اسلام
- ۱۴۲ حضرت ابورافعؓ کا قبول اسلام
- ۱۴۶ حضرت عقیلؓ بن ابی طالب کا قبول اسلام
- ۱۴۷ حضرت نوفلؓ بن حارث کا قبول اسلام
- ۱۴۹ حضرت طلیبؓ بن عمر کا قبول اسلام
- ۱۵۱ حضرت عمروؓ بن عبسہ کا قبول اسلام
- ۱۵۳ حضرت ولید بن ولیدؓ کا قبول اسلام
- ۱۵۵ حضرت سلمہؓ بن ہشام کا قبول اسلام
- ۱۵۶ حضرت حجاجؓ بن علاط کا قبول اسلام
- ۱۵۷ حضرت ہشامؓ بن عاص کا قبول اسلام
- ۱۵۸ حضرت ابواحمدؓ بن جحش کا قبول اسلام
- ۱۵۹ حضرت عمروؓ بن سعید کا قبول اسلام
- ۱۶۰ حضرت ابانؓ بن سعید کا قبول اسلام
- ۱۶۲ حضرت عمروؓ بن امیہ کا قبول اسلام
- ۱۶۳ حضرت نعیمؓ بن مسعود کا قبول اسلام
- ۱۶۵ حضرت عیاشؓ بن ابی ربیعہ کا قبول اسلام
- ۱۶۶ حضرت ابو فکیہہؓ کا قبول اسلام
- ۱۶۷ حضرت نعیمؓ بن النحام کا قبول اسلام
- ۱۶۸ حضرت سہلؓ بن بیضاء کا قبول اسلام
- ۱۶۹ حضرت ابوقیسؓ بن حارث کا قبول اسلام
- ۱۷۰ حضرت عامرؓ بن ابی وقاص کا قبول اسلام
- ۱۷۱ حضرت عاقلؓ بن بکیر کا قبول اسلام

- ۱۷۲ حضرت ابویوب انصاریؓ کا قبول اسلام
- ۱۷۳ حضرت انسؓ بن مالک کا قبول اسلام
- ۱۷۵ حضرت ابی بن کعب کا قبول اسلام
- ۱۷۶ حضرت ابوطالبؓ انصاری کا قبول اسلام
- ۱۷۷ حضرت ابودرداءؓ کا قبول اسلام
- ۱۷۹ حضرت اسیدؓ بن حفصیر کا قبول اسلام
- ۱۸۰ حضرت سعدؓ بن معاذ کا قبول اسلام
- ۱۸۱ حضرت اسعدؓ بن زرارہ کا قبول اسلام
- ۱۸۲ حضرت ابوالہیثمؓ بن العتیبان کا قبول اسلام
- ۱۸۳ حضرت ابوقیسؓ نضرمہ کا قبول اسلام
- ۱۸۴ حضرت اصیرمؓ کا قبول اسلام
- ۱۸۶ حضرت براءؓ بن معرور کا قبول اسلام
- ۱۸۷ حضرت حنظلہؓ بن ابی عامر کا قبول اسلام
- ۱۸۸ حضرت رافعؓ بن مالک کا قبول اسلام
- ۱۸۹ حضرت رفاعہؓ بن رافع کا قبول اسلام
- ۱۹۰ حضرت زیدؓ بن ثابت کا قبول اسلام
- ۱۹۱ حضرت سعدؓ بن عبادہ کا قبول اسلام
- ۱۹۳ حضرت عبادہؓ بن صامت کا قبول اسلام
- ۱۹۴ حضرت عبداللہؓ بن عبداللہ کا قبول اسلام
- ۱۹۶ حضرت عباسؓ بن عبادہ کا قبول اسلام
- ۱۹۷ حضرت عمروؓ بن جموح کا قبول اسلام
- ۱۹۹ حضرت معاذؓ بن جبل کا قبول اسلام

- ۲۰۰ حضرت زید بن سحنہ کا قبول اسلام
- ۲۰۲ حضرت عبداللہ بن سلام کا قبول اسلام
- ۲۰۳ حضرت ابو جابر عبداللہ کا قبول اسلام
- ۲۰۵ حضرت صرمہ بن ابی انس کا قبول اسلام
- ۲۰۶ حضرت امیر معاویہ کا قبول اسلام
- ۲۰۸ حضرت اقرع بن حابس کا قبول اسلام
- ۲۱۰ حضرت امرؤ القیس کا قبول اسلام
- ۲۱۲ حضرت بدیل بن ورقاء کا قبول اسلام
- ۲۱۳ حضرت تمیم بن اسد کا قبول اسلام
- ۲۱۴ حضرت ثمامہ بن اقال کا قبول اسلام
- ۲۱۶ حضرت جابر بن مسلم کا قبول اسلام
- ۲۱۷ حضرت جاوود بن عمرو کا قبول اسلام
- ۲۱۸ حضرت جبیر بن مطعم کا قبول اسلام
- ۲۲۰ حضرت جریر بن عبداللہ بجلي کا قبول اسلام
- ۲۲۲ حضرت جمیل بن معمر کا قبول اسلام
- ۲۲۳ حضرت حارث بن ہشام کا قبول اسلام
- ۲۲۴ حضرت حکم بن کیسان کا قبول اسلام
- ۲۲۵ حضرت حنظلہ بن ربیع کا قبول اسلام
- ۲۲۶ حضرت حویطب بن عبدالعزیٰ کا قبول اسلام
- ۲۲۹ حضرت خرم بن فاتک کا قبول اسلام
- ۲۳۰ حضرت خفاف بن ایماء کا قبول اسلام
- ۲۳۱ حضرت رفاعہ بن زید کا قبول اسلام

- ۲۳۳ حضرت زبیرؓ بن بدر کا قبول اسلام
- ۲۳۴ حضرت زیدؓ بن مہلب کا قبول اسلام
- ۲۳۶ حضرت سراقہؓ بن مالک کا قبول اسلام
- ۲۳۹ حضرت سعدؓ الاسود کا قبول اسلام
- ۲۴۱ حضرت سفینہؓ رضی اللہ عنہا کا قبول اسلام
- ۲۴۲ حضرت سوادؓ بن قارب کا قبول اسلام
- ۲۴۳ حضرت سہیلؓ بن عمرو کا قبول اسلام
- ۲۴۶ حضرت شیبہؓ بن عثمان کا قبول اسلام
- ۲۴۸ حضرت صحصہؓ بن ناجیہ کا قبول اسلام
- ۲۵۰ حضرت صفوانؓ بن امیہ کا قبول اسلام
- ۲۵۲ حضرت ضرارؓ بن ازور کا قبول اسلام
- ۲۵۵ حضرت ضماؤدؓ بن ثعلبہ کا قبول اسلام
- ۲۵۷ حضرت ضمامؓ بن ثعلبہ کا قبول اسلام
- ۲۵۹ حضرت عباسؓ بن مرداس کا قبول اسلام
- ۲۶۰ حضرت عبداللہؓ بن ابی امیہ کا قبول اسلام
- ۲۶۲ حضرت عبداللہؓ بن بدر کا قبول اسلام
- ۲۶۳ حضرت عبداللہؓ بن زبیری کا قبول اسلام
- ۲۶۴ حضرت عبداللہؓ بن عبدنہم کا قبول اسلام
- ۲۶۶ حضرت عتابؓ بن اسید کا قبول اسلام
- ۲۶۷ حضرت عتبہؓ بن ابی لہب کا قبول اسلام
- ۲۶۸ حضرت عثمانؓ بن ابی العاص کا قبول اسلام
- ۲۶۹ حضرت عدیؓ بن حاتم کا قبول اسلام

- ۲۷۳ حضرت عروہ بن مسعود ثقفی کا قبول اسلام
- ۲۷۷ حضرت عکرمہ بن ابی جہل کا قبول اسلام
- ۲۸۳ حضرت ہبار بن الاسود کا قبول اسلام
- ۲۸۴ حضرت حارث بن ہشام کا قبول اسلام
- ۲۸۶ حضرت نضیر بن حارث عبدری کا قبول اسلام
- ۲۸۸ حضرت سعید بن عامر جمحی کا قبول اسلام
- ۲۹۱ حضرت جبار بن سلمیٰ کا قبول اسلام
- ۲۹۲ حضرت ذوالجوشن ثصابی کا قبول اسلام
- ۲۹۴ حضرت بشیر بن خصاصیہ کا قبول اسلام
- ۲۹۵ حضرت ابو قحافہ کا قبول اسلام
- ۲۹۶ حضرت عمرو بن مرہہ کا قبول اسلام
- ۲۹۷ حضرت فروہ بن مسیک کا قبول اسلام
- ۲۹۹ حضرت فضالہ لیشی کا قبول اسلام
- ۳۰۱ حضرت فیروز ویلی کا قبول اسلام
- ۳۰۳ حضرت قیس بن خرشہ کا قبول اسلام
- ۳۰۵ حضرت قیس بن عاصم کا قبول اسلام
- ۳۰۶ حضرت کرز بن جابر فہری کا قبول اسلام
- ۳۰۷ حضرت کعب بن زہیر و بحیر کا قبول اسلام
- ۳۱۰ حضرت کہس الہلالی کا قبول اسلام
- ۳۱۱ حضرت لبید بن ربیعہ کا قبول اسلام
- ۳۱۳ حضرت ثنی بن حارثہ کا قبول اسلام
- ۳۱۵ حضرت مطیع بن اسود کا قبول اسلام

- ۳۱۶ حضرت معاویہؓ بن حکم کا قبول اسلام
- ۳۱۸ حضرت وائلہؓ بن اسقع کا قبول اسلام
- ۳۱۹ حضرت وائلؓ بن حجر کا قبول اسلام
- ۳۲۱ حضرت وحشیؓ بن حرب کا قبول اسلام
- ۳۲۳ حضرت وہبؓ بن قابوس کا قبول اسلام
- ۳۲۵ حضرت یاسرؓ بن عامر کا قبول اسلام
- ۳۲۶ حضرت ابوامامہؓ باہلی کا قبول اسلام
- ۳۲۸ حضرت ابوبصیرؓ کا قبول اسلام
- ۳۳۱ حضرت ابوجندلؓ کا قبول اسلام
- ۳۳۳ حضرت ابوبکرؓ کا قبول اسلام
- ۳۳۴ حضرت ابورفاعہؓ عدوی کا قبول اسلام
- ۳۳۵ حضرت ابوسفیانؓ بن حارث کا قبول اسلام
- ۳۳۹ حضرت ابوسفیانؓ بن حرب کا قبول اسلام
- ۳۴۵ حضرت ابوالعاصؓ کا قبول اسلام
- ۳۴۸ حضرت ابو محمدورہؓ کا قبول اسلام
- ۳۵۰ حضرت ابرہہؓ رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام
- ۳۵۱ حضرت اسیدؓ بن سعید کا قبول اسلام
- ۳۵۳ حضرت بشیرؓ بن معاویہ کا قبول اسلام
- ۳۵۴ حضرت جبرؓ کا قبول اسلام
- ۳۵۵ حضرت حیرنجرہؓ کا قبول اسلام
- ۳۵۶ حضرت عداسؓ غینوائی کا قبول اسلام
- ۳۵۷ حضرت عمروؓ بن سعدی کا قبول اسلام

- ۳۵۸ حضرت عمیرؓ بن امیہ کا قبول اسلام
- ۳۵۹ حضرت کرز بن علقمہ کا قبول اسلام
- ۳۶۰ حضرت میمونؓ بن یامین کا قبول اسلام
- ۳۶۱ حضرت مابورؓ کا قبول اسلام
- ۳۶۲ حضرت یامینؓ بن عمیر کا قبول اسلام
- ۳۶۳ ایک صحابیؓ کا قبول اسلام
- ۳۶۴ ایک صحابیؓ کا قبول اسلام
- ۳۶۶ ایک صحابیؓ کا قبول اسلام
- ۳۶۷ ایک صحابیؓ کا قبول اسلام
- ۳۶۸ ایک صحابیؓ کا قبول اسلام
- ۳۶۹ ایک صحابیؓ کا قبول اسلام
- ۳۷۰ ایک صحابیؓ کا قبول اسلام

صحابیات کا قبول اسلام

- ۳۷۱ اعلان اسلام
- ۳۷۱ اشاعت اسلام
- ۳۷۲ نو مسلموں کا تکفل
- ۳۷۳ اسلام کے لیے تحمل شداوند
- ۳۷۴ قطع علاقہ
- ۳۷۴ توحید
- ۳۷۵ شرک سے علاحدگی
- ۳۷۶ حضرت خدیجہؓ کا قبول اسلام
- ۳۷۸ حضرت سودہؓ کا قبول اسلام

- ۳۷۹ حضرت ام سلمہؓ کا قبول اسلام
- ۳۸۰ حضرت ام حبیبہؓ کا قبول اسلام
- ۳۸۳ حضرت صفیہؓ کا قبول اسلام
- ۳۸۴ حضرت ام ایمنؓ کا قبول اسلام
- ۳۸۵ حضرت فاطمہ بنت اسدؓ کا قبول اسلام
- ۳۸۶ حضرت ام الفضلؓ کا قبول اسلام
- ۳۸۷ حضرت ام رومانؓ کا قبول اسلام
- ۳۸۸ حضرت سمیہؓ کا قبول اسلام
- ۳۸۹ حضرت ام سلیمؓ کا قبول اسلام
- ۳۹۱ حضرت ام عمارہؓ کا قبول اسلام
- ۳۹۲ حضرت ام عطیہؓ کا قبول اسلام
- ۳۹۳ حضرت زینب بنت معوذہؓ کا قبول اسلام
- ۳۹۴ حضرت ام ہانیؓ کا قبول اسلام
- ۳۹۵ حضرت فاطمہ بنت خطابؓ کا قبول اسلام
- ۳۹۶ حضرت اسماء بنت عمیسؓ کا قبول اسلام
- ۳۹۸ حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کا قبول اسلام
- ۴۰۰ حضرت اسماء بنت یزیدؓ کا قبول اسلام
- ۴۰۱ حضرت ام حکیمؓ بنت حارث کا قبول اسلام
- ۴۰۲ حضرت خنساءؓ کا قبول اسلام
- ۴۰۵ حضرت ہندؓ کا قبول اسلام
- ۴۰۷ حضرت ام کلثومؓ بنت عقبہ کا قبول اسلام
- ۴۰۹ حضرت امیرہؓ کا قبول اسلام

- ۴۱۰ حضرت ام شریک کا قبول اسلام
- ۴۱۱ حضرت صعبہ کا قبول اسلام
- ۴۱۱ حضرت شفاء بنت عوف کا قبول اسلام
- ۴۱۲ حضرت شفاء بنت عبد اللہ کا قبول اسلام
- ۴۱۲ حضرت رملہ بنت ابی عوف کا قبول اسلام
- ۴۱۳ حضرت زئیرہ کا قبول اسلام
- ۴۱۴ حضرت لبینہ کا قبول اسلام
- ۴۱۴ حضرت ام عیسیٰ کا قبول اسلام
- ۴۱۵ حضرت حمامہ بنت قیس کا قبول اسلام
- ۴۱۵ حضرت نہدیہ کا قبول اسلام
- ۴۱۶ حضرت ام معبد بن زاعمیہ کا قبول اسلام
- ۴۱۸ حضرت لیلیٰ کا قبول اسلام
- ۴۱۹ حضرت فاطمہ بنت صفوان کا قبول اسلام
- ۴۲۰ حضرت فاطمہ عامریہ کا قبول اسلام
- ۴۲۰ حضرت عمرہ بنت السعدی کا قبول اسلام
- ۴۲۱ حضرت زینب بنت مظعون کا قبول اسلام
- ۴۲۲ حضرت ریطہ بنت الحارث کا قبول اسلام
- ۴۲۳ حضرت حسنہ کا قبول اسلام
- ۴۲۴ حضرت امینہ بن زاعمیہ کا قبول اسلام
- ۴۲۴ حضرت سہلہ بنت سہیل کا قبول اسلام
- ۴۲۵ حضرت ام کلثوم بنت سہیل کا قبول اسلام
- ۴۲۶ حضرت ام قیس کا قبول اسلام

- ۴۲۶ حضرت ام ایوبؓ کا قبول اسلام
- ۴۲۸ حضرت ام فروہؓ کا قبول اسلام
- ۴۲۸ حضرت تماضر بنت الاصحؓ کا قبول اسلام
- ۴۲۹ حضرت عاتکہؓ بنت زید کا قبول اسلام
- ۴۳۰ حضرت فاطمہؓ بنت ولید کا قبول اسلام
- ۴۳۱ حضرت سہلہؓ بنت عامر کا قبول اسلام
- ۴۳۲ حضرت ام اوسؓ انصاریہ کا قبول اسلام
- ۴۳۳ حضرت ام الخیرؓ کا قبول اسلام
- ۴۳۴ حضرت ام حرمہؓ کا قبول اسلام
- ۴۳۵ حضرت برکہؓ بنت یسار کا قبول اسلام
- ۴۳۵ حضرت فکیہہؓ بنت یسار کا قبول اسلام
- ۴۳۶ حضرت اسماءؓ بنت سلامہ کا قبول اسلام
- ۴۳۷ حضرت یقطہؓ بنت علقمہ کا قبول اسلام
- ۴۳۷ حضرت ارویؓ بنت عبدالمطلب کا قبول اسلام
- ۴۳۹ حضرت صفیہؓ بنت ربیعہ کا قبول اسلام
- ۴۳۹ حضرت حلیمہؓ کا قبول اسلام
- ۴۴۱ حضرت شیماءؓ بنت حارث کا قبول اسلام
- ۴۴۲ حضرت دژہؓ کا قبول اسلام
- ۴۴۳ حضرت امیمہؓ بنت غنم کا قبول اسلام
- ۴۴۳ حضرت عاتکہؓ بنت عوف کا قبول اسلام
- ۴۴۴ حضرت حمنہؓ بنت جحش کا قبول اسلام
- ۴۴۵ حضرت ارویؓ بنت کریم کا قبول اسلام

- ۴۴۶ حضرت سعدیؓ بنت کرینہ کا قبول اسلام
- ۴۴۷ حضرت ہالہ بنت خویلد کا قبول اسلام
- ۴۴۸ حضرت ام حرامؓ بنت ملحان کا قبول اسلام
- ۴۴۹ حضرت خولہؓ بنت قیس کا قبول اسلام
- ۴۵۰ حضرت زینبؓ بنت نضر کا قبول اسلام
- ۴۵۱ حضرت بریرہؓ کا قبول اسلام
- ۴۵۲ حضرت ام اسحاقؓ کا قبول اسلام
- ۴۵۳ حضرت حواؓ کا قبول اسلام
- ۴۵۴ حضرت ہند بنت عمرو بن حرام کا قبول اسلام
- ۴۵۵ حضرت کبشہؓ بنت رافع کا قبول اسلام
- ۴۵۶ حضرت خالدہؓ بنت حارث کا قبول اسلام
- ۴۵۷ حضرت عذریہؓ کا قبول اسلام
- ۴۵۸ حضرت سارہؓ کا قبول اسلام
- ۴۵۹ حضرت سفانہؓ بنت حاتم طائی کا قبول اسلام
- ۴۶۰ حضرت معاذہؓ بنت عبداللہ کا قبول اسلام
- ۴۶۱ ایک صحابیہؓ کا قبول اسلام

اسلام کی وسعت

- ۴۶۷ یمن میں اسلام
- ۴۶۸ نجران میں اسلام
- ۴۶۸ بحرین میں اسلام
- ۴۶۹ عمان میں اسلام
- ۴۶۹ حدود شام میں اسلام

- ۴۷۰ وفد دوس
- ۴۷۱ وفد صداء
- ۴۷۲ وفد ثقیف
- ۴۷۶ وفد عبد القیس
- ۴۷۸ وفد بنی حنیفہ
- ۴۷۹ وفد طے
- ۴۸۰ وفد اشعریین
- ۴۸۱ وفد ازد
- ۴۸۳ وفد ہمدان
- ۴۸۵ وفد نجیب
- ۴۸۷ وفد بنی سعد ہذیم
- ۴۸۸ وفد بنی اسد
- ۴۸۹ وفد بہراء
- ۴۹۰ وفد حولان
- ۴۹۲ وفد مخارب
- ۴۹۳ وفد بنی عبس
- ۴۹۴ وفد عامہ
- ۴۹۵ وفد بنی فزارہ
- ۴۹۶ وفد سلیمان
- ۴۹۷ وفد نجران
- ۴۹۹ وفد نخج
- ۵۰۱ آخری گزارش
- ۵۰۳ مآخذ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

انتساب

محسن و مربی داعی اسلام

حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی نور اللہ مرقده

کے نام

جنہوں نے انسانیت کی فکر و تڑپ اور اس کے لئے جہد مسلسل کو سب کاموں پر ترجیح دی اور غیر مسلموں میں دعوت کے کام کو قوت بخشنے کے لئے تصنیفی طریقوں سے بھی کام لیا، نبوی تربیت گاہ سے فیضان پا کر دعوت دین کے لئے اپنی زندگیاں لگا دینے والی جماعت صحابہ کرامؓ کے قبول اسلام کے واقعات کی ترتیب و تالیف پر اپنے اس خوشہ چیں کو لگایا اور اپنی زیر نگرانی اس کا ہندی ترجمہ بھی کرایا لیکن افسوس کہ آپ کی زندگی میں یہ کتاب طبع نہ ہو سکی۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو ہمارے حضرت کے لیے صدقہ جاریہ بنائے، آپ کے درجات بلند فرمائے، ﴿مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ﴾ کے زمرہ میں شامل فرمائے، آمین۔

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

عبدالعلیم ندوی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

تقدیم

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی
(صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ و ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد الانبياء
والمرسلين خاتم النبيين سيدنا محمد وعلى آله وصحبه
أجمعين.

دین اسلام کو اس کائنات اور انسانوں کے پیدا کرنے والے نے اپنے آخری
نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر مکمل کیا، وہ اس دین اور شریعت کے پیغام کے ساتھ جس
زمانہ میں مبعوث ہوئے، وہ دنیا کی دینی و اخلاقی حالت کے لحاظ سے بہت بگڑ
چکا تھا اور اللہ کی طرف سے بھیجے جانے والے نبیوں کے سلسلہ کو وقفہ ہو جانے کے
بعد اس کی ضرورت بہت شدید ہو گئی تھی، یہ وقفہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے
بعد تقریباً چھ سو سال رہا، جس میں کوئی نبی نہیں آیا، دراصل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے
ساتھ ان کی قوم نے جو برا سلوک کیا، اس نے اللہ رب العزت کو انسانوں سے ایسا
ناراض کر دیا تھا کہ اس کے اثر سے اس کائنات کے خالق کی طرف سے دنیا کو ختم
کر دینے کا فیصلہ ہو سکتا تھا، لیکن اس کی رحمت نے پھر بھی نبی بھیجنے کا فیصلہ کیا، اور اس
نبی کو اصلاح انسانیت کے کام کی مزید صلاحیت عطا کی، اور اس پر نبوت کے سلسلہ کے
کھل کرنے کا فیصلہ کیا، اس طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبيین قرار پائے۔

ان کو ایسی قوم میں پیدا فرمایا جو انسانوں کی ترقی یافتہ اور بگڑی ہوئی تہذیبوں

کے اثر سے محفوظ رہتے ہوئے صرف انسانی فطری حالات اور خصوصیات کے دائرہ تک محدود تھی، یہ دائرہ تعلیم شروع کرنے سے پہلے کا دائرہ ہوتا ہے جس میں انسان کی صلاحیتیں فطری حدود تک محدود رہتی ہیں، اور ترقی یافتہ حالات کے ذریعہ مختلف نفس پرستانہ طریقوں سے جو بگاڑ آتا ہے وہ اس میں شروع نہیں ہوا ہوتا ہے۔

یہ قوم عربوں کی امی قوم تھی، جس نے باقاعدہ تعلیمی مراحل نہیں دیکھے تھے، اس کے سامنے اللہ کے برگزیدہ نبی نے دعوت حق اور صداقت پیش کی، تو جس نے اس کو جب تک نہیں سمجھا اس کو نہیں مانا، اور جس نے جب اس کو سمجھا فوراً اس کا وقار وار ہو گیا، اور اس کا داعی بن گیا، چنانچہ آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے جو کوششیں کی، ان کو اول اول سخت مخالفت برداشت کرنا پڑی، لیکن آہستہ آہستہ آپ کے طریقہ کار اور اخلاق اور اللہ تعالیٰ کا کلام اتنا موثر ہوا، کہ صرف تیس سال کی مدت میں صرف اسلام کا حلقہ بگوش ہی نہیں بلکہ پختہ کار داعی اور مثالی انسانی معاشرہ بن گیا، ان میں جن کو رسول اللہ ﷺ کی صحبت اور ملاقات کا شرف حاصل ہوا، وہ فولادی صفت کے مسلمان ہوئے، جن کے ذریعہ آئندہ آنے والی نسلوں اور دنیا کے دوسرے علاقوں میں اسلامی اخلاق و اعمال کا پیغام پہنچا، اور یہ دین بین الاقوامی اور دائمی دین بن گیا، حضور ﷺ خاتم النبیین کے یہ اصحاب جن کو آپ ﷺ کی صحبت سے دین ملا تھا، وہ انسانی مخلوقات میں نبیوں کے بعد سب سے اعلیٰ مثالی جماعت بن گئی، کہ جن کے سیرت و اخلاق دیکھ کر اسلام سے محبت اور عقیدت قائم ہو جاتی تھی۔

ضرورت تھی کہ ان حضرات کے سیرت کے نمونے اور قبول اسلام کے واقعات لوگوں کے سامنے لائے جائیں جن کے ذریعہ اسلام کی خوبی اور اخلاق و سیرت کے وہ حالات سامنے آسکیں، جن سے اسلام کے دین حق ہونے کا یقین حاصل ہو، عربی زبان میں اس کا بڑا ذخیرہ موجود ہے، اردو میں حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کی حکایات صحابہ، مولانا عبدالسلام ندوی کی اسوۂ صحابہ اور مولانا یوسف

صاحب کاندھلویؒ کی حیات الصحابہؓ کا اردو ترجمہ موثر کتابیں ہیں، داعی حق مولانا عبداللہ حسنی مرحوم کی طرف سے آسان اور سلیس اسلوب میں مولوی عبدالعلیم ندوی رائے بریلوی کو اس کی توجہ دہانی ہوئی، اور انہوں نے اس پر کام کیا، اب یہ طباعت کے لئے جارہی ہے، توقع ہے کہ اس کے پڑھنے والوں کے سامنے دین اسلام کے اخلاق و صفات کے نمونے سامنے آئیں گے، اور صحابہ کرامؓ کا مقام بلند بھی واضح ہوگا وہ دین حق کے آخری پیغمبر کے بعد داعی اول کی حیثیت رکھتے ہیں، جس کی بناء پر وہ عملی نمونے کی بھی حیثیت رکھتے ہیں، کہ وہ ان کو پڑھ کر اور دیکھ کر انسان ان اعلیٰ اخلاق و کردار سے واقف ہوتا ہے، جو رب العزت کو پسند ہے اور جو آخرت کی کامیابی کا ذریعہ ہے، اللہ تعالیٰ اس کے نفع کو عام فرمائے۔

محمد رابع حسنی ندوی

دائرہ شاہ علم اللہ، بکلیہ، رائے بریلی

رمضان المبارک ۱۴۳۶ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تقریظ

حضرت مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی مدظلہ العالی
(جنرل سکریٹری آل انڈیا پیام انسانیت فورم)

اسلام ہی دین حق ہے اور اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لیے اس کو پسند فرمایا ہے، اور یہ اعلان فرمادیا کہ ﴿ان الدین عند اللہ الاسلام﴾ اور فرمایا ﴿و من یتبع غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه وهو فی الآخرة من الخاسرین﴾ ہر نبی نے اپنے اپنے زمانہ میں اللہ کے بندوں کو جو راہ حق سے ہٹ گئے تھے اسلام کا صحیح راستہ بتایا، اور اپنی زندگی اسلام کی تبلیغ میں صرف کی، نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تمام انسانیت کے لیے بھیجا، آپ کی بعثت کا دائرہ ایک طرف پوری دنیا کو اپنے گھیرے میں لیے ہوئے ہے تو دوسری طرف اس کا زمانی رقبہ قیامت تک کے لیے ہے، آپ ﷺ نے جب دعوت پیش کی تو مکہ کے دشت و جبل گونج اٹھے، آہستہ آہستہ لوگ دین میں داخل ہونا شروع ہوئے اور پھر وہ وقت آیا کہ جوق در جوق اسلام کی طرف لوگ آنے لگے۔

ان اسلام لانے والوں کی اگر تاریخ دیکھی جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے لیے دو چیزیں ایسی پرکشش تھیں جنہوں نے ان کو اسلام کی طرف کھینچا، ایک اللہ کے رسول ﷺ کی ذات اور دوسرے اللہ کا کلام یعنی قرآن مجید۔

ان حضرات کے اسلام میں داخل ہونے کی تفصیلات جو حدیث اور سیرت و تاریخ

کی کتابوں میں منتشر ہیں، بڑی موثر اور دلوں کو جھنجھوڑنے والی ہیں، عجیب بات ہے کہ قریبی دور میں اسلام لانے والوں کے واقعات پر تو کتابیں شائع ہوئیں لیکن حضرات صحابہ کے اسلام لانے کے واقعات کم از کم اردو میں یکجا نہیں ملتے۔

بڑی خوشی کی بات ہے یہ کام محبت عزیز و مکرم مولوی عبدالعلیم ندوی صاحب نے بڑی عرق ریزی سے کیا، برادر محترم و معظم حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے ان کا بڑا گہرا تعلق رہا ہے، یہ کام انہوں نے مولانا ہی کے ایماء پر کیا تھا، اس کا ہندی ترجمہ بھی مولانا نے کرایا تھا، جو انشاء اللہ جلد ہی زیور طبع سے آراستہ ہوگا، ضرورت تھی کہ اردو میں بھی یہ کتاب شائع ہو، تاکہ دعوت کا کام کرنے والوں کو اس سے روشنی ملے۔

میں موصوف کو اس کام پر مبارکباد پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے، دعوت کے میدان میں یہ ایک راہ نما کتاب ثابت ہو، اور مصنف کے لیے ذخیرہ آخرت بنے۔

بلال عبدالحی حسنی ندوی

مرکز الامام ابی الحسن الندوی، دار عرفات

۱۵ شوال المکرم ۱۴۳۶ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دعوت اسلام

آنحضرت ﷺ کا اصلی کام نہ صرف عرب بلکہ ساری انسانیت کو توحید الہی کی دعوت دینا اور سارے عالم میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت تھا، لیکن کفار عرب کی مسلسل مزاحمت اس راہ میں رکاوٹ بنی رہی، ان رکاوٹوں کے باوجود تبلیغ اسلام کا کام برابر جاری رہا اور آہستہ آہستہ اسلام پھیلتا رہا اور جس قدر رکاوٹیں دور ہوتی گئیں اسلام کی اشاعت کی رفتار بڑھتی گئی، تا آنکہ فتح مکہ کے بعد جب قریش کی قوت کا خاتمہ ہو گیا اور عربوں کا مذہب ہی مرکز کعبۃ اللہ مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا، اس وقت سارے عرب میں اسلام کی روشنی پھیل گئی اور یہی رسالت کا حقیقی کارنامہ ہے۔

آنحضرت ﷺ نے تبلیغ اسلام کے مختلف طریقے اختیار فرمائے، ابتداء میں تنہا اشخاص سے مل کر جمعوں، میلوں اور قبائل میں جا کر خدا کا پیغام پہنچاتے، ہر ایک گلی کوچے میں جا جا کر لوگوں کو توحید کی خوبی بتاتے، بتوں، پتھروں، درختوں کی پوجا سے روکتے، آپ ﷺ کو تلقین فرماتے کہ خدا کی ذات کو نقص سے، عیب سے، آلودگی سے پاک سمجھیں، اس بات کا پختہ اعتقاد رکھیں کہ زمین، آسمان، چاند، سورج، چھوٹے، بڑے سب کے سب خدا کے پیدا کئے ہوئے ہیں، سب اسی کے محتاج ہیں، دعا کا قبول کرنا، بیمار کو صحت و تندرستی دینا، مرادیں پوری کرنا اللہ کے اختیار میں ہے، اللہ کی مرضی اور حکم کے بغیر کوئی بھی کچھ نہیں کر سکتا، فرشتے اور نبی بھی اسی کے حکم کے خلاف کچھ نہیں کرتے، عرب میں عکاظ، عیینہ اور ذی الحجاز کے میلے بہت مشہور تھے، دور دور سے لوگ وہاں آیا کرتے تھے، نبی ﷺ ان مقامات پر جاتے اور میلے میں

آئے ہوئے لوگوں کو اسلام کی اور توحید کی دعوت فرمایا کرتے تھے، حضرت طارق بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بازار ذی الحجاز میں تھا کہ اچانک ایک نوجوان آدمی گذرا جس نے سرخ دھاریوں والا جوڑا پہنا ہوا تھا، اور وہ یہ کہہ رہا تھا کہ ”اے لوگو! لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کہو کامیاب ہو جاؤ گے، اور اس کے پیچھے ایک آدمی تھا جس نے اس نوجوان کی اڑیوں اور پنڈلیوں کو زخمی کر رکھا تھا اور وہ کہہ رہا تھا اے لوگو! یہ جھوٹا ہے، اس کی بات مت مانو، میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ کسی نے کہا: یہ بنی ہاشم کا نوجوان ہے جو اپنے کو اللہ کا رسول بتاتا ہے اور یہ دوسرا اس کا چچا ابولہب ہے۔

کچھ دنوں کے بعد نبی ﷺ مکہ سے نکلے اور وعظ کے لیے پیدل طائف تشریف لے گئے، نبی ﷺ کے ساتھ اس سفر میں حضرت زید بن حارثہ تھے، مکہ اور طائف کے درمیان جتنے قبیلے تھے سب کو وعظ سناتے، توحید کی منادی کرتے ہوئے نبی ﷺ پیدل طائف پہنچے، نبی ﷺ نے وعظ کہنا شروع فرمایا، تو وہاں کے سرداروں نے اپنے غلاموں اور شہر کے لڑکوں کو سکھا دیا، وہ وعظ کے وقت نبی ﷺ پر اتنے پتھر پھینکتے کہ حضور ﷺ ہوش تر ہتر ہو جاتے، خون بہہ بہہ کر جوتوں میں جم جاتا اور وضو کے لیے پاؤں سے جوتا نکالنا مشکل ہو جاتا۔

اسی مقام پر وعظ کرتے ہوئے خدا کے رسول ﷺ کو اتنی چوٹیں لگیں کہ حضور ﷺ بیہوش ہو کر گر پڑے، زید نے اپنی پیٹھ پر اٹھایا، آبادی سے باہر لے گئے، پانی کے چھینٹے دینے سے ہوش آیا۔

اس سفر میں اتنی تکلیفوں اور ایذاؤں کے بعد اور ایک شخص تک کے مسلمان نہ ہونے کے رنج اور صدمہ کے وقت بھی نبی ﷺ کا دل خدا کی عظمت اور محبت سے بھر پور تھا، جو اس وقت کی دعا میں نظر آتا ہے۔

طائف سے واپس ہوتے ہوئے یہ بھی فرمایا: میں ان لوگوں کی تباہی کے لیے کیوں دعا کروں، اگر یہ لوگ خدا پر ایمان نہیں لاتے تو کیا ہوا؟ امید ہے کہ آئندہ

نسلیں ضرور ایک خدا پر ایمان لانے والی ہوں گی۔

مکہ میں واپس آ کر نبی ﷺ نے اب ایسا کرنا شروع کیا کہ مختلف قبیلوں کی سکونت گاہوں میں تشریف لے جاتے یا مکہ سے باہر چلے جاتے اور جو کوئی مسافر آتا یا مل جاتا اسے ایمان اور خدا ترسی کا وعظ فرماتے۔

انہی ایام میں قبیلہ بنو کنندہ میں تشریف لے گئے سردار قبیلہ بلح تھا، آپ ﷺ نے ان کو دعوت دی لیکن سب نے انکار کیا اور قبیلہ بنو عبد اللہ کے یہاں بھی پہنچے ان سے فرمایا کہ ”تمہارے باپ کا نام عبد اللہ تھا، تم بھی اسم با مسمیٰ ہو جاؤ“، لیکن انہوں نے آپ ﷺ کی پیش کردہ دعوت کو قبول نہ کیا، قبیلہ بنو حنیفہ کے گھروں میں تشریف لے گئے، انہوں نے سارے عرب میں سب سے بدتر طریق پر نبی ﷺ کا انکار کیا، قبیلہ بنو عامر بن صعصعہ کے پاس گئے، سردار قبیلہ کا نام بحیرہ بن فراس تھا اور اس نے دعوت اسلام سن کر نبی ﷺ سے پوچھا: ”بھلا اگر ہم تیری بات مان لیں اور تو مخالفین پر غالب آجائے تو کیا وعدہ کرتا ہے کہ تیرے بعد یہ امر مجھ سے متعلق ہوگا؟“ نبی ﷺ نے فرمایا: ”یہ تو خدا کے اختیار میں ہے وہ جسے چاہے گا میرے بعد اسے مقرر کر دے گا“، بحیرہ بولا: ”خوب!! اس وقت تو عرب کے سامنے سینہ سپر ہم بنیں اور جب تیرا کام بن جائے تو مزے کوئی اور اڑائے، جا! ہم کو تیرے ساتھ کوئی سروکار نہیں۔“

قبائل کے سفر میں حضور ﷺ کے رفیق طریق حضرت ابو بکر صدیقؓ تھے۔ انہیں ایام میں نبی ﷺ کو سوید صامت ملا اس کا لقب اپنی قوم میں ”کامل“ تھا، نبی ﷺ نے اسے دعوت اسلام فرمائی، وہ بولا: ”شاید آپ ﷺ کے پاس وہی کچھ ہے جو میرے پاس ہے“، نبی ﷺ نے پوچھا: ”تمہارے پاس کیا ہے؟“ وہ بولا: ”حکمت لقمان“، نبی ﷺ نے فرمایا: ”یہ اچھا کلام ہے لیکن میرے پاس قرآن ہے جو اس سے افضل تر ہے اور ہدایت و نور ہے“، اس کے بعد نبی ﷺ نے اسے قرآن سنایا اور وہ بے تامل اسلام لے آیا، جب یثرب لوٹ کر گیا تو قوم خزرج نے

اسے قتل کر ڈالا۔

انہی ایام میں ابو الحیسر انس بن رافع مکہ آیا اور اس کے ساتھ بنی عبدالاشہل کے بھی چند نوجوان تھے جن میں ایاس بن معاذ بھی تھا، یہ لوگ قریش کے ساتھ اپنی قوم خزرج کی طرف سے معاہدہ کرنے آئے تھے، نبی ﷺ ان کے پاس گئے اور جا کر فرمایا: ”میرے پاس ایسی چیز ہے جس میں تم سب کی کامیابی ہے، کیا تمہیں کچھ رغبت ہے؟“ وہ بولے ”ایسی کیا چیز ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں اللہ کا رسول ہوں، مخلوق کی طرف مبعوث ہوں، بندگان خدا کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ خدا ہی کی عبادت کریں اور شرک نہ کریں، مجھ پر خدا نے کتاب نازل کی ہے“، پھر ان کے سامنے اسلام کے اصول بیان فرمائے اور قرآن بھی پڑھ کر سنایا، ایاس بن معاذ ابھی جوان تھا سنتے ہی بولا: ”اے میری قوم! بخدا یہ تمہارے لیے اس مقصد سے بہتر ہے جس کے لیے تم یہاں آئے ہو۔“

انس بن رافع نے کنکریوں کی مٹھی بھر کر اٹھائی اور ایاس کے منہ پر پھینک ماری اور کہا: ”بس چپ رہ! ہم اس کام کے لیے تو نہیں آئے“، رسول اللہ ﷺ اٹھ کر چلے گئے، ایاس واپس جا کر چند روز کے بعد مر گیا، مرتے وقت اس کی زبان پر تسبیح و تحمید و تہلیل و تکبیر جاری تھی، مرحوم کے دل میں نبی ﷺ کے اسی وعظ سے اسلام کا بیج بویا گیا تھا جو مرتے وقت پھل پھول لے آیا تھا۔

اللہ نبوت کے موسم حج کا ذکر ہے کہ نبی ﷺ نے رات کی تاریکی میں شہر مکہ سے چند میل پرے مقام عقبہ پر لوگوں کو باتیں کرتے سنا، اس آواز پر خدا کا نبی ﷺ ان لوگوں کے پاس پہنچا، یہ چھ آدمی یثرب (مدینہ) سے آئے تھے، ان کے سامنے نبی ﷺ نے خدا کی عظمت و جلال کا بیان شروع کیا، ان کی محبت کو خدا کے ساتھ گرمایا، بتوں سے ان کو نفرت دلائی، نیکی و پاکیزگی کی تعلیم دے کر گناہوں اور برائیوں سے منع فرمایا، قرآن کی تلاوت فرما کر ان کے دلوں کو روشن فرمایا، یہ لوگ اگر

چہ بت پرست تھے، لیکن انہوں نے اپنے شہر کے یہودیوں کو بارہا ذکر کرتے سنا تھا کہ ایک نبی (ﷺ) عنقریب ظاہر ہونے والا ہے، اس تعلیم سے وہ اسی وقت ایمان لے آئے اور جب اپنے وطن لوٹ کر گئے تو دین حق کے سچے داعی بن گئے۔

وہ ہر ایک کو خوش خبری سناتے تھے کہ وہ نبی جس کا تمام عالم کو انتظار تھا آ گیا، ہمارے کانوں نے اس کا کلام سنا، ہماری آنکھوں نے اس کا دیدار کیا، اور اس نے ہم کو اس زندہ رہنے والے خدا سے ملا دیا ہے کہ دنیا کی زندگی اور موت اس کے سامنے ہیچ ہے۔

ان لوگوں کے بشارت لے جانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ یثرب کے گھر گھر میں آنحضرت ﷺ کا ذکر ہونے لگا اور اگلے سال ۱۲ھ نبوت میں یثرب کے باشندے مکہ میں حاضر ہوئے اور نبی ﷺ کے فیضان سے دولت ایمان حاصل کی۔

خلاصہ یہ کہ سابقین اولین اور انصار کی ابتدائی جماعت کا اسلام جو درحقیقت تبلیغ اسلام کا سنگ بنیاد ہے اسی دور کی کوشش کا نتیجہ ہے۔

اس کے بعد اسلام میں جوں جوں تقویت آتی گئی، اس فریضہ کی آدائیگی میں اور زیادہ وسعت ہوتی گئی، تربیت یافتہ مبلغین اور چھوٹی چھوٹی تبلیغی جماعتیں مختلف قبائل اور مقامات میں بھیجی جانے لگیں، جس قبیلہ کا کوئی آدمی مسلمان ہو جاتا تھا وہ خود جا کر اپنے قبیلہ میں اسلام کی اشاعت کرتا تھا۔

چنانچہ حضرت طفیل بن عمرو دوسی نے اسلام لانے کے بعد اپنے قبیلہ میں جا کر اشاعت اسلام کا کام کیا، لیکن عام قبیلہ نے طفیل کی دعوت قبول نہ کی، وہ رنجیدہ ہو کر آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا: ”یا رسول اللہ ﷺ! دوس نے نافرمانی کی ان پر بدو عا کیجئے“، آپ ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی کہ ”خدایا! دوس کو ہدایت دے اور ان کو بھیج“، اس کے بعد سارا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔

حضرت ضاد بن ثعلبہ قبیلہ ازد شتوہ کے رئیس تھے جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”اپنے پورے قبیلہ کی

طرف سے بیعت کر لو، چنانچہ انہوں نے پورے قبیلہ کی طرف سے بیعت کر لی اور وہ ان کی دعوت سے مسلمان ہو گیا۔

حضرت ابوذر غفاریؓ جب اسلام لانے کے بعد مکہ سے اپنے قبیلہ واپس گئے اور اپنے قبیلہ کو اسلام کی دعوت دی تو آدھا قبیلہ اسی وقت مسلمان ہو گیا، بقیہ آدمیوں نے کہا کہ ہم اس وقت اسلام کا اظہار کریں گے جب آنحضرت ﷺ مدینہ میں آجائیں، چنانچہ جب آپ ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو باقی آدمی بھی مسلمان ہو گئے۔

غفار سے قریب اسلم کا قبیلہ تھا اور دونوں قبیلوں میں پرانے تعلقات تھے، غفار کے اثر سے انہوں نے بھی اسلام قبول کیا۔

غرض اسی طرح اسلام آہستہ آہستہ پھیلتا رہا ۵ھ کے بعد جب غزوہ احزاب میں قریش اور متحدہ قبائل کو شکست ہوئی اور قریش کا اثر کسی قدر کم ہوا، اس وقت ان قبائل نے جو اسلام کی طرف مائل تھے، لیکن قریش کے خوف سے اس کے اظہار کی ہمت نہ پڑتی تھی، وہ خود بھیجنے شروع کئے، چنانچہ سب سے پہلی جو سفارت آئی وہ قبیلہ مزینہ کی تھی جس میں چار سو آدمیوں کی ایک جماعت مشرف بہ اسلام ہوئی، اور انہوں نے یہ بھی خواہش ظاہر کی کہ اگر ارشاد ہو تو ہجرت کر کے مدینہ آجائیں، لیکن آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”تم جہاں رہو مہاجر ہو“۔

اسی زمانہ میں قبیلہ اشجع کے سفراء جن کی تعداد سو (۱۰۰) تھی، مدینہ میں آئے، اور آنحضرت ﷺ سے کہا کہ ”ہم آپ ﷺ سے لڑنا نہیں چاہتے بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ صلح کا معاہدہ ہو جائے“، آنحضرت ﷺ نے قبول فرمایا، اس وقت تک یہ لوگ کافر رہے، لیکن جب صلح ہو چکی تو انہوں نے خود بخود اسلام قبول کر لیا۔

جہینہ بھی انہی قبائل کے آس پاس آباد تھے، آنحضرت ﷺ نے ان کو اسلام کی دعوت دی، اور وہ فوراً ایک ہزار کی جمعیت لے کر مدینہ آئے اور مسلمان ہو گئے۔

لیکن صلح حدیبیہ تک اشاعت اسلام کی رفتار سست رہی، صلح حدیبیہ کے بعد جب

مسلمانوں اور غیر مسلموں کو آزادی کے ساتھ ایک دوسرے سے ملنے جلنے اور گفتگو کرنے کا موقع ملا، اس وقت مسلمانوں کے اخلاق و عمل اور اسلام کے زندہ پیکر کو دیکھ کر اور ان سے اسلام کو سمجھ کر بکثرت کفار مسلمان ہوئے، طبری کا بیان ہے کہ ”کوئی سمجھ دار آدمی ایسا نہ تھا جس نے اسلام پر گفتگو کے بعد اس کو قبول نہ کیا ہو“، جتنے لوگ شروع سے اس وقت تک مسلمان ہوئے تھے، صرف دو برس کے اندر ان کے برابر یا ان سے زیادہ تعداد میں مسلمان ہوئے۔

پھر بھی فتح مکہ تک یہ رفتار مقابلہٴ سخت رہی، فتح مکہ کے بعد ہر طرف سے لوگ قبول اسلام کی جانب پیش قدمی کرنے لگے، اس کا سبب یہ تھا کہ تولیت کعبہ کی وجہ سے قریش سارے عرب کے مقتدا اور پیشوا تھے، اور سب کی نگاہیں ان کی طرف لگی ہوئی تھیں، فتح مکہ کے بعد جب کعبہ مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا اور قریش کی قوت ختم ہو گئی، اس وقت قبائل اسلام کی طرف ٹوٹ پڑے، بخاری کی روایت ہے کہ عرب قریش کے اسلام کا انتظار کرتے تھے، وہ کہتے تھے کہ محمد ﷺ ان کی قوم (قریش) پر چھوڑ دو، اگر محمد ﷺ ان پر غالب آ گئے، تو بے شبہ وہ سچے پیغمبر ہیں، پس جب مکہ فتح ہوا تو ہر قبیلہ نے اسلام کی طرف پیش دستی کی اور لوگ خوشی خوشی مسلمان ہوتے جاتے تھے، قرآن پاک کی یہ آیت اسی موقع کی طرف اشارہ کرتی ہے:

﴿إِذَا جَاءَ فَضْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ۖ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا﴾ (جب خدا کی فتح و نصرت آئی اور تم نے دیکھ لیا کہ لوگ فوج در فوج خدا کے مذہب میں داخل ہو رہے ہیں)

صحابہ کرام کا قبول اسلام

لطاقت طبع، رقت قلب اور اثر پذیر می ایک نیک سرشت انسان کا اصلی جوہر ہیں، اور انہیں کے ذریعہ سے وہ ہر قسم کی بند و موعظت، تعلیم و تربیت اور ارشاد و ہدایت کو قبول کر سکتا ہے، پھولوں کی پنکھڑیاں نسیم صبح کی خاموش حرکت سے ہل جاتی ہیں، لیکن تناور

درختوں کو بادیِ مصر کے جھونکے بھی نہیں ہلا سکتے، شعاعِ نگاہِ آئینہ کے اندر سے گزر جاتی ہے، لیکن پہاڑوں میں فولاد تیر بھی نفوذ نہیں کرتے، بعینہ یہی حال انسان کا بھی ہے، ایک لطیف الطبع، رقیق القلب اور اثر پذیر آدمی ہر دعوتِ حق کو آسانی سے قبول کر لیتا ہے، لیکن سنگِ دل اور غلیظ القلب لوگوں پر بڑے سے بڑے مجزے بھی اثر نہیں کرتے، اس فرقِ مراتب کی جزئی مثالیں ہر جگہ مل سکتی ہیں، لیکن اشاعتِ اسلام کی تاریخ تمام تر اسی قسم کی مثالوں سے لبریز ہے، کفار میں ہم کو بہت سے اشقیاء کا نام معلوم ہے جنہوں نے ہزاروں کوششوں کے بعد بھی خدائے ذوالجلال کے آگے سر نہیں جھکایا، لیکن صحابہ کرام نے قرآن مجید کی آیات، رسول اللہ ﷺ کے اخلاق و عادات، آپ ﷺ کے مواعظ و نصائح، شکل و شبہات، دعاۃ اسلام کی تعلیم، ہدایت و ارشاد اور معجزات و آیاتِ غرض ہر موثر چیز کے اثر کو قبول کیا اور برضا و رغبت اسلام کے حلقہ میں داخل ہوئے۔

قرآن مجید کا اثر

حضرت عمرؓ خود آنحضرت ﷺ کا (نعوذ باللہ) کام تمام کرنے کے لیے گھر سے نکلے تھے، لیکن جب قرآن مجید کی چند آیتیں سنیں تو ان کا دل ثورِ ایمان سے لبریز ہو گیا، حضرت ابوذر غفاریؓ نے اپنے بھائی سے قرآن مجید کے معجزانہ اثر کا ذکر سنا تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صدقِ دل سے مسلمان ہو گئے۔ حضرت عثمان بن مظعونؓ نے جب یہ آیت سنی:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ

الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ﴾

(النحل: ۱۳) (خدا عدل، احسان اور قرابت داروں کے ساتھ سلوک

کرنے کا حکم دیتا ہے اور بدکاری، برائی اور ظلم سے روکتا ہے، وہ اس لیے

یہ نصیحتیں کرتا ہے کہ شاید تم اس کو قبول کر لو)

تو ان کے دل پر جو اثر ہوا اس کو وہ خود ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں: ”یہی وہ

وقت ہے جب ایمان میرے دل میں جاگزیں ہوا اور میں محمد ﷺ سے محبت رکھنے لگا، حضرت جبیر بن مطعم نے جب یہ آیتیں سنیں:

﴿أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ أَمْ خَلَقُوا السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضَ بَلْ لَا يُوقِنُونَ أَمْ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ أَمْ هُمُ
الْمُسَبِّطُونَ﴾ (کیا یہ لوگ خود بخود پیدا ہو گئے؟ یا یہ لوگ خود پیدا
کرنے والے ہیں؟ کیا آسمان و زمین کو انہی لوگوں نے پیدا کیا؟ سچ تو یہ
ہے کہ ان کے دل میں ایمان نہیں (اے پیغمبر) کیا ان کے پاس تمہارے
پروردگار کے خزانے ہیں؟ یا یہ لوگ سربراہ کار ہیں)
تو خود کہتے ہیں کہ میرا دل اڑنے لگا۔

حضرت طفیل بن عمرو الدوسی نے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے قرآن
سنا تو بے اختیار ہو کر مسلمان ہو گئے۔

طائف کے سفر میں حضرت خالد العدوائی نے آپ ﷺ کی زبان مبارک سے
یہ آیت سنی:

﴿وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ﴾ (آسمان کی قسم اور رات میں آنے والے کی قسم)
تو اسی وقت پوری سورہ کو یاد کر لیا، اور بالآخر مسلمان ہو گئے۔

اشخاص سے الگ صحابہ کی جماعت کی جماعت قرآن مجید سے متاثر ہوئی اور اسلام
لائی، مثلاً: حضرت ابو عبیدہؓ، حضرت ابوسلمہؓ، حضرت ارقم بن ابی الارقم اور حضرت عثمان بن
مظعونؓ جب آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے دعوت اسلام
دی، اور قرآن مجید کی تلاوت فرمائی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ تمام لوگ مسلمان ہو گئے۔
قرآن مجید نے ایرانیوں کے مقابل میں رومیوں کی فتح کی جو پیشین گوئی کی تھی
وہ پوری ہوئی تو بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔

اخلاق نبوی کا اثر

ایک بار ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے بہت سی بکریاں مانگیں، آپ ﷺ نے

نے اس کا سوال پورا کیا، اس پر اس فیاضی کا یہ اثر پڑا کہ اپنے قبیلہ میں آکر کہا: ”لوگو! مسلمان ہو جاؤ کیونکہ محمد ﷺ اس قدر دیتے ہیں کہ ان کو اپنے تنگ دست ہو جانے کا بھی خوف نہیں ہوتا۔“

ایک یہودی عالم نے جب آپ ﷺ کو تقاضائے قرض میں اس قدر تنگ کیا کہ ظہر کی نماز سے لے کر فجر تک آپ ﷺ کا ساتھ نہ چھوڑا تو صحابہ کرام نے اس کو سخت دھمکیاں دیں، لیکن آپ ﷺ نے فرمایا: ”خدا نے مجھے کسی ذمی پر ظلم کرنے کی اجازت نہیں دی ہے، دن چڑھا تو وہ اسلام لایا، اور کہا کہ ”میرا نصف مال خدا کی راہ میں صدقہ ہے، اس سخت گیری سے میرا صرف یہ مقصد تھا کہ تورات میں آپ ﷺ کے جو اوصاف مذکور ہیں ان کا تجربہ کر لوں۔“

حضرت ثمامہ بن اثال گرفتار ہو کر آئے لیکن جب آپ ﷺ نے ان کو بلا شرط و بلا معاوضہ رہا کر دیا تو انہوں نے فوراً اسلام قبول کر لیا اور ان کا دل اسلام، داعی اسلام اور مدینۃ الاسلام کی محبت سے معمور ہو گیا۔

مواعظ نبوی کا اثر

ایک بار حضرت ضماؤ مکہ میں آئے تو کفار سے سنا کہ رسول اللہ ﷺ کو جنون ہو گیا ہے، حاضر خدمت ہوئے اور کہا کہ ”میں جنون کا علاج کرتا ہوں“، آپ ﷺ نے ان کے سامنے ایک تقریر کی جس کا اثر ان پر یہ پڑا کہ فوراً مسلمان ہو گئے۔

حضرت حلیمہؓ کے شوہر یعنی آپ ﷺ کے رضاعی باپ جب مکہ میں تشریف لائے تو قریش نے کہا کہ ”کچھ سنا ہے تمہارا بیٹا کہتا ہے کہ لوگوں کو مر کر پھر جینا ہوگا“، انہوں نے آپ ﷺ سے کہا: ”بیٹا! یہ کیا کہتے ہو؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اگر وہ دن آیا تو میں آپ کا ہاتھ پکڑ کر بتا دوں گا کہ جو کچھ میں کہتا تھا سچ تھا“، وہ فوراً مسلمان ہو گئے، اور ان فقروں کا اثر عمر بھر رہا، کہا کرتے تھے کہ ”میرا بیٹا ہاتھ پکڑے گا تو جنت میں پہنچا کر ہی چھوڑے گا۔“

شمال نبوی کا اثر

بعض صحابہ نے صرف آپ ﷺ کی شکل و صورت ہی دیکھ کر آپ ﷺ کی نبوت

کا اعتراف کر لیا، حضرت ابورافعؓ آپ ﷺ کی خدمت میں قریش کی طرف سے قاصد بن کر آئے لیکن آپ ﷺ پر نظر پڑتے ہی شیدائے اسلام ہو گئے، اور بالآخر علانیہ اسلام قبول کر لیا، حضرت عبداللہ بن سلامؓ کو آپ ﷺ کا چہرہ دیکھتے ہی یقین ہو گیا کہ جھوٹے آدمی کا چہرہ ایسا نہیں ہو سکتا۔

دُعا کا اثر

صحابہ نہیں بکثرت دُعا کا اسلام کے اخلاقی اثر سے اسلام لائے، متعدد صحابہؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے اثر سے اسلام قبول کیا، یمن کے لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ارشاد و ہدایت سے اسلام لائے، حضرت طفیلؓ نے اپنے قبیلے کے بہت سے لوگوں کو مسلمان کیا، قبیلہ ہمدان حضرت عامر بن شہرؓ کے اثر سے اسلام لایا، حضرت ابوذر غفاریؓ کا آدھا قبیلہ ان کے اثر سے مسلمان ہوا، غرض احادیث و سیر میں اس قسم کے بکثرت واقعات مذکور ہیں۔

معجزات کا اثر

ایک سفر میں صحابہؓ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیاس کی شکایت کی، آپ ﷺ نے دو آدمیوں کو پانی کی تلاش میں بھیجا، یہ لوگ جستجو میں نکلے تو ایک ناقہ سوار عورت ملی جس کے ساتھ پانی کی دو مشکیں تھیں، ان دونوں بزرگوں نے اس کو آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ ﷺ نے ایک برتن منگوایا اور اس میں دونوں مشکوں سے پانی ڈال کر مشکوں کے دہانے بند کر دیئے اور عام اعلان کے ذریعہ سے تمام صحابہؓ آئے اور پانی پی کر سیراب ہوئے، لیکن مشکوں کے پانی میں کوئی کمی نہیں ہوئی، عورت نے یہ معجزہ دیکھا تو اپنے قبیلہ میں آ کر بیان کیا کہ ”خدا کی قسم آسمان وزمین کے درمیان یہ شخص عجوبہ روزگار اور خدا کا سچا پیغمبر ہے۔“

رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو حضرت عبداللہ بن سلامؓ حاضر خدمت ہوئے اور چند شبی امور کے متعلق سوالات کئے، آپ ﷺ نے ان کے

جوابات دیئے تو انہوں نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔

فتح مکہ کا اثر

اگرچہ صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی تعداد جن میں تمام اکابر صحابہؓ داخل ہیں مذکورہ بالا سبب سے اسلام قبول کیا، تاہم ایک جماعت اسلام کے عام غلبہ کا انتظار کر رہی تھی، اس لیے جب فتح مکہ ہوا تو عام اہل عرب نے برضا و رغبت خود بخود اسلام قبول کر لیا، صحیح بخاری میں ہے کہ تمام عرب اپنے اسلام کے لیے فتح مکہ کا منتظر تھا، وہ کہتے تھے کہ محمدؐ کو اپنی قوم سے نپٹ لینے دو، اگر وہ ان پر غالب آگئے تو وہ سچے پیغمبر ہیں، چنانچہ فتح مکہ کا واقعہ ہوا تو ہر قبیلہ کے لوگ نہایت سرعیت کے ساتھ اسلام کی طرف دوڑے۔



حضرت ابو بکر صدیق کا قبول اسلام

حضرت ابو بکر صدیق کو بچپن ہی سے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص انس اور خلوص تھا اور آپ ﷺ کے حلقہ احباب میں داخل تھے، اکثر تجارت کے سفروں میں بھی ہمراہی کا شرف حاصل ہوتا تھا۔

نزول وحی سے ایک سال پہلے سے حضرت ابو بکر صدیق حضرت سرور عالم ﷺ کی خدمت میں آتے جاتے تھے، آغاز وحی کے زمانہ میں بسلسلہ تجارت یمن گئے ہوئے تھے، جب واپس آئے تو قریش کے سردار ابو جہل، عتبہ، شیبہ وغیرہ ملنے گئے، اثناء گفتگو میں حضرت ابو بکر نے تازہ خبر دریافت کی، تو کہا: ”سب سے بڑی خبر اور بڑی بات یہ ہے کہ ابوطالب کا یتیم بھتیجہ مدعی نبوت بنا ہے، اس کے انسداد کے متعلق ہم تمہارے آنے کے منتظر تھے“، یہ سن کر حضرت ابو بکر کے دل میں اشتیاق پیدا ہوا اور اعیان قریش کو خوش اسلوبی کے ساتھ رخصت کر کے خدمت مبارک میں حاضر ہوئے، بعثت کے متعلق سوال کیا اور اسی جلسہ میں قبول اسلام سے مشرف ہوئے، حضرت سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ ”میں نے جس شخص کے سامنے اسلام پیش کیا اس میں ایک قسم کی جھجک اور تردد و فکر ضرور پائی، مگر ابو بکر نے جس وقت میں نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا انھوں نے بے جھجک قبول کر لیا“۔

حضرت ابو بکر کا آئینہ دل پہلے سے صاف تھا، فقط خورشید حقیقت کی عکس افگنی کی دیر تھی، اور گزشتہ صحبتوں کے تجربوں نے نبوت کے خط و خال کو اس طرح واضح کر دیا

تھا کہ معرفت حق کے لیے کوئی انتظار باقی نہ رہا، البتہ ان کے اول مسلمان ہونے میں بعض مورخین اور اہل آثار نے کلام کیا ہے، بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت خدیجہؓ کا اسلام سب سے مقدم ہے، بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اولیت کا فخر حاصل ہے اور بعض کا خیال ہے کہ حضرت زید بن حارثہؓ بھی حضرت ابوبکرؓ سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے، لیکن اس کے مقابلہ میں ایسے اخبار و آثار بھی بکثرت موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اولیت کا طغرائے امتیاز صرف اسی ذات گرامی کے لیے مخصوص ہے، محققین نے ان مختلف احادیث و آثار میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا عورتوں میں، حضرت علیؓ بچوں میں، حضرت زید بن حارثہؓ غلاموں میں اور حضرت ابوبکر صدیقؓ آزاد اور بالغ مردوں میں سب سے اول مومن ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مسلمان ہونے کے ساتھ ہی دین حنیف کی نشر و اشاعت کے لیے جدوجہد شروع کر دی اور صرف آپ کی دعوت پر حضرت عثمان بن عفانؓ، حضرت زبیر العوامؓ، حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ، جو معدن اسلام کے سب سے تاباں و درخشاں جواہر ہیں مشرف بہ اسلام ہوئے، حضرت عثمان بن مظعونؓ، حضرت ابو عبیدہؓ، حضرت ابوسلمہؓ اور حضرت خالد بن سعید بن العاصؓ بھی آپ ہی کی ہدایت سے دائرۃ اسلام میں داخل ہوئے۔

آنحضرت ﷺ نے بعثت کے بعد کفار کی ایذا رسانی کے باوجود تیرہ برس تک مکہ میں تبلیغ و دعوت کا سلسلہ جاری رکھا، حضرت ابوبکرؓ اس بے بسی کی زندگی میں جان، مال، رائے و مشورہ غرض ہر حیثیت سے آپ ﷺ کے دست و بازو اور رنج و راحت میں شریک رہے۔

مکہ میں ابتداء جن لوگوں نے داعی توحید کو لبیک کہا ان میں کثیر تعداد غلاموں اور لونڈیوں کی تھی جو اپنے مشرک آقاؤں کے ہتھیے ظلم و ستم میں گرفتار ہونے کے باعث

طرح طرح کی اذیتوں میں مبتلا تھے، حضرت ابو بکرؓ نے ان مظلوم بندگان توحید کو ان کے جفا کار مالکوں سے خرید کر آزاد کر دیا، چنانچہ حضرت بلالؓ، عامر بن فہیرہؓ، نذیرہؓ، نہدیہؓ، جاریہؓ وغیرہ نے اسی صدیقی جو دو کرم کے ذریعہ سے نجات پائی۔

کفار جب کبھی آنحضرت ﷺ پر دست تعدی دراز کرتے تو یہ مخلص جانثار خطرہ میں پڑ کر خود سینہ سپر ہو جاتا، ایک دفعہ آپ ﷺ خانہ کعبہ میں تقریر فرما رہے تھے مشرکین اس تقریر سے سخت برہم ہوئے اور اس قدر مارا کہ آپ ﷺ بے ہوش ہو گئے، حضرت ابو بکرؓ نے بڑھ کر کہا: ”خدا تم سے سمجھے، کیا تم صرف ان کو اس لیے قتل کر دو گے کہ ایک خدا کا نام لیتے ہیں“، یہ مداخلت مشرکوں کو سخت ناگوار ہوئی اور سب کے سب ان پر جھپٹ پڑے اتنا مارا کہ سر پھٹ گیا اور خون بہنے لگا، عزیزوں نے آ کر بچایا، حضرت صدیقؓ پٹتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے تبارکت یا ذا الجلال و الاکرام، حضرت عائشہؓ کا قول ہے کہ ”اس واردات کے بعد جب حضرت ابو بکرؓ گھر پہنچے ہیں تو یہ حال تھا کہ سر پر جس جگہ ہاتھ لگتا وہیں سے بال الگ ہو جاتے۔“

اسی طرح ایک روز آنحضرت ﷺ نماز پڑھ رہے تھے کہ اسی حالت میں عقبہ بن معیط نے اپنی چادر سے گلوئے مبارک میں پھندا ڈال دیا، اس وقت اتفاقاً حضرت ابو بکرؓ پہنچ گئے اور اس ناہنجار کی گردن پکڑ کر خیر الانام ﷺ سے علاحدہ کیا اور فرمایا: ”کیا تم اس کو قتل کرو گے جو تمہارے پاس خدا کی نشانیاں لایا اور کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔“

ایک دن حضرت ابو بکرؓ ایک مجمع میں تبلیغ کی نیت سے کھڑے ہوئے اور اللہ اور اس کے رسول کی دعوت دینی شروع کی، تو مشرکین غیظ و غضب کے عالم میں ان پر ٹوٹ پڑے اور ان کو بہت زیادہ زد و کوب کیا، عقبہ بن ربیعہ دو پھٹے پرانے جوتوں سے ان کے چہرہ کو اس طرح مارتا رہا کہ بعد میں ان کے چہرہ کے خدو خال پہچانے نہ جاتے تھے، ہنوتیم آپ کو اس حالت میں اٹھا کر لے گئے کہ ان کو ان کی موت میں کوئی شبہ نہ تھا، دن ڈھلے آپ کو ہوش آیا اور پہلا لفظ جو آپ کی زبان سے نکلا وہ یہ تھا کہ

”بتاؤ رسول اللہ ﷺ خیریت سے ہیں؟“ انھوں نے اس پر ان کو برا بھلا کہا، اس وقت ام جمیل جو اسلام لا چکی تھیں ان سے قریب ہوئیں تو انھوں نے ان سے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں دریافت کیا، انھوں نے کہا: ”آپ کی والدہ قریب کھڑی ہیں سن لیں گی“، انھوں نے کہا کہ ”ان کے سامنے کوئی حرج نہیں“، ام جمیل نے بتایا کہ ”آپ ﷺ بخیر اور صحیح وسالم ہیں“، انہوں نے کہا: ”میری اللہ سے نذر ہے کہ میں اس وقت تک نہ کچھ کھاؤں گا نہ پیوں گا جب تک رسول اللہ ﷺ کی خدمتِ بابرکت میں حاضر نہ ہو جاؤں“، لیکن وہ دونوں رک گئیں، جب لوگوں کی آمد و رفت بند ہوئی اور سناٹا ہوا، تو وہ دونوں حضرت ابو بکرؓ کو سہارا دے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائیں ان کی یہ حالت دیکھ کر حضور ﷺ پر بہت اثر پڑا آپ ﷺ نے ان کی والدہ کے لیے دعا کی اور ان کو اسلام لانے پر آمادہ کیا تو وہ اسی وقت مسلمان ہو گئی۔

جس وقت حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ حضرت ابو بکرؓ کی تبلیغ سے حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو حضرت طلحہؓ کے چچا نوفل بن خویلد نے ان دونوں کو ایک ساتھ باندھ کر مارا اور حضرت ابو بکرؓ کے خاندان نے کچھ حمایت نہ کی، ان اذیتوں سے مجبور ہو کر آپ نے آنحضرت ﷺ سے اجازت لی اور رختِ سفر باندھ کر عازم حبش ہوئے، جب آپ مقام برک الغماد میں پہنچے تو ابن الدغنے رئیس قارہ سے ملاقات ہوئی، اس نے پوچھا: ”ابو بکرؓ کہاں کا قصد ہے؟“ آپ نے فرمایا کہ ”قوم نے مجھے جلا وطن کر دیا ہے، اب ارادہ ہے کہ کسی اور ملک میں چلا جاؤں اور آزادی سے خدا کی عبادت کروں“، ابن الدغنے نے کہا: ”تم سا آدمی جلا وطن نہیں کیا جاسکتا، تم مفلس و بے نوا کی دست گیری کرتے ہو، قرابت داروں کا خیال رکھتے ہو، مہمان نوازی کرتے ہو، مصیبت زدوں کی اعانت کرتے ہو، میرے ساتھ واپس چلو اور اپنے وطن ہی میں اپنے خدا کی عبادت کرو“، چنانچہ آپ ابن الدغنے کے ساتھ پھر مکہ واپس آئے، ابن الدغنے نے قریش میں پھر کر اعلان کر دیا کہ ”آج سے ابو بکرؓ میری امان میں ہیں“، قریش نے

ابن الدغنے کی امان کو تسلیم کیا اور کہا کہ ”ابوبکرؓ سے کہہ دو کہ اپنے رب کی عبادت گھر کے اندر کریں، علائقیہ نہ عبادت کریں نہ تلاوت کریں، ورنہ ہم کو خوف ہے کہ ہماری عورتیں اور ہمارے نوجوان بتلائے فساد ہو جائیں گے۔“

عرصہ تک حضرت ابوبکرؓ نے اس کی پابندی کی آخر کار شوقِ دل نے مجبور کیا اور گھر کے باہر میدان میں ایک مسجد بنا کر نماز و تلاوت میں مصروف رہنے لگے، حضرت ابوبکرؓ بے حد رقیق القلب تھے، تلاوتِ کلامِ مجید کے وقت زار زار روتے، یہ عالم دیکھ کر قریش کی عورتوں اور نوجوانوں کا ہجوم ہو جاتا اور موحو حیرت ہو کر پروانہ وار ایک دوسرے پر گرتے، اشراف قریش یہ حالت دیکھ کر گھبرا اٹھے اور ابن الدغنے کو بلا کر کہا کہ ”ابوبکرؓ شرائطِ امن پر قائم نہیں رہے، باہر مسجد میں بالاعلان نماز و قرآن پڑھتے ہیں، ہم کو اپنی عورتیں اور نوجوانوں کے گمراہ ہو جانے کا سخت اندیشہ ہے، ان کو روکو ورنہ اپنی پناہ واپس لو، ہم تم سے بدعہدی نہیں کرنا چاہتے“، اسی کے ساتھ ابوبکرؓ کو طلائعہ نماز و قرآن پڑھنے کی اجازت بھی نہیں دے سکتے، ابن الدغنے نے آکر ابوبکرؓ سے یہ ماجرا کہا تو انھوں نے جواب دیا: ”تمہاری پناہ تم کو مبارک، میں اللہ کی پناہ سے خوش ہوں۔“



حضرت عمرؓ فاروق کا قبول اسلام

حضرت عمرؓ کا ستائیسواں سال تھا کہ آفتاب رسالت طلوع ہوا یعنی رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے، حضرت عمرؓ کے گھرانے میں زید کی وجہ سے توحید کی آواز نا مانوس نہیں رہی تھی، چنانچہ سب سے پہلے زید کے بیٹے سعیدؓ اسلام لائے، حضرت سعیدؓ کا نکاح حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہؓ سے ہوا تھا، اس تعلق سے فاطمہؓ بھی مسلمان ہو گئیں، اسی خاندان میں ایک اور معزز شخص نعیم بن عبد اللہؓ نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا، لیکن حضرت عمرؓ ابھی تک اسلام سے بیگانہ تھے ان کے کانوں میں جب یہ صدا پہنچی تو سخت برہم ہوئے، یہاں تک کہ قبیلہ میں جو لوگ اسلام لاپکے تھے، ان کے دشمن بن گئے، لبینہؓ ان کے خاندان کی کنیز تھی جس نے اسلام قبول کر لیا تھا، اس کو بے تحاشا مارتے اور مارتے تھک جاتے تو کہتے کہ ”دم لے لوں تو پھر ماروں گا“، وہ نہایت استقلال سے جواب دیتیں کہ ”اگر تم اسلام نہ لاؤ گے تو خدا اس کا انتقام لے گا“، لبینہؓ کے سوا اور جس جس پر قابو چلتا زد و کوب سے دریغ نہ کرتے تھے، اسی طرح حضرت زینرہؓ حضرت عمرؓ کے گھرانے کی کنیز تھیں اور اس وجہ سے حضرت عمرؓ ان کو جی کھول کر ستاتے، جب ان کے چچا زاد بھائی سعید بن زیدؓ اسلام لائے تو حضرت عمرؓ نے ان کو رسیوں سے باندھ دیا، لیکن اسلام کا نشہ ایسا تھا کہ جس کو چڑھ جاتا تھا اثر تانا نہ تھا۔

چونکہ قریش کے سربرآوردہ اشخاص میں ابو جہل اور حضرت عمرؓ اسلام اور آنحضرت ﷺ کی دشمنی میں سب سے زیادہ سرگرم تھے، اس لیے دوسرے حربے ان پر کامیاب نہ ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے ان سب سے کارگر حربہ کو ان کے مقابلہ

میں استعمال کیا جس کے وار کی کوئی روک نہیں ہو سکتی تھی۔

اس لیے آنحضرت ﷺ نے خصوصیت کے ساتھ ان ہی دونوں کے لیے اسلام کی دعا فرمائی:

”اللّٰهُمَّ اعْزِزِ الْاِسْلَامَ بِاِحْدِ الرَّجُلَيْنِ اِمَا ابْنِ هِشَامٍ وَاِمَا عَمْرِو بْنِ

الْخَطَّابِ“ (خدا یا اسلام کو ابو جہل یا عمر بن الخطاب سے معزز کر)

مگر یہ دولت تو قسّام ازل نے حضرت عمرؓ کی قسمت میں لکھ دی تھی، ابو جہل کے حصہ میں کیونکر آتی؟ اس دعائے مستجاب کا اثر یہ ہوا کہ کچھ دنوں کے بعد اسلام کا سب سے بڑا دشمن اس کا سب سے بڑا دوست اور سب سے بڑا جاں نثار بن گیا، یعنی حضرت عمرؓ کا دامن دولت ایمان سے بھر گیا، ”ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ“۔

تاریخ و سیر کی کتابوں میں حضرت عمرؓ کی تفصیلات اسلام میں اختلاف ہے، ایک مشہور واقعہ جس کو عام طور پر ارباب سیر لکھتے ہیں یہ ہے کہ جب حضرت عمرؓ اپنی انتہائی سختیوں کے باوجود ایک شخص کو بھی اسلام سے بد دل نہ کر سکے تو آخر کار مجبور ہو کر (نحوذ باللہ) خود آنحضرت ﷺ کے قتل کا ارادہ کیا اور تلوار کمر سے لگا کر سیدھے رسول اللہ ﷺ کی طرف چلے، راہ میں اتفاقاً نعیم بن عبد اللہ مل گئے، ان کے تیور دیکھ کر پوچھا: ”خیر تو ہے؟“ بولے: ”محمد (ﷺ) کا فیصلہ کرنے جاتا ہوں“، انہوں نے کہا: ”پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو، خود تمہاری بہن اور بہنوئی اسلام لائے ہیں“، فوراً پلٹے اور بہن کے یہاں پہنچے، وہ قرآن پڑھ رہی تھیں، ان کی آہٹ پا کر چپ ہو گئیں اور قرآن کے اجزا چھپا لیے، لیکن آواز ان کے کان میں پڑ چکی تھی، بہن سے پوچھا یہ کیسی آواز تھی؟ بولیں ”کچھ نہیں“، انہوں نے کہا: ”میں سن چکا ہوں کہ تم دونوں مرتد ہو گئے ہو“، یہ کہہ کر بہنوئی سے دست و گریباں ہو گئے اور جب ان کی بہن بچانے کو آئیں تو ان کی بھی خبر لی یہاں تک کہ ان کا جسم لہو لہان ہو گیا، لیکن اسلام کی محبت پر ان کا کچھ اثر نہ ہوا، بولیں: ”عمر! جو بن آئے کر لو لیکن اسلام اب دل سے نہیں نکل سکتا“، ان

الفاظ نے حضرت عمرؓ کے دل پر خاص اثر کیا، بہن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا، ان کے جسم سے خون جاری تھا، اسے دیکھ کر اور بھی رقت ہوئی، فرمایا: ”تم لوگ جو پڑھ رہے تھے مجھے بھی سناؤ“، فاطمہؓ نے قرآن کے اجزاء سامنے لا کر رکھ دیئے، اٹھا کر دیکھا تو یہ سورہ تھی:

﴿يَسْبِغُ لَكُمْ مَاءِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾
(زمین و آسمان میں جو کچھ ہے سب خدا کی تسبیح پڑھتے ہیں، وہ غالب اور حکمت والا ہے)

ایک ایک لفظ پر ان کا دل مرعوب ہوتا جاتا تھا یہاں تک کہ جب اس آیت پر پہنچے:
﴿آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾ (خدا اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ)
تو بے اختیار پکاراٹھے:

”أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا الرَّسُولُ اللَّهُ“.

یہ وہ زمانہ تھا جب رسول اللہ ﷺ ارقمؓ کے مکان پر جو کوہ صفا کے نیچے واقع تھا پناہ گزیں تھے، حضرت عمرؓ نے آستانہ مبارک پر پہنچ کر دستک دی، چونکہ شمشیر بکف تھے، صحابہ کرام کو تر دو ہوا، لیکن حضرت حمزہؓ نے کہا: ”آنے دو، مخلصانہ آیا ہے تو بہتر ہے ورنہ اسی کی تلوار سے اس کا سر قلم کر دوں گا“، حضرت عمرؓ نے اندر قدم رکھا تو رسول اللہ ﷺ خود آگے بڑھے اور ان کا دامن پکڑ کر فرمایا: ”کیوں عمر! کس ارادے سے آئے ہو؟“ نبوت کی پر جلال آواز نے ان کو کپکپا دیا، نہایت خضوع کے ساتھ عرض کی: ”ایمان لانے کے لیے“، آنحضرت ﷺ نے بے ساختہ ”اللہ اکبر“ کا نعرہ اس زور سے مارا کہ تمام پہاڑیاں گونج گئیں۔

یہی روایت تھوڑے تغیر کے ساتھ حضرت انسؓ سے مروی ہے، دونوں میں فرق صرف اس قدر ہے کہ پہلی میں سورہ حدید کی آیت ”سَبَّحَ لِلَّهِ مَافِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ“ ہے۔ دوسری میں سورہ طہ کی یہ آیت ہے:

﴿إِنِّي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي﴾

(میں ہوں خدا کوئی نہیں معبود لیکن میں، تو مجھ کو پوجو اور میری یاد کے لیے نماز کھڑی کرو)

جب اس آیت پر پہنچے تو بے اختیار ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ پکار اٹھے اور وراقدس پر حاضری کی درخواست کی۔

مسند احمد میں ایک روایت خود حضرت عمرؓ سے مروی ہے، حضرت عمر فرماتے ہیں کہ ”ایک شب میں آنحضرت ﷺ کو چھیڑنے لگا، آپ ﷺ بڑھ کر مسجد حرام میں داخل ہو گئے اور نماز شروع کر دی، جس میں آپ ﷺ نے سورۃ الحاقہ تلاوت فرمائی، میں کھڑا سنتا رہا اور قرآن کے نظم و اسلوب سے حیرت میں تھا، دل میں کہا جیسا قریش کہا کرتے ہیں، خدا کی قسم یہ شاعر ہے، ابھی یہ خیال آیا ہی تھا کہ آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی:

﴿إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيلًا مَّا تُمْنُونَ﴾ (یہ ایک بزرگ قاصد کا کلام ہے اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں، تم بہت کم ایمان رکھتے ہو)

میں نے کہا: یہ تو کاہن ہے، میرے دل کی بات جان گیا ہے، اس کے بعد ہی یہ آیت پڑھی:

﴿وَلَا يَقُولِ كَاهِنٍ قَلِيلًا مَّا تَدَّكُرُونَ، تَنْزِيلٌ مِّنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ (یہ کاہن کا کلام بھی نہیں تم بہت کم نصیحت پکڑتے ہو، یہ تو جہانوں کے پروردگار کی طرف سے اترا ہے)

آپ ﷺ نے یہ سورہ آخر تک تلاوت فرمائی اور اس کو سن کر اسلام میرے دل میں پوری طرح گھر کر گیا۔

چونکہ وہ مستقل مزاج اور پختہ کار تھے اس لیے انھوں نے اسلام کا اعلان نہیں

کیا بلکہ اس اثر کو شاید وہ روکتے رہے، لیکن اس کے بعد جب ان کی بہن کا واقعہ پیش آیا اور قرآنی آیات پر نظر پڑی جس میں توحید کی نہایت مؤثر دعوت ہے تو دل پر قابو نہ رہا اور بے اختیار کلمہ توحید پکار اٹھے اور دیر اقدس پر حاضری کی درخواست کی۔

حضرت اسلم کہتے ہیں کہ ”ہم سے حضرت عمرؓ نے فرمایا: کیا تم لوگ چاہتے ہو کہ میں اپنے ابتداء اسلام کا قصہ بیان کروں؟ ہم نے کہا: جی ضرور، آپ نے فرمایا: میں حضور ﷺ کے بڑے دشمنوں میں تھا، صفا پہاڑی کے قریب ایک مکان میں حضور ﷺ تشریف فرماتے، میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ کے سامنے بیٹھ گیا، آپ ﷺ نے میرا گریبان پکڑ کر فرمایا: اے خطاب کے بیٹے! مسلمان ہو جا اور ساتھ ہی یہ دعا کی کہ اے اللہ سے ہدایت عطا فرما، میں نے فوراً کہا:

”أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُولُ اللَّهِ“

فرماتے ہیں: میرے اسلام لاتے ہی مسلمانوں نے اتنی بلند آواز سے تکبیر کہی کہ جو مکہ کی تمام گلیوں میں سنائی دی۔“

حضرت عمرؓ کے مسلمان ہو جانے سے اسلام کی تاریخ میں ایک نیا دور شروع ہو گیا، اس وقت چالیس یا اس سے کچھ کم و بیش آدمی دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے لیکن وہ نہایت بے بسی و مجبوری کے عالم میں تھے، اعلانیہ فرانس نہ ہی ادا کرنا تو دور کنار اپنے کو مسلمان ظاہر کرنا بھی خطرہ سے خالی نہ تھا اور کعبہ میں نماز پڑھنا تو بالکل ناممکن تھا، حضرت عمرؓ کے اسلام لانے سے دفعۃً حالت بدل گئی، انھوں نے اعلانیہ اپنے اسلام کا اظہار کیا، صرف اتنا ہی نہیں بلکہ مشرکین کو جمع کر کے باواز بلند اپنے ایمان کا اعلان کیا، مشرکین نہایت برا فروختہ ہوئے لیکن عاص بن وائل نے جو رشتہ میں حضرت عمرؓ کے ماموں تھے ان کو اپنی پناہ میں لے لیا، حضرت عمرؓ قبول اسلام سے پہلے اپنی آنکھوں سے مسلمانوں کی مظلومیت کا تماشہ دیکھتے تھے اس لیے شوق مساوات نے اسے پسند نہ کیا کہ وہ اسلام کی نعمت سے مستمتع ہونے کے بعد عاص بن وائل کی حمایت

کے سہارے اس کے نتائج سے محفوظ رہیں، اس لیے انھوں نے پناہ قبول کرنے سے انکار کر دیا اور برابر ثبات و استقامت کے ساتھ مشرکین کا مقابل کرتے رہے، یہاں تک کہ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ برابر جا کر کعبہ میں نماز ادا کی، یہ پہلا موقع تھا کہ حق باطل کے مقابلہ میں سر بلند ہوا اور حضرت عمرؓ کو اس صلہ میں دربار نبوت سے ”فاروق“ کا لقب مرحمت ہوا۔

حضرت عمرؓ کے نبوی میں اسلام لانے تھے اور ۱۳؎ نبوی میں ہجرت ہوئی، اس طرح گویا انھوں نے اسلام لانے کے بعد تقریباً ۶-۷ برس تک قریش کے مظالم برداشت کئے، جب مسلمانوں کو مدینہ کی جانب ہجرت کی اجازت ملی تو حضرت عمرؓ بھی اس سفر کے لیے آمادہ ہوئے۔

ہجرت کرنے والوں کو قریش مکہ کی سخت مزاحمت کا مقابلہ کرنا پڑا، حضرت عمرؓ فاروقؓ کا بیان ہے کہ حضرت عیاش بن ربیعہؓ اور حضرت ہشامؓ صحابی بھی ان کے ساتھ مدینہ چلنے کو تیار ہوئے تھے، حضرت عیاشؓ تو روانگی کے وقت جائے مقررہ پر پہنچ گئے مگر ہشامؓ کے بارے میں کفار کو خبر لگ گئی، ان کو قریش نے قید کر دیا، حضرت عیاشؓ مدینہ جا پہنچے کہ ابو جہل مع اپنے بھائی حارث کے مدینہ پہنچا، عیاشؓ ان کے چچیرے بھائی تھے اور تینوں کی ماں ایک تھی، ابو جہل و حارث نے کہا: ”تمہارے بعد والدہ کی بری حالت ہو رہی ہے، اس نے قسم کھالی ہے کہ عیاشؓ کا منہ دیکھنے تک نہ سر میں کنگھی کروں گی، نہ سایہ میں بیٹھوں گی، اس لیے بھائی تم چلو اور ماں کو تسکین دے کر آجانا“، عمر فاروقؓ نے کہا: ”عیاشؓ! مجھے تو فریب معلوم ہوتا ہے، تمہاری ماں کے سر کوئی جوں پڑ گئی تو وہ خود ہی کنگھی کر لے گی اور مکہ کی دھوپ نے ذرا خبر لی تو وہ خود ہی سایہ میں جا بیٹھے گی، میری رائے تو یہ ہے کہ تم کو جانا نہیں چاہیے، عیاشؓ بولے: ”نہیں میں والدہ کی قسم پوری کر کے واپس آ جاؤں گا“، حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا: ”اچھا اگر یہی رائے ہے تو سواری کے لیے میرا ناقہ لے جاؤ یہ بہت تیز رفتار ہے، اگر

راستہ میں ذرا بھی ان سے شبہ گزرے تو تم اس ناقہ پر باسانی ان کی گرفت سے بچ کر آسکو گے، حضرت عیاشؓ نے ناقہ لے لیا، یہ تینوں چل پڑے، ایک روز راہ میں (مکہ) کے قریب ابو جہل نے کہا: ”بھائی ہمارا اونٹ تو ناقہ کے ساتھ چلتا چلتا رہ گیا، بہتر ہے کہ تم مجھے اپنے ساتھ سوار کر لو، عیاشؓ بولے: بہتر ہے، جب عیاشؓ نے ناقہ بٹھایا تو دونوں نے انہیں پکڑ لیا، مشکلیں کس لیں اور مکہ میں اسی طرح لے کر داخل ہوئے، یہ دونوں بڑے فخر سے کہتے تھے کہ ”دیکھو کہ یہ قوفوں اور احمقوں کو اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں“، اب عیاشؓ کو بھی ہشامؓ کے ساتھ قید کر دیا گیا، جب نبی ﷺ مدینہ منورہ پہنچ گئے تب حضور ﷺ کی تمنا پوری کرنے کے لیے ولید بن مغیرہؓ مکہ آئے اور قید خانہ سے دونوں کو راتوں رات نکال کر لے گئے۔



حضرت عثمان ذوالنورین کا قبول اسلام

حضرت عثمان کا چوتیسواں سال تھا کہ مکہ میں توحید کی صدائے غلغله انداز بلند ہوئی، گوٹکی رسم و رواج اور عرب کے مذہبی تنجیل کے لحاظ سے حضرت عثمانؓ کے لیے یہ آواز نامانوس تھی، تاہم وہ اپنی فطری عفت، پارسائی، دیانتداری اور راست بازی کے باعث اس داعی حق کو لپیک کہنے کے لیے بالکل تیار تھے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ ایمان لائے تو انہوں نے دین مبین کی تبلیغ و اشاعت کو اپنا نصب العین قرار دیا اور اپنے حلقہ احباب میں تلقین و ہدایت کا کام شروع کیا، ایام جاہلیت میں ان سے اور حضرت عثمانؓ سے ارتباط تھا اور اکثر نہایت مخلصانہ صحبت رہتی تھی، ایک روز وہ حسب معمول حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پاس آئے اور اسلام کے متعلق گفتگو شروع کی، حضرت ابو بکر صدیقؓ کی گفتگو سے آپ اتنے متاثر ہوئے کہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرنے پر آمادہ ہو گئے، ابھی دونوں بزرگ جانے کا خیال ہی کر رہے تھے کہ خود سرور کائنات ﷺ ان کے پاس آئے اور حضرت عثمانؓ کو دیکھ کر فرمایا: ”عثمان! خدا کی جنت قبول کر، میں تیری اور تمام خلق کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوا ہوں“، حضرت عثمانؓ کا بیان ہے کہ زبان نبوت کے ان سادہ و صاف جملوں میں خدا جانے کیا تاثیر بھری ہوئی تھی کہ میں بے اختیار کلمہ شہادت پڑھنے لگا اور دست مبارک میں ہاتھ دے کر حلقہ بہ گوش اسلام ہو گیا۔“

حضرت عمرو بن عثمانؓ کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ ”میں اپنی حالہ ارویٰ بنت عبدالمطلب کے پاس ان کی بیمار پرسی کے لیے گیا، کچھ دیر بعد حضور ﷺ وہاں

تشریف لے آئے، میں آپ ﷺ کو غور سے دیکھنے لگا اور آپ ﷺ کی نبوت کا تھوڑا بہت تذکرہ ان دنوں ہو چکا تھا، آپ ﷺ نے میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: اے عثمان! تمہیں کیا ہوا؟ (مجھے غور سے دیکھ رہے ہو) میں نے کہا: میں اس بات پر حیران ہوں کہ آپ ﷺ کا ہمارے میں بڑا مرتبہ ہے اور پھر آپ ﷺ کے بارے میں ایسی باتیں کہی جا رہی ہیں، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: لا الہ الا اللہ، خدا گواہ ہے کہ میں یہ سن کر کانپ گیا، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ، فَوَرَبُّ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ
 أَنَّهُ لِحَقِّ مِثْلِ مَا أَنْتُمْ تَنْطِقُونَ﴾ (اور آسمان میں ہے روزی تمہاری
 اور جو تم سے وعدہ کیا گیا سو قسم ہے ربِّ آسمان اور زمین کی کہ یہ بات
 تحقیق ہے جیسے کہ تم بولتے ہو)

پھر حضور ﷺ کھڑے ہوئے اور باہر تشریف لے گئے میں بھی آپ ﷺ کے پیچھے چل دیا اور آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا۔
 حضرت عثمانؓ نے اس زمانہ میں حق کی آواز پر لبیک کہا، جب کہ پینتیس یا چھتیس
 زن و مرد اس شرف سے مشرف ہوئے تھے۔

مکہ میں اسلام کی روز افزوں ترقی سے مشرکین قریش کے غیظ و غضب کی آگ
 روز بروز زیادہ مشتعل ہوتی جاتی تھی، حضرت عثمانؓ بھی اپنی وجاہت اور خاندانی
 عزت کے باوجود عام مسلمانوں کی طرح جفا کاروں کے ظلم و ستم کا نشانہ تھے، ان کو خود
 ان کے چچا نے باندھ کر مارا، اعزہ واقارب نے سرد مہری شروع کر دی اور رفتہ رفتہ ان
 کی سخت گیری اور جفا کاری یہاں تک بڑھی کہ وہ ان کی برداشت سے باہر ہو گئی، اور
 بالآخر خود آنحضرت ﷺ کے اشارہ سے اپنی اہلیہ محترمہ حضرت رقیہ کو ساتھ لے کر
 ملک حبش کی طرف روانہ ہو گئے، چنانچہ یہ پہلا قافلہ تھا جو حق و صداقت کی محبت میں
 وطن اور اہل وطن کو چھوڑ کر جلا وطن ہوا۔

ہجرت کے بعد رسول اللہ ﷺ کو ان کا کچھ حال معلوم نہ ہو سکا اس لیے آپ ﷺ پریشان خاطر تھے، ایک روز ایک عورت نے خبر دی کہ اس نے ان دونوں کو دیکھا تھا، اتنا معلوم ہونے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: ”میری امت میں عثمانؓ پہلا شخص ہے جو اپنے اہل و عیال کو لے کر جلا وطن ہوا۔“

حضرت عثمانؓ اس ملک میں چند سال رہے اس کے بعد جب بعض اور صحابہؓ قریش کے اسلام کی غلط خبر پا کر اپنے وطن واپس آئے تو حضرت عثمانؓ بھی آگئے، یہاں آ کر معلوم ہوا کہ یہ خبر جھوٹی ہے، اس بنا پر بعض صحابہ پھر ملک حبش کی طرف لوٹ گئے، مگر حضرت عثمانؓ پھر نہ گئے۔

اسی اثناء میں مدینہ کی ہجرت کا سامان پیدا ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے تمام اصحاب کو مدینہ کی ہجرت کا ایما فرمایا تو حضرت عثمانؓ بھی اپنے اہل و عیال کے ساتھ مدینہ تشریف لے گئے۔



حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کا قبول اسلام

حضرت علیؓ کی عمر ابھی صرف دس سال کی تھی کہ ان کے شفیق مربی کو دربارِ خداوندی سے نبوت کا خلعت عطا ہوا، چونکہ حضرت علیؓ آپ ﷺ کے ساتھ ہی رہتے تھے اس لیے ان کو اسلام کے مذہبی مناظر سب سے پہلے نظر آئے، چنانچہ ایک روز آنحضرت ﷺ اور ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کو مصروف عبادت دیکھا، اس موثر نظارہ نے اثر کیا طفلانہ استعجاب سے پوچھا: ”آپ دونوں کیا کر رہے تھے؟“ سرور کائنات ﷺ نے نبوت کے منصب گرامی کی خبر دی اور کفر و شرک کی مذمت کر کے توحید کی دعوت دی، حضرت علیؓ کے کان ایسی باتوں سے آشنا نہ تھے، متحیر ہو کر عرض کی: ”اپنے والد ابوطالب سے دریافت کروں اس کے متعلق؟“ چونکہ سرور کائنات ﷺ کو ابھی اعلان عام منظور نہ تھا، اس لیے فرمایا کہ ”اگر تمہیں تامل ہے تو خود غور کرو لیکن کسی سے اس کا تذکرہ نہ کرنا“، آنحضرت ﷺ کی پرورش سے فطرت سنور چکی تھی، توفیق الہی شامل ہوئی، اس لیے زیادہ غور و فکر کی ضرورت پیش نہ آئی اور دوسرے ہی دن بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ابوطالب سے پوشیدہ آیا کرتے اور اپنے اسلام کو (رسول اللہ ﷺ کی حسب ہدایت) ظاہر نہیں کیا، پہلا شخص جس نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز ادا کی وہ علیؓ تھے، جب نماز کا وقت آتا رسول اللہ ﷺ مکہ کی کسی گھائی میں جا کر عبادت کرتے اور آپ ﷺ کے ساتھ علیؓ بھی اپنے والد، چچا صاحبان اور تمام افراد خاندان سے چھپ کر جاتے اور تمام نمازیں رسول اللہ ﷺ

کے ساتھ ادا کرتے اور شام ہو جاتی گھر واپس آ جاتے، یہ سلسلہ جب تک اللہ کو منظور تھا جاری رہا، ایک دن جب کہ یہ دونوں نماز پڑھ رہے تھے، ابوطالب نے دیکھ لیا، ابو طالب نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: ”عزیز من! یہ کون سا دین ہے جس کی تم پیروی کر رہے ہو؟“ آپ ﷺ نے جواب دیا: ”عم محترم! یہ اللہ کا، اللہ کے فرشتوں کا، اس کے پیغمبروں کا اور ہمارے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے، اللہ نے مجھے اپنے بندوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے، اور چچا جان! آپ سب سے زیادہ اس بات کے مستحق ہیں جن کو مخلصانہ دعوت پیش کی جائے، ابوطالب نے جواب دیا: اے عزیز! میں اپنے آباء کا مذہب اور ان کے طور طریق نہیں چھوڑ سکتا، لیکن بخدا جب تک میں زندہ ہوں تم کو کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی،“ سیرت نگاروں کا بیان ہے کہ ابو طالب نے اپنے صاحبزادہ علی مرتضیٰ سے کہا: ”اے بیٹے یہ کیا مذہب ہے جس پر تم چل رہے ہو؟“ انھوں نے کہا: ”والد صاحب! میں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان لا چکا ہوں اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اللہ کی عبادت کرتا ہوں اور ان کی پیروی کرتا ہوں۔“ راویوں کا خیال ہے کہ اس کے جواب میں ابوطالب نے کہا۔ وہ تم کو اچھی بات ہی کی طرف بلاتے ہیں لہذا اس پر قائم رہو۔“

جو لوگ حق و صداقت کی جستجو اور اسلام کی طلب میں مکہ آیا کرتے تھے، حضرت علیؑ ان کی مدد اور رہنمائی فرمایا کرتے تھے اور انہیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچایا کرتے تھے، اس کام کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو خاص صلاحیت اور فہانت بخشی تھی۔

سیدنا علی مرتضیٰ فرماتے ہیں: ”ایک دن ہم اور رسول اللہ ﷺ گھر سے نکلے اور کعبہ کے در پر آئے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: بیٹھ جاؤ اور میرے کاندھوں پر پیر رکھ کر اونچے ہوئے اور کہا کہ کھڑے ہو جاؤ، میں کھڑا ہوا مگر میری کمزوری کو آپ ﷺ نے محسوس فرمایا، فرمایا: بیٹھ جاؤ، پھر خود آپ ﷺ بیٹھ گئے اور مجھ سے کہا کہ میرے کاندھوں پر سوار ہو جاؤ، جب ایسا کیا اور آنحضرت ﷺ مجھے لیے ہوئے کھڑے

ہوئے تو مجھے ایسا لگا کہ اتنا اونچا ہو رہا ہوں کہ آسمان کی بلندی تک پہنچ جاؤں گا، میں اس طرح کعبہ کی چھت پر پہنچ گیا، اور وہاں جو پیتل یا تانبے کا بنا ہوا بت رکھا ہوا تھا، اس کو میں داہنے بائیں موڑنے لگا اور آگے پیچھے جھکانے لگا یہاں تک کہ اس کو اپنے قابو میں لے آیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو گرا دو، میں نے گرایا تو وہ ایسا چور چور ہو گیا جیسے شیشے کے بنے ہوئے برتن، پھر وہاں سے اتر اور ہم دونوں تیز قدم چلتے ہوئے گھروں کے پیچھے آگئے کہ کہیں کوئی ہمیں دیکھ نہ لے۔

ایک روز آپ ﷺ نے اپنے خاندان میں تبلیغ اسلام کی کوشش فرمائی اور حضرت علیؑ سے فرمایا کہ ”دعوت کا سامان کرو“، حضرت علیؑ کی عمر اس وقت مشکل سے چودہ پندرہ برس کی تھی لیکن انہوں نے اس کم سنی کے باوجود نہایت اچھا انتظام کیا، دسترخوان پر بکرے کے پائے اور دودھ تھا دعوت میں کل خاندان شریک تھا جن کی تعداد چالیس تھی، حمزہؓ، عباسؓ، ابو طالب سب شریک تھے، آنحضرت ﷺ نے کھانے کے بعد کھڑے ہو کر فرمایا کہ ”میں وہ چیز لے کر آیا ہوں جو دین و دنیا دونوں کی کفیل ہے، اس بارگراں کو اٹھانے میں کون میرا ساتھ دے گا“، تمام مجلس میں سناٹا تھا، دفعۃً حضرت علیؑ نے اٹھ کر کہا: ”گو مجھ کو آشوب چشم ہے، گو میری ٹانگیں پتلی ہیں اور گو میں سب سے نو عمر ہوں، تاہم میں آپ ﷺ کا ساتھ دوں گا“، قریش کے لیے یہ ایک حیرت انگیز منظر تھا کہ دو شخص (جن میں ایک تیرہ سال کا نوجوان ہے) دنیا کی قسمت کا فیصلہ کر رہے ہیں، حاضرین کو بے ساختہ ہنسی آگئی، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اچھا تم بیٹھ جاؤ، پھر لوگوں سے خطاب فرمایا، لیکن کسی نے جواب نہ دیا، حضرت علیؑ پھر اٹھے، آنحضرت ﷺ نے اس دفعہ بھی انہیں بٹھا دیا، یہاں تک کہ جب تیسری دفعہ بھی اس بارگراں کا اٹھانا کسی نے قبول نہیں کیا تو اس مرتبہ بھی حضرت علیؑ نے جاں بازی کے لہجے میں انہیں الفاظ کا اعادہ کیا، تو ارشاد ہوا کہ ”بیٹھ جا تو میرا بھائی اور میرا وارث ہے۔“

حضرت زبیر بن العوامؓ کا قبول اسلام

حضرت زبیرؓ کی والدہ حضرت صفیہؓ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں، اس لیے یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی تھے، اس کے علاوہ حضرت خدیجہؓ کے بھی حقیقی بیٹے تھے اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کے داماد (حضرت اسماءؓ آپ کی نکاح میں تھیں) ہونے کے سبب سے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساڑھو بھی تھے، اس طرح ذات نبوی کے ساتھ ان کو متعدد نسبتیں حاصل تھیں۔

حضرت زبیرؓ صرف سولہ برس کے تھے کہ نور ایمان نے ان کے خانہ دل کو منور کر دیا، بعض روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ پانچویں یا چھٹے مسلمان تھے، لیکن یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا، تاہم سابقین اسلام میں وہ ممتاز اور نمایاں تقدم کا شرف رکھتے ہیں۔ حضرت زبیرؓ اگرچہ کم سن تھے، لیکن استقامت اور جاں نثاری میں کسی سے پیچھے نہ تھے، قبول اسلام کے بعد ایک دفعہ کسی نے مشہور کر دیا کہ مشرکین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گرفتار کر لیا ہے، یہ سن کر جذبہ جاں نثاری سے اس قدر بے خود ہوئے کہ اسی وقت تنگی تلوار کھینچ کر مجمع کو چیرتے ہوئے آستانہ اقدس پر حاضر ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو پوچھا: ”زبیر! یہ کیا ہے؟“ عرض کی: ”مجھے معلوم ہوا تھا کہ (خدا نخواستہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم گرفتار کر لیے گئے ہیں،“ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نہایت خوش ہوئے، اور ان کے لیے دعائے خیر فرمائی، اہل سیر کا بیان ہے کہ یہ پہلی تلوار تھی جو راہِ فدویت و جاں نثاری میں ایک بچے کے ہاتھ سے برہنہ ہوئی۔

عام مسلمانوں کی طرح حضرت زبیرؓ بھی مشرکین مکہ کے ظلم و ستم سے محفوظ نہ تھے

ان کے چچانے ہر ممکن طریقہ سے ان کو اسلام سے برگشتہ کرنا چاہا، لیکن توحید کا نشہ ایسا نہ تھا جو اتر جاتا، بالآخر اس نے برہم ہو کر اور بھی سختی شروع کی، یہاں تک کہ چٹائی میں لپیٹ کر باندھ دیتا اور اس قدر دھونی دیتا کہ دم گھٹنے لگتا لیکن وہ ہمیشہ یہی کہے جاتے ”کچھ کرواب میں کافر نہیں ہو سکتا“۔

غرض مظالم و شدائد سے اس قدر تنگ آئے کہ وطن چھوڑ کر حبش کی راہ لی، پھر کچھ دنوں کے بعد وہاں سے واپس آئے تو خود سرور کائنات ﷺ نے مدینہ کا قصد کیا اس لیے انہوں نے بھی مدینہ کی مبارک سرزمین کو وطن بنایا۔



حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ ہجرت نبوی ﷺ سے چوبیس پچیس برس قبل پیدا ہوئے، ان کو بچپن ہی سے تجارتی مشاغل میں مصروف ہونا پڑا اور عنقوان شباب ہی میں دو دراز ممالک کے سفر کا اتفاق ہو۔

ایک دفعہ جب کہ غالباً سترہ یا اٹھارہ برس کی عمر تھی، تجارتی اغراض سے بصری تشریف لے گئے، وہاں ایک راہب نے حضرت سرور کائنات ﷺ کے مبعوث ہونے کی بشارت دی، لیکن یوم ولادت سے اس وقت تک جس قسم کی آب و ہوا میں پرورش پائی تھی اور گرد و پیش جس قسم کے مذہبی چرچے سنے تھے، اس کا اثر صرف ایک راہب کی پیشین گوئی سے زائل نہیں ہو سکتا تھا، بلکہ ابھی مزید تعلیم و تلقین کی ضرورت تھی، مکہ واپس آئے تو حضرت ابو بکر صدیقؓ کی صحبت اور ان کے مخلصانہ وعظ نے تمام شکوک رفع کر دیئے، اور جب انھوں نے ان کو راہب کی بات بتائی تو وہ حیران و ششدر رہ گئے اور ان سے کہا کہ ”میرے ساتھ محمد ﷺ کے پاس چلو اور یہ واقعہ ان کے سامنے بیان کرو۔“

چنانچہ صدیق اکبرؓ کے ساتھ دربار رسالت میں حاضر ہوئے، آپ ﷺ نے ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی، قرآن کا کچھ حصہ پڑھ کر سنایا اور آخرت کی بھلائی کی بشارت دی، اللہ تعالیٰ نے ان کے سینہ کو اسلام کے لیے کھول دیا جب انہوں نے بصری کے راہب کا قصہ سنایا تو آپ ﷺ بہت خوش ہوئے اور اس خوشی کے آثار آپ ﷺ کے چہرہ پر نمایاں ہو گئے، اس کے بعد حضرت طلحہؓ تخلعت ایمان

سے مشرف ہو کر واپس ہوئے، اس طرح حضرت طلحہؓ ان آٹھ آدمیوں میں سے ہیں جو ابتدائے اسلام میں نجم صداقت کی پر توجیاء سے ہدایت یاب ہوئے اور آخر کار خود بھی آسمان اسلام کے روشن ستارے بن کر چمکے۔

اس قریشی نوجوان کے قبول اسلام کی خبر سن کر اس کے گھر اور خاندان کے لوگ سکتے میں پڑ گئے، جیسے ان کے اوپر بجلی گر پڑی ہو، خصوصاً ان کی ماں کو اس واقعے سے زبردست صدمہ پہنچا اور وہ غم سے نڈھال ہو گئیں، کیونکہ انہیں امید تھی کہ اپنے بلند اخلاق اور کریمانہ خصائل کی بنا پر ان کا بیٹا ایک دن اپنے قبیلے کا سردار بنے گا، ان کے قبیلے والوں نے انہیں اپنے دین سے پھیرنے کی بہتری کی کوششیں کیں مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئے اور ایک مضبوط پہاڑ کی طرح اسلام پر جمے رہے، جب وہ لوگ ان کو نرمی و محبت کے ریشمی پھندے میں پھانسنے میں ناکام ہو گئے تو سختی اور تعذیب کے اسلحوں سے لیس ہو کر ان کے اوپر ٹوٹ پڑے، مسعود بن خراش بیان کرتے ہیں: ”ایک روز میں صفا مروہ کے درمیان سعی کر رہا تھا، اسی دوران میں نے دیکھا کہ بہت سے لوگ ایک نوجوان کا پیچھا کر رہے ہیں جس کے دونوں ہاتھ گردن کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں، لوگ اس کے پیچھے دوڑ رہے تھے، اسے دھکے دے رہے تھے اور اس کے سر پر مار رہے تھے، اس نوجوان کے پیچھے ایک بوڑھی عورت تھی جو چیخ چیخ کر اسے گالیاں دے رہی تھی، میں نے لوگوں سے پوچھا کہ اس نوجوان کا کیا ماجرا ہے؟ تو انھوں نے بتایا کہ یہ طلحہ بن عبید اللہ ہے جس نے اپنے آبائی دین کو ترک کر کے بنی ہاشم کے لونڈے (محمد ﷺ) کی پیروی اختیار کر لی ہے، میں نے پوچھا اور اسکے پیچھے یہ بڑھیا کون ہے؟ تو انھوں نے کہا کہ یہ اسی نوجوان کی ماں ہے۔“

اسی طرح عثمان بن عبید اللہ نے جو نہایت سخت مزاج اور حضرت طلحہؓ کا حقیقی بھائی تھا، ان کو اور حضرت ابو بکرؓ کو ایک ہی رسی میں باندھ کر مارا کہ اس تشدد سے اپنے نئے مذہب کو ترک کر دیں، لیکن توحید کا نشہ ایسا نہ تھا جو چڑھ کر اتر جاتا۔

حضرت طلحہؓ نے مکہ میں نہایت خاموش زندگی بسر کی اور اپنے تجارتی مشاغل میں مشغول رہے، چنانچہ جس وقت رسول اللہ ﷺ حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ مدینہ تشریف لے جا رہے تھے، اس وقت وہ اپنے تجارتی قافلہ کے ساتھ شام سے واپس آ رہے تھے، راہ میں ملاقات ہوئی، انہوں نے ان دونوں کی خدمت میں کچھ شامی کپڑے پیش کئے اور عرض کی کہ اہل مدینہ نہایت بے چینی اور اضطراب کے ساتھ انتظار کر رہے ہیں، غرض آنحضرت ﷺ نے نہایت عجلت کے ساتھ مدینہ کی طرف بڑھے اور حضرت طلحہؓ نے مکہ پہنچ کر اپنے تجارتی کاروبار سے فراغت حاصل کی اور حضرت ابو بکرؓ کے اہل و عیال کو لے کر مدینہ پہنچے۔



حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ کا قبول اسلام

حضرت عبدالرحمان کا اصلی نام عبد عمر تھا، ایمان لائے تو رسول اللہ ﷺ نے بدل کر عبدالرحمان رکھا۔

عام روایت کے مطابق حضرت عبدالرحمان واقعہ فیل کے دسویں سال پیدا ہوئے تھے، اس لحاظ سے جس وقت رسول اللہ ﷺ نے دعوت توحید کی صدا بلند کی، اس وقت ان کی عمر تیس سال سے متجاوز ہو چکی تھی، فطری عفت و سلامت روی کے باعث شراب سے پہلے ہی تائب ہو چکے تھے، صدیق اکبرؓ کی رہنمائی سے صراط مستقیم کی شاہراہ بھی نظر آ گئی اور پارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر رہو ان حق کے قافلہ میں شامل ہو گئے، اس وقت تک صرف چند روشن ضمیر بزرگوں کو اس کی توفیق ہوئی تھی اور قافلہ سالار یعنی سرور کائنات ﷺ ارقم بن ارقم کے مکان میں پناہ گزیں نہیں ہوئے تھے۔

خلعت اسلام سے مشرف ہونے کے بعد حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ کو بھی عام بلاکشان اسلام کی طرح جلا وطن ہونا پڑا، پہلے ہجرت کر کے حبشہ تشریف لے گئے، پھر وہاں سے واپس آئے تو سب کے ساتھ سرزمین یشرب کی طرف ہجرت کر گئے۔



حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا قبول اسلام

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ رشتہ میں رسول اللہ ﷺ کے ماموں تھے اور آپ ﷺ نے خود بھی بارہا اس رشتہ کا اقرار فرمایا تھا، اور آپ ﷺ ان کے ساتھ اپنے اس رشتہ پر فخر کرتے تھے، ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ چند صحابہؓ کے ساتھ تشریف فرما تھے، آپ ﷺ نے سامنے سے حضرت سعد کو آتے ہوئے دیکھ کر فرمایا:

”هَذَا خَالِي فَلْيُرِنِي امْرُءًا نَحَالَهُ“ (یہ میرے ماموں ہیں، ایسا اگر کسی کا ماموں ہو تو مجھے دکھاؤ)

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی عمر صرف انیس سال کی تھی کہ دعوت اسلام کی صدائے سامعہ نواز نے توحید کا شیدائی بنا دیا اور حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر خلعت ایمان سے مشرف ہوئے۔

بخاری میں حضرت سعدؓ سے روایت ہے کہ ان سے پہلے کوئی شخص مسلمان نہیں ہوا تھا اور ایک دوسری روایت میں وہ اپنے کو تیسرا مسلمان بتاتے ہیں، لیکن محدثین عظام کی تحقیق کے مطابق چھ سات بزرگوں کو ان پر تقدم کا فخر حاصل ہو چکا تھا، البتہ یہ ممکن ہے کہ حضرت سعدؓ کو ان کی اطلاع نہ ہو کیونکہ کفار کے خوف سے انہوں نے اپنے ایمان لانے کا اعلان نہیں کیا تھا۔

حضرت سعدؓ کے قبول اسلام سے رسول اللہ ﷺ کو بے پناہ مسرت حاصل ہوئی، اس لیے کہ ان کے اندر شرافت و مردانگی کی ایسی علامات پائی جاتی تھیں جو اس کا پتہ دے رہی تھیں کہ عنقریب یہ ہلال بدر کا ظل بن کر آسمان شہرت پر جگمگائے گا اور حسب

ونسب کے لحاظ سے ان کو معاشرہ میں جو بلند مرتبہ حاصل تھا وہ مکہ کے نوجوانوں کو اس بات پر ابھار رہا تھا کہ وہ بھی ان کے راستے کو اپنائیں اور خود کو ان کے سانچے میں ڈھالیں۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اگرچہ نہایت معزز اور اپنے قبیلہ میں نہایت مقتدر تھے، تاہم کفار کے ستم سے محفوظ نہ تھے، بنو اسد اسلام کے جرم میں ان کو سخت سزائیں دیتے۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی ماں نے جب لڑکے کی تبدیلیی مذہب کا حال سنا تو نہایت کبیدہ خاطر ہوئیں اور انتہائی غیظ و غضب کا اظہار کرتے ہوئے کہا: ”سعد! یہ کیسا دین ہے جو تم نے اختیار کیا ہے؟ جس نے تم کو تمہارے باپ دادا کے دین سے برگشتہ کر دیا ہے، خدا کی قسم! تم اپنے اس نئے دین کو ترک کر دو، ورنہ میں کھانا پینا چھوڑ کر خود کو ہلاک کر لوں گی اس وقت تمہارا سینہ شدت غم سے شق ہو جائے گا، ندامت و پشیمانی کے مارے اپنے کئے پر کفِ افسوس ملو گے اور لوگ تم کو ہمیشہ اس پر عار دلاتے رہیں گے“، انہوں نے کہا: ”ماں! ایسا نہ کرو کیونکہ میں کسی بھی قیمت پر اپنے دین کو ترک نہیں کر سکتا“، لیکن وہ اپنی دھمکی پوری کرنے پر اڑ گئیں۔

بات چیت، کھانا پینا، سب چھوڑ بیٹھیں، چونکہ وہ اپنی ماں کے حد درجہ فرماں بردار اور اطاعت شعار تھے، اس لیے یہ سخت آزمائش کا موقع تھا، لیکن جو دل تو حید کا لذت آشنا ہو چکا تھا وہ کفر و شرک کی طرف کس طرح رجوع ہو سکتا تھا، ماں مسلسل تین دن تک بے آب و دانہ رہیں، فاقہ کشی کی وجہ سے ان کا جسم دبلا ہو گیا، ہڈیاں کمزور ہو گئیں اور اعضاء ڈھیلے پڑ گئے، وہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد جا کر کہتے کہ کچھ کھا لو، مگر وہ شدت سے انکار کرتی رہیں، آخر میں انہوں نے کہا: ”ماں! بے شک میں تیرے ساتھ شدید محبت رکھتا ہوں لیکن اللہ اور اس کے رسول کی محبت تیری محبت سے زیادہ ہے، تو یہ بات اچھی طرح سن لے، خدا کی قسم! اگر تیری ہزار جانیں ہوں اور وہ سب ایک ایک کر کے تیرے اندر سے نکل جائیں تب بھی میں اپنے دین کو نہیں چھوڑ سکتا“، جب انہوں نے سعدؓ کا یہ اٹل فیصلہ سنا تو آخر کار اپنی ضد سے باز آ گئیں اور کھانے پینے پر مجبور ہو گئیں۔

خدائے پاک کو ان کی یہ شان استقامت کچھ ایسی پسند آئی کہ تمام مسلمانوں کے لیے معصیت الہی میں والدین کے عدم اطاعت کا ایک قانون عام بنا دیا گیا:

﴿وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا﴾ (اگر والدین تجھ کو میرے ساتھ شرک پر مجبور کریں جن کا کوئی علم و یقین تیرے پاس نہیں ہے تو اس میں ان کی اطاعت نہ کر)

اسلام قبول کرنے کے بعد ہجرت نبوی تک مکہ ہی میں مقیم رہے گو یہ سرزمین عام مسلمانوں کی طرح ان کے لیے مصائب و شدائد سے خالی نہ تھی، تاہم استقلال کے ساتھ ہر قسم کی سختیاں جھیلتے رہے۔

حضرت سعد وقاصؓ کفار کے خوف سے عموماً مکہ کی ویران سنسان گھاٹیوں میں چھپ کر معبود حقیقی کی پرستش و عبادت فرمایا کرتے تھے، ایک دفعہ ایک گھاٹی میں چند صحابہؓ کے ساتھ مصروف عبادت تھے، اتفاق سے کفار کی ایک جماعت اس طرف آنکلی اور اسلام کا مزاق اڑانے لگے، حضرت سعد وقاصؓ کی اس بے بسی کی زندگی میں بھی جوش آگیا، اور اونٹ کی ہڈی اٹھا کر اس زور سے ماری کہ ایک مشرک کا سر پھٹ گیا اور خون بہنے لگا، بیان کیا جاتا ہے کہ اسلام کی حمایت میں یہ پہلی خونریزی تھی جو حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے ہاتھ سے عمل میں آئی۔

مکہ میں جب کفار کے ظلم و ستم سے مسلمانوں کا پیمانہ صبر و تحمل سے لبریز ہو گیا تو آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو ہجرت مدینہ کا حکم دیا، اس حکم عام کی بنا پر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے بھی مدینہ کی راہ لی۔

عتبہ بن ابی وقاص حضرت سعدؓ کے حقیقی بھائی تھے، انھوں نے حالت کفر میں غزوہ احد میں رسول اللہ ﷺ کا روئے مبارک زخمی کیا تھا، حضرت سعدؓ فرمایا کرتے تھے: ”واللہ! میں عتبہ سے زیادہ کبھی کسی شخص کے خون کا پیاسا نہیں ہوا۔“

حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ کا قبول اسلام

حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی تبلیغ و دعوت پر حلقہ بگوش اسلام ہوئے، اس وقت تک رسول اللہ ﷺ کے مکان میں پناہ گزیں نہیں ہوئے تھے۔

حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ نے مکہ میں رہتے ہوئے شروع سے اخیر تک ان شدید ترین آزمائشوں کو برداشت کرتے ہوئے زندگی گزاری جن میں مسلمانوں کو بتلا کیا گیا، انہوں نے ابتدائی مسلمانوں کے ساتھ مصائب و آلام کی جو سختیاں جھیلیں، روئے زمین پر کسی دین کے قبحین نے نہ جھیلی ہوں گی، انہوں نے بڑی پامردی اور عزم و حوصلہ کے ساتھ ان ابتلاؤں کا مقابلہ کیا اور ہر موقع پر خدا اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ سچی محبت کا ثبوت دیا، لیکن غزوہ بدر کے موقع پر وہ جس آزمائش میں مبتلا ہوئے اس کی سختی ہر خیال و تصور سے بالاتر ہے۔

وہ جنگ بدر میں صفوں کے درمیان اس طرح بڑھ بڑھ کر اور پینترے بدل بدل کر حملے کر رہے تھے جیسے نہ ان کو موت کا کوئی ڈر ہے نہ ہلاکت کا کوئی اندیشہ، ان کے حملوں نے مشرکین پر ان کی ہیبت طاری کر دی، اور قریش کے بڑے بڑے سورمان کا سامنا کرنے سے کترانے لگے، لیکن ان میں سے ایک شخص ایسا تھا جو ہر وقت ان کا سامنا کرنے کی کوشش کرتا اور ہر موقع پر ان کے بالمقابل آجاتا مگر وہ اس کے راستے سے ہٹ جاتے اور اس کے ساتھ مقابلہ کرنے سے پرہیز کرتے، وہ شخص بار بار ان کے اوپر حملہ آور ہوتا اور وہ ہر بار کترا کر دوسری طرف نکل جاتے، آخر کار اس نے ان کے لیے سارے راستے مسدود کر دیئے ان کے سامنے آکھڑا ہوا اور ان کے اور ان کے دشمنوں کے درمیان

حائل ہو گیا، جب اس کی یہ حرکتیں حضرت ابو عبیدہؓ کی قوت برداشت سے باہر ہو گئیں، تو انہوں نے اس کے سر پر تلوار کا ایک بھر پور ہاتھ مارا، اس کی کھوپڑی کے دو ٹکڑے ہو گئے اور وہ بے جان ہو کر زمین پر گر پڑا۔

آپ کا سر چکرا جائے گا جب یہ بات آپ کے علم میں آئے گی کہ حضرت ابو عبیدہؓ کے ہاتھ سے مارا جانے والا شخص کوئی اور نہیں خود ان کے والد عبداللہ بن جراح تھے، انہوں نے اپنے والد کو نہیں، ان کی شخصیت میں پائے جانے والے کفر کو قتل کیا تھا، درحقیقت یہ والہانہ جوش اور مذہبی وارفتگی کی نہایت سچی مثال تھی جس میں ماں، باپ، بھائی، بہن، غرض تمام رشتہ دار بالکل ایک اجنبی دشمن کی طرح نظر آتے ہیں۔



حضرت سعید بن زید کا قبول اسلام

حضرت سعیدؓ کے والد زید ان سعادت مند بزرگوں میں تھے جن کی آنکھوں نے اسلام سے پہلے ہی کفر و شرک کے ظلمت کدہ میں توحید کا جلوہ دیکھا تھا اور ہر قسم کے فسق و فجور یہاں تک کہ مشرکین کے ذبیحے سے بھی پرہیز کرتے تھے، زید کو اس کفرستان میں اپنے موحد ہونے کا نہایت فخر تھا، ایک دفعہ کعبہ سے پشت ٹیک کر کہہ رہے تھے، ”اے گروہ قریش! خدا کی قسم میرے سوا تم میں کوئی بھی دین ابراہیم پر قائم نہیں ہے۔“ جب رسول اللہ ﷺ نے دین حنیف کو زیادہ مکمل صورت میں دوبارہ دنیا کے سامنے پیش کیا اور دعوت توحید شروع کی، تو گو اس وقت اس کے سچے شیدائی زید دنیا میں موجود نہیں تھے، لیکن وہ جس وقت اپنی زندگی کی آخری سانسیں لے رہے تھے، انہوں نے اپنی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھاتے ہوئے کہا:

”اللہم ان حرمتنی من هذا الخیر فلا تحرم منه ابنی سعیدا“

(خدایا! اگرچہ تو نے مجھے اس خیر سے محروم کر دیا ہے مگر میرے بیٹے سعید کو

اس سے محروم نہ کرنا)

اس لیے ان کے فرزند سعیدؓ کے لیے توحید کی آواز بالکل مانوس تھی، انہوں نے اس آواز پر جوش کے ساتھ لبیک کہا اور اپنی نیک بخت بیوی کے ساتھ حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

حضرت سعیدؓ کی بیوی حضرت فاطمہؓ، حضرت عمرؓ کی حقیقی بہن تھیں، لیکن وہ خود اس وقت تک اسلام کی حقیقت سے نا آشنا تھے، بہن اور بہنوئی کی تبدیل مذہب کا حال سن

کر نہایت برا فروختہ ہوئے اور دونوں میاں بیوی کو اس قدر مارا کہ لہو لہان ہو گئے۔ اس کے علاوہ اپنی قوم کے ہاتھوں اپنے دین کی آزمائش کی راہ میں ایسی ایسی زہر گداز اور صبر آزما آذیتوں کا سامنا کیا، جن کا وہ اپنے مقام بلند کی وجہ سے مستحق تھے، لیکن قریش ان کو دین اسلام سے پھیر لینے میں کامیاب نہ ہو سکے، بلکہ اس کے برعکس وہ اور ان کی بیوی دونوں ال کر ایک نہایت وزنی اور کفر کی نہایت اہم شخصیت کو اسلام کی طرف کھینچ لینے میں کامیاب ہو گئے، یعنی وہ لوگ حضرت عمرؓ کے قبول اسلام کا سبب بنے۔



حضرت حمزہ بن عبدالمطلبؓ کا قبول اسلام

آنحضرت ﷺ کے اعمام میں سے حضرت حمزہؓ کو آپ ﷺ سے خاص محبت تھی، وہ آپ ﷺ سے صرف دو تین برس بڑے تھے اور ساتھ کے کھیلے تھے، دونوں نے ثوبیہ کا دودھ پیا تھا اور اس رشتہ سے بھائی بھائی تھے، وہ ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے لیکن آپ ﷺ کی ہر ادا کو محبت کی نظر سے دیکھتے تھے، ان کا مذاق طبیعت سپاہ گری اور شکار افگنی تھا، معمول تھا کہ منہ اندھیرے تیر کمان لے کر نکل جاتے، دن دن بھر شکار میں مصروف رہتے، شام کو واپس آتے تو پہلے حرم میں جاتے، طواف کرتے، قریش کے رؤسا حرم میں الگ الگ دربار جما کر بیٹھا کرتے تھے، حضرت حمزہؓ ان لوگوں سے صاحب سلامت کرتے، کبھی کبھی کسی کے پاس بیٹھ جاتے، اس طریقہ سے سب سے یارا نہ تھا، اور سب لوگ ان کی قدر و منزلت کرتے تھے۔

دعوتِ توحید کی صدا گو ایک عرصہ سے مکہ کی گھاٹیوں میں گونج رہی تھی، تاہم حضرت حمزہؓ جیسے سپاہی منش کو ان باتوں سے کیا تعلق؟ انہیں صحرا نوردی اور سیر و شکار سے کب فرصت تھی جو شرک و توحید کی حقانیت پر غور کرتے، لیکن خدا نے عجیب طرح سے ان کی رہنمائی کی۔ ایک روز حسب معمول شکار سے واپس آرہے تھے، کوہ صفا کے پاس پہنچے تو ایک لونڈی نے کہا: ”ابو عمارہ! کاش تھوڑی دیر پہلے تم اپنے بھتیجے محمد ﷺ کا حال دیکھتے، وہ خانہ کعبہ میں اپنے مذہب کا وعظ کہہ رہے تھے کہ ابو جہل نے نہایت سخت گالیاں دیں اور بہت بری طرح ستایا، لیکن محمد ﷺ نے کچھ جواب نہ دیا اور بے بسی کے ساتھ لوٹ گئے، یہ سننا تھا کہ رگِ حمیت میں جوش آگیا، تیزی کے ساتھ خانہ کعبہ کی

طرف بڑھے، ان کا قاعدہ تھا کہ شکار سے واپس آتے ہوئے کوئی راہ میں مل جاتا تو کھڑے ہو کر ضرور اس سے دو دو باتیں کر لیتے تھے، لیکن اس وقت جوش انتقام نے مغضوب الغضب کر دیا تھا، کسی طرف متوجہ نہ ہوئے اور سیدھے خانہ کعبہ پہنچ کر ابو جہل کے سر پر زور سے اپنی کمان دے ماری جس سے وہ زخمی ہو گیا، یہ دیکھ کر بنی مخزوم کے چند آدمی ابو جہل کی مدد کے لیے دوڑے اور بولے: ”حمزہ! شاید تم بھی بدوین ہو گئے“ فرمایا: ”جب اس کی حقانیت مجھ پر ظاہر ہو گئی تو کون چیز اس سے باز رکھ سکتی ہے؟ ہاں: میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ خدا کے رسول ہیں اور جو کچھ وہ کہتے ہیں سب حق ہے، خدا کی قسم! اب میں اس سے پھر نہیں سکتا، اگر تم سچے ہو تو مجھے روک کر دیکھ لو۔“

آنحضرت ﷺ کے جوش حمایت میں انہوں نے اسلام کا اظہار تو کر دیا لیکن گھر پر آئے تو مترود تھے کہ آبائی دین کو دفعہ کیوں کر چھوڑ دوں، تمام دن سوچتے رہے، بالآخر غور و فکر کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ دین حق یہی ہے۔

یہ اسلام کا وہ زمانہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کے مکان میں پناہ گزیں تھے اور مومنین کا حلقہ صرف چند کمزور و ناتواں ہستیوں پر محدود تھا، لیکن حضرت حمزہؓ کے اضافہ سے دفعہٴ حالت بدل گئی اور کفار کی مطلق العنان دست درازیوں اور ایذا رسانیوں کا سدباب ہو گیا، کیونکہ ان کی شجاعت و جانبازی کا تمام مکہ لوہا مانتا تھا۔



حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کا قبول اسلام

حضرت عباسؓ آنحضرت ﷺ کے چچا تھے لیکن عمر میں کچھ زیادہ فرق نہ تھا، غالباً حضرت عباسؓ دو یا تین برس آپ ﷺ سے پہلے پیدا ہوئے تھے۔

آنحضرت ﷺ کو خلعت نبوت عطا ہوا اور آپ ﷺ نے مکہ میں علانیہ دعوت تو حید کی صدا بلند فرمائی تو حضرت عباسؓ نے گو بظاہر ایک عرصہ تک بیعت کے لیے ہاتھ نہیں بڑھایا، تاہم دل سے وہ اس تحریک کے حامی تھے۔

حضرت عباسؓ کا ایک عرصہ تک مکہ میں مقیم رہنا اور علانیہ دائرہ اسلام میں داخل نہ ہونا، درحقیقت ایک مصلحت پر مبنی تھا، وہ کفار مکہ کی نقل و حرکت اور ان کے راز ہائے سر بستہ سے رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دیتے تھے، نیز اس سر زمین کفر میں جو ضعفائے اسلام رہ گئے تھے ان کے لیے تنہا ماویٰ و ملجأ تھے، یہی وجہ ہے کہ حضرت عباسؓ نے جب کبھی رسالت پناہ ﷺ سے ہجرت کی اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے باز رکھا اور فرمایا کہ ”آپ کا مکہ میں مقیم رہنا بہتر ہے، خدا نے مجھ پر نبوت ختم کی ہے اسی طرح آپ پر ہجرت ختم کرے گا۔“

فتح مکہ سے کچھ عرصہ پہلے حضرت عباسؓ کو ہجرت کی اجازت مل گئی، چنانچہ وہ مع اہل و عیال رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور علانیہ بیعت کر کے مستقل طور سے مدینہ میں سکونت پذیر ہوئے۔

حضرت بلالؓ بن رباح کا قبول اسلام

حضرت بلال حبشی نژاد غلام تھے لیکن مکہ ہی میں پیدا ہوئے تھے، صورت ظاہری کے لحاظ سے گوسایہ فام حبشی تھے، تاہم آئینہ دل شفاف تھا، اس کو ضیائے ایمان نے اس وقت منور کیا، جب کہ وادی بطنیا کی اکثر گوری مخلوق غرورِ حسن و زعمِ شرافت میں ضلالت و گمراہی کی ٹھوکریں کھا رہی تھی، جن محدودے چند بزرگوں نے داعیِ حق کو لبیک کہا تھا ان میں صرف سات آدمیوں کو اس کے اعلان کی توفیق ہوئی تھی جن میں ایک یہ غلام حبشی بھی تھا۔

کمزور ہمیشہ سب سے زیادہ ظلم و ستم کا آماجگاہ رہتا ہے، حضرت بلالؓ کی جو ذاتی حالت تھی، اس کے لحاظ سے وہ اور بھی اس ناموس جفا کے شکار ہوئے، گونا گوں مصائب اور طرح طرح کے مظالم سے ان کے استقلال و استقامت کی آزمائش ہوئی، تپتی ہوئی ریت، جلتے ہوئے سنگریزوں اور دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹائے گئے، مشرکین کے لڑکوں نے گلوئے مبارک میں رسیاں ڈال کر بازیچہ اطفال بنایا، لیکن ان تمام روح فرسا و جان گسل آزمائشوں کے باوجود توحید کا جبل متین ہاتھ سے نہ چھوٹا، ابو جہل ان کو منہ کے بل سنگریزوں پر لٹا کر اوپر سے پتھر کی چکی رکھ دیتا اور جب آفتاب کی تمازت بے قرار کر دیتی تو کہتا: ”بلالؓ! اب بھی محمد ﷺ کے خدا سے باز آ جا“، لیکن اس وقت بھی وہن مبارک سے یہی ”أحد أحد“ نکلتا۔

ظلم پیشہ مشرکین میں امیہ بن خلف سب سے زیادہ پیش پیش تھا، اس کی جدت طرازیوں نے ظلم و جفا کے نئے طریقے ایجاد کئے تھے، وہ ان کو طرح طرح سے

ازبیتیں پہنچاتا، کبھی گائے کی کھال میں لپیٹتا، کبھی لوہے کی زرہ پہنا کر چلتی ہوئی دھوپ میں بیٹھاتا اور کہتا: ”تمہارا خدالات اور عزئی ہے، لیکن اس وارفتہ توحید کی زبان سے ”أحد أحد“ کے سوا اور کوئی کلمہ نہ نکلتا، مشرکین کہتے کہ تم ہمارے ہی الفاظ کا اعادہ کر دو تو فرماتے کہ میری زبان ان کو اچھی طرح ادا نہیں کر سکتی۔

”چاہے دم نکل جائے یہ بلال کہتے تھے میرے منہ سے نکلے گا“ لا الہ الا اللہ“۔
حضرت بلالؓ ایک روز حسب معمول وادی بطناء میں مشق ستم بنائے جا رہے تھے، حضرت ابو بکر صدیقؓ اس طرف سے گذرے تو یہ عبرتناک منظر دیکھ کر دل بھر آیا اور ایک گرانقدر رقم معاوضہ میں دے کر آزاد کر دیا، آنحضرت ﷺ نے سنا تو فرمایا: ”ابو بکرؓ! تم مجھے اس میں شریک کر لو، عرض کی: ”یا رسول اللہ ﷺ! میں آزاد کرا چکا ہوں۔“



حضرت جعفرؓ طیار کا قبول اسلام

حضرت جعفرؓ آنحضرت ﷺ کے ابن عم اور حضرت علیؓ کے سگے بھائی تھے، اور عمر میں ان سے تقریباً دس سال بڑے تھے۔

آنحضرت ﷺ ایک روز حضرت علیؓ کے ساتھ مشغول عبادت تھے، خاندان ہاشم کے سردار ابوطالب نے اپنے دو عزیزوں کو بارگاہِ صمدیت میں سر بسجود دیکھا تو دل پر خاص اثر ہوا، اپنے صاحبزادہ حضرت جعفرؓ کی طرف دیکھ کر کہا: ”جعفرؓ! تم بھی اپنے ابن عم کے پہلو میں کھڑے ہو جاؤ“، حضرت جعفرؓ نے بائیں طرف کھڑے ہو کر نماز ادا کی، ان کو خدائے لایزال کی عبادت و پرستش میں ایسا مزہ ملا کہ وہ بہت جلد یعنی آنحضرت ﷺ کے زید بن ارقم کے گھر میں پناہ گزیں ہونے کے قبل ہمیشہ کے لیے ان کے پرستاروں میں داخل ہو گئے، اس وقت تک اکتیس بتیس آدمی اس سعادت سے مشرف ہوئے تھے۔

حضرت جعفرؓ اور ان کی اہلیہ حضرت اسماء بنت عمیسؓ اس کاروانِ نکہت و نور میں شامل ہو گئے، جس کے نتیجے میں اس ہاشمی نوجوان اور اس کی نو عمر بیوی نے قریش کے ہاتھوں وہ ساری بلائیں اور مصیبتیں جھیلیں جن سے ابتدائی زمانے کے مسلمانوں کو پالا پڑا تھا، انہوں نے ہر اذیت پر صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا، کیونکہ ان کو یہ بات بخوبی معلوم تھی کہ جنت تک پہنچنے کے لیے ان پر خار و ادیوں اور دشوار گزار گھاٹیوں کو عبور کرنا ناگزیر ہے، بالآخر مشرکین کی ستم آرائیوں سے تنگ آ کر جب مسلمانوں کی جماعت نے حبش کی راہ لی تو حضرت جعفرؓ بھی اس کے ساتھ ہو گئے، لیکن قریش نے یہاں بھی چین لینے

نہ دیا، نجاشی کے دربار میں مکہ سے گراں قدر تحائف کے ساتھ ایک وفد آیا اور اس نے درباری پادریوں کو تائید پر آمادہ کر کے نجاشی سے درخواست کی کہ ”ہماری قوم کے چند نا سمجھ نوجوان اپنے آبائی مذہب سے برگشتہ ہو کر حضور کی حکومت میں چلے آئے ہیں، انہوں نے ایک ایسا نرالہ مذہب ایجاد کیا ہے جس کو پہلے کوئی جانتا بھی نہ تھا، ہم کو ان کے بزرگوں اور رشتہ داروں نے بھیجا ہے کہ حضور ان لوگوں کو ہمارے ساتھ واپس کر دیں“، درباریوں نے بھی بلند آہنگی کے ساتھ اس مطالبہ کی تائید کی، نجاشی نے مسلمانوں سے بلا کر پوچھا کہ ”وہ کون سا نیا مذہب ہے جس کے لیے تم لوگوں نے اپنا خاندانی مذہب چھوڑ دیا؟“

مسلمانوں نے نجاشی سے گفتگو کے لیے اپنی طرف سے حضرت جعفر کو منتخب کیا، انہوں نے اس طرح تقریر کی:

”بادشاہ سلامت! ہماری قوم نہایت جاہل تھی، ہم بت پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، بدکاریاں کرتے تھے، رشتہ داروں اور پڑوسیوں کو ستاتے تھے، طاقتور کمزوروں کو کھاجاتا تھا، غرض ہم اس بدبختی میں تھے کہ خدانے خود ہی ہماری جماعت میں سے ایک شخص کو ہمارے پاس رسول بنا کر بھیجا، ہم اس کی شرافت، راستی، دیانت داری اور پاکبازی سے اچھی طرح آگاہ تھے، اس نے ہم کو شرک و بت پرستی سے روک کر توحید کی دعوت دی، راست بازی، امانت داری، ہمسایہ اور رشتہ داروں سے محبت کا سبق ہم کو سکھایا اور ہم سے کہا کہ ہم جھوٹ نہ بولیں، بے وجہ دنیا میں خونریزی نہ کریں، بدکاری اور فریب سے باز آئیں، یتیم کا مال نہ کھائیں، شریف عورتوں پر بدنامی کا داغ نہ لگائیں، بت پرستی چھوڑ دیں، ایک خدا پر ایمان لائیں، نماز پڑھیں، روزے رکھیں، زکوٰۃ دیں، ہم اس پر ایمان لائے اور اس کی تعلیم پر چلے، ہم نے بتوں کو پوجنا چھوڑا، صرف ایک خدا کی پرستش

کی، اور حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھا، اس پر ہماری قوم ہماری جان کی دشمن ہو گئی، اس نے طرح طرح سے ظلم و تشدد کر کے ہم کو بت پرستی اور جاہلیت کے برے کاموں میں مبتلا کرنا چاہا یہاں تک کہ ہم لوگ ان کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر آپ کی حکومت میں چلے آئے۔“

نجاشی نے کہا: ”تمہارے نبی پر جو کتاب نازل ہوئی اس کو ہمیں سے پڑھ کر سناؤ“، حضرت جعفرؓ نے سورہ مریم کی چند آیتیں تلاوت کیں تو نجاشی پر ایک خاص کیفیت طاری ہو گئی، اس نے کہا: ”خدا کی قسم! یہ اور تورات ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں اور قریش کے سفیروں سے مخاطب ہو کر کہا: واللہ! میں ان کو کبھی واپس جانے نہ دوں گا۔“

حضرت جعفرؓ آنحضرت ﷺ کے مدینہ کی ہجرت کے چھ سال بعد تک حبشہ ہی میں رہے، (کے) میں وہ حبش سے مدینہ آئے، یہ وہ زمانہ تھا کہ خیبر فتح ہو گیا تھا اور مسلمان اس کی خوشی منا رہے تھے کہ مسلمانوں کو اپنے ان دور افتادہ بھائیوں کی واپسی کی دوہری خوشی حاصل ہوئی، حضرت جعفرؓ سامنے آئے تو آنحضرت ﷺ نے ان کو گلے سے لگایا اور پیشانی چوم کر فرمایا: ”میں نہیں جانتا کہ مجھ کو جعفرؓ کے آنے سے زیادہ خوشی ہوئی یا خیبر کی فتح سے۔“



حضرت زید بن حارثہ کا قبول اسلام

حضرت زیدؓ کے والد حارثہ یمن کے رہنے والے تھے ان کی والدہ ایک مرتبہ اپنے صغیر السن بچے حضرت زید کو لے کر اپنے مانگہ گئیں، اسی اثنا میں کچھ سوار جو غارت گری سے واپس آرہے تھے اس نونہال کو خیمہ کے سامنے سے اٹھالائے اور غلام بنا کر عکاظ کے بازار میں فروخت کے لیے پیش کیا، حکیم بن حزام نے چار سو درہم میں خرید کر اپنی پھوپھی حضرت خدیجہؓ کی خدمت میں پیش کیا، جن کی وساطت سے سرور کائنات ﷺ کی غلامی کا شرف نصیب ہوا جس پر ہزاروں آزادیاں اور تمام دنیا کی شہنشاہیاں قربان ہیں۔

آنحضرت ﷺ کو خلعت نبوت عطا ہوا تو حضرت زیدؓ نے ابتدا ہی میں شرف بیعت حاصل کیا، محققین کا فیصلہ ہے کہ وہ غلاموں میں سب سے پہلے مومن تھے، حضرت زیدؓ دعوت کے کام میں آپ ﷺ کے شریک کار رہے۔

چنانچہ جب نبی ﷺ مکہ سے وعظ کے لیے طائف تشریف لے گئے تو نبی ﷺ کے ساتھ اس سفر میں زید بن حارثہؓ تھے، وعظ کرتے ہوئے ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کے اتنی چوٹیں لگیں کہ حضور ﷺ بیہوش ہو کر گر پڑے، حضرت زیدؓ نے آپ ﷺ کو اپنی پیٹھ پر اٹھایا آبادی سے باہر لے گئے اور پانی کے چھینٹے دینے سے ہوش آیا۔



حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قبول اسلام

حضرت عباسؓ نے بظاہر فتح مکہ سے کچھ عرصہ پہلے اسلام قبول کیا، لیکن حضرت عبداللہؓ کی والدہ حضرت ام الفضلؓ نے ابتدا ہی میں داعی توحید کو لبیک کہا تھا، ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے بعد عورتوں میں ان کا ایمان سب پر مقدم تھا، اس بنا پر حضرت عبداللہؓ نے یوم ولادت سے ہی توحید کی لوریوں میں پرورش پائی اور ہوش سنبھالنے کے ساتھ وہ قدرۃً ایک پر جوش مسلم ثابت ہوئے، امام بخاری فرماتے ہیں:

”ابن عباسؓ اپنی ماں کے ساتھ ضعفائے اسلام میں تھے (جو اپنی مجبور یوں کے باعث مکہ میں رہ گئے تھے) وہ اپنے والد کے ساتھ اپنی قوم کے مذہب پر نہ تھے، وہ کہا کرتے تھے کہ اسلام سر بلند رہے گا مغلوب نہ ہوگا۔“

حضرت عبداللہ بن عباسؓ جب یہ آیت تلاوت فرماتے:

﴿إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانَ﴾

تو فرماتے کہ میں بھی اپنی والدہ کے ساتھ ان لوگوں میں شامل تھا جن کو خدا نے

معذور قرار دیا ہے۔

حضرت عباسؓ (ؓ) میں فتح مکہ سے کچھ عرصہ پہلے حلقہ بگوش اسلام ہوئے

اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے، حضرت عبداللہؓ کی عمر اس وقت گیارہ برس سے زیادہ نہ تھی، لیکن وہ اپنے والد کے حکم سے اکثر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کا قبول اسلام

مکہ میں جب دعوت تو حید کا غلغلہ بلند ہوا تو حضرت عبداللہ اس وقت ایک کم سن اور قریب البلوغ لڑکے تھے، وہ روزانہ مکہ کے ایک رئیس عقبہ بن معیط کی بکریوں کو لے کر انہیں چرانے کے لیے انسانی آبادی سے دور مکہ کی پہاڑیوں اور وادیوں کی طرف نکل جایا کرتے تھے۔

کم سن عبداللہ نبی کریم ﷺ کی باتیں اکثر سنا کرتے تھے جو قریش میں اپنی نبوت کا اعلان کر چکے تھے مگر ایک تو اپنی کم عمری اور دوسرے آبادی سے دور انسانی سوسائٹی سے الگ تھلگ ہونے کی وجہ سے اس پر خاطر خواہ توجہ نہیں کر پاتے تھے، ان کا تو روز کا یہ معمول تھا کہ صبح منہ اندھیرے بکریوں کے ساتھ نکل جاتے اور اس وقت واپس لوٹتے جب رات کی تاریکی پورے طور پر فضاء کو اپنی سیاہ چادر میں چھپا لیتی تھی۔

ایک روز آنحضرت ﷺ اپنے مونس و ہمدم حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ساتھ اس طرف سے گذرے جہاں یہ بکریاں چرا رہے تھے، حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ان سے فرمایا: ”صاحبزادے! تمہارے پاس کچھ دودھ ہو تو پیاس بجھاؤ، بولے میں آپ کو دودھ نہیں دے سکتا کیونکہ یہ دوسرے کی امانت ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کیا تمہارے پاس کوئی ایسی بکری ہے جس نے بچے نہ دیئے ہوں؟ عرض کی: ہاں، اور ایک بکری پیش کی، آپ ﷺ نے نتھن پر ہاتھ پھیر کر دعا فرمائی، یہاں تک کہ وہ دودھ سے لبریز ہو گیا، حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اس کو علاحدہ لے جا کر دوہا تو اس قدر دودھ نکلا کہ تینوں آدمیوں نے یکے بعد دیگرے خوب سیر ہو کر نوش فرمایا، اس کے بعد رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تھکن سے فرمایا: خشک ہو جا اور پھر وہ اپنی اصلی حالت پر لوٹ گیا۔

اس کرشمہ قدرت نے حضرت عبداللہؓ کے دل پر بے حد اثر کیا، حاضر ہو کر عرض کی:

”مجھے اس موثر کلام کی تعلیم دیجئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شفقت سے ان کے سر پر دست مبارک پھیر کر فرمایا: ”تم تعلیم یافتہ بچے ہو، غرض اس روز سے وہ معلم دین مبین کے حلقہ تلمذ میں داخل ہوئے اور بلا واسطہ خود مہبط وحی والہام سے ستر (۷۰) سورتوں کی تعلیم حاصل کی جن میں کوئی ان کا شریک و سہیم نہ تھا، اسلام قبول کرنے کے بعد وہ ہمیشہ خدمت بابرکت میں حاضر رہنے لگے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنا خادم خاص بنا لیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس زمانہ میں ایمان لائے تھے جب کہ موئین کی جماعت صرف چند اصحاب پر مشتمل تھی اور مکہ کی سرزمین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کسی نے بلند آہنگی کے ساتھ تلاوت قرآن کی جرأت نہیں کی تھی، چنانچہ ایک روز مسلمانوں نے باہم مجتمع ہو کر اس مسئلہ پر گفتگو کی اور سب نے بالاتفاق کہا: ”خدا کی قسم! قریش نے اب تک بلند آواز سے قرآن پڑھتے ہوئے نہیں سنا، لیکن پھر یہ سوال پیدا ہوا کہ اس پر خطر فرض کو کون انجام دے؟ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے آگے بڑھ کر اپنے آپ کو پیش کیا، لوگوں نے کہا: ”تمہارا خطرہ میں پڑنا مناسب نہیں، اس کام کے لیے تو ایک ایسا شخص درکار ہے جس کا خاندان وسیع ہو اور وہ اس کی حمایت میں مشرکین کے دست ظلم سے محفوظ رہے، لیکن حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے جوش ایمان سے براہیختہ ہو کر کہا: ”مجھے چھوڑ دو! خدا میرا محافظ ہے۔“

غرض دوسرے روز چاشت کے وقت جب کہ تمام مشرکین قریش اپنی انجمن میں حاضر تھے، اس وارفتہ اسلام نے ایک طرف کھڑے ہو کر ساز تو حید پر مضرب لگائی اور ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ کے بعد ”علم القرآن“ کا سحر آفرین راگ چھیڑا، مشرکین نے تعجب اور غور سے سنکر پوچھا: ”ابن ام عبد کیا کہہ رہا ہے؟“ کسی نے کہا: ”محمدؐ پر جو کتاب اتری ہے اس کو پڑھتا ہے، یہ سننا تھا کہ تمام مجمع غیظ و غضب سے

مشتعل ہو کر ٹوٹ پڑا اور اس قدر مارا کہ چہرہ ورم کر آیا، لیکن جس طرح پانی کے چند چھینٹے آگ کو اور زیادہ مشتعل کر دیتے ہیں، اسی طرح حضرت عبداللہ کا شعلہ ایمان اس ظلم سے بھڑک اٹھا، مشرکین مارتے گئے لیکن ان کی زبان بند نہ ہوئی۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جب اس فرض کو انجام دے کر شکستہ حالی کے ساتھ اپنے احباب میں واپس آئے تو لوگوں نے کہا کہ ”ہم اسی ڈر سے تمہیں نہ جانے دیتے تھے، بولے: ”خدا کی قسم! دشمنان خدا آج سے زیادہ میری نظر میں کبھی ذلیل نہ تھے، اگر تم چاہو تو کل میں پھر اسی طرح ان کے مجمع میں جا کر قرآن کریم کی تلاوت کروں،“ لوگوں نے کہا: ”بس جانے دو، اس قدر کافی ہے کہ جس کا سننا وہ ناپسند کرتے تھے اس کو تم نے بلند آہنگی کے ساتھ ان کے کانوں تک پہنچا دیا۔“

حضرت عبداللہؓ کے جوش و غیرت ایمان نے رفتہ رفتہ تمام مشرکین قریش کو دشمن بنا دیا، یہاں تک کہ ان کی مسلسل و پیہم ایذا رسانیوں سے تنگ آ کر دو دفعہ سرزمین حبش کی صحرا نوردی پر مجبور ہوئے، پھر تیسری دفعہ دائمی ہجرت کا ارادہ کر کے یثرب کی راہ لی۔



حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کا قبول اسلام

حضرت ابو موسیٰ یمن کے رہنے والے تھے، ان کا خاندان قبیلہ اشعر سے تعلق رکھتا تھا، اسی کے انتساب سے وہ اشعری مشہور ہوئے، ساقی توحید کے صلایٰ عام پر نزدیک والوں نے اپنے کان بند کر لیے تھے، لیکن تشنہ کا مان حق دور دراز ممالک سے دشوار گزار منزلیں طے کر کے آتے تھے، اور اپنی پیاس بجھاتے تھے، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ یمن سے چل کر مکہ آئے اور بادۂ اسلام کے ایک ہی جام میں سرشار ہو گئے، پھر اپنے وطن کی طرف مراجعت فرمائی۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ خاندان کے ایک ذی اثر رئیس تھے، اس لیے ان کی دعوت حق نے بہت جلد قبولیت عام حاصل کر لی اور وہ تقریباً پچاس حلقہ بگوشان اسلام کی ایک جماعت لے کر بحری راستہ سے پارگاہ نبوت کی طرف چل کھڑے ہوئے، لیکن طوفان و باد مخالف نے اس کشتی کو حجاز کے بجائے حبش پہنچا دیا، حضرت جعفرؓ اور دوسرے ستم زدگان اسلام جو یہاں ہجرت کر کے آئے تھے اور اب تک موجود تھے، مدینہ کے قصد سے روانہ ہوئے تو حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ بھی اس قافلہ میں شریک ہو گئے اور عین اس وقت مدینہ پہنچے جب کہ مجاہدین اسلام خیبر فتح کر کے واپس آرہے تھے، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو موسیٰؓ اور ان کی تمام جماعت کو بھی خیبر کے مال غنیمت میں حصہ مرحمت فرمایا۔

حضرت عمارؓ بن یاسر کا قبول اسلام

حضرت عمارؓ کے والد یاسر بن مظعان بن النسل تھے، یمن ان کا اصلی وطن تھا، مکہ میں جب اسلام کا غلغلہ بلند ہوا، حضرت عمارؓ اور حضرت صہیبؓ ایک ساتھ ایمان لائے تھے، فرماتے ہیں کہ ”میں نے صہیب کو ارقم بن ارقم کے دروازہ پر دیکھ کر پوچھا: تم کس ارادہ سے آئے ہو؟ بولے: پہلے تم اپنا ارادہ بیان کرو، میں نے کہا: محمد سے مل کر ان کی کچھ باتیں سننا چاہتا ہوں، بولے: میرا بھی مقصد یہی ہے،“ غرض دونوں ایک ساتھ داخل ہوئے اور ساقی اسلام کے ایک ہی جام نے دونوں نشہ توحید کو ٹھور کر دیا، حضرت عمارؓ کے ساتھ یا آگے پیچھے ان کے والدین بھی مشرف بہ اسلام ہوئے۔

صحیح بخاری کی ایک روایت ہے کہ حضرت عمارؓ جس وقت ایمان لے آئے تو انہوں نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے علاوہ صرف پانچ غلام اور دو عورتوں کو آنحضرت ﷺ کے ساتھ دیکھا، یہ وہ حضرات تھے جنہوں نے اپنے اسلام کو ظاہر کر دیا تھا، ورنہ صحیح روایت کی بنا پر اس وقت تک تیس اصحابؓ سے زیادہ اس دائرہ میں داخل ہو چکے تھے، جنہوں نے مشرکین کے خوف سے اعلان نہیں کیا تھا۔

حضرت عمارؓ کو ایک بے یار و مددگار غریب الوطن تھے، دنیاوی وجاہت و طاقت بھی حاصل نہ تھی، اور سب سے زیادہ ان کی والدہ ماجدہ حضرت سمیہؓ اس وقت تک بنی مخزوم کی غلامی سے آزاد نہیں ہوئی تھیں، تاہم جوشِ ایمان نے ایک دن سے زیادہ غمی ہو کر رہنے نہ دیا، مشرکین نے ان کو اور ان کے خاندان کو لاچار و مجبور دیکھ کر سب سے زیادہ مشقِ ستم بنالیا، طرح طرح کی اذیتیں دیں، ٹھیک دوپہر کے وقت تپتی ہوئی ریت میں لٹایا، دہکتے

ہوئے انگاروں سے جلایا اور گھنٹوں پانی میں غوطے دیئے، لیکن جلوہ توحید نے کچھ ایسا وارفتہ کر دیا تھا کہ ان تمام سختیوں کے باوجود اس کو اسلام سے برگشتہ نہ کر سکے۔

حضرت عمارؓ کی والدہ حضرت سمیہ کو ابو جہل نے نہایت وحشیانہ طریقے پر اپنے نیزے سے شہید کیا، چنانچہ تاریخ اسلام کی یہ پہلی عبرتناک شہادت تھی، جو استقلال و استقامت کے ساتھ راہِ خدا میں واقع ہوئی، ان کے والد حضرت یاسرؓ اور بھائی عبد اللہؓ بھی اسی گردابِ اذیت میں جاں بحق ہوئے۔

ایک دفعہ مشرکین نے حضرت عمارؓ کو دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹا دیا، آنحضرت ﷺ اس طرف سے گذرے تو ان کے سر پر دست مبارک پھیر کر فرمایا: ”اے آگ! تو ابراہیم علیہ السلام کی طرح عمارؓ پر ٹھنڈی ہو جا“، اسی طرح جب ان کے گھر کی طرف سے گذرتے اور خاندانِ یاسر کو بتلائے مصیبت دیکھتے تو فرماتے: ”اے آلِ یاسر! تمہیں بشارت ہو جنت تمہاری منتظر ہے۔“

ایک دفعہ حضرت یاسرؓ نے آنحضرت ﷺ سے گردشِ زمانہ کی شکایت کی، ارشاد ہوا: ”صبر کرو، صبر کرو، پھر دعا فرمائی اے خدا! آلِ یاسر کو بخش دے۔“

ایک روز مشرکین نے ان کو پانی میں اس قدر غوطے دیئے کہ بالکل بدحواس ہو گئے، یہاں تک اسی حالت میں ان جفا کاروں نے جو کچھ چاہا ان کی زبان سے اقرار کر لیا، اس کے بعد گو اس مصیبت سے گلو خلاصی ہو گئی، تاہم غیرتِ ملی نے عرقِ عرق کر دیا، دربارِ نبوت میں حاضر ہوئے تو آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا جاری تھا، آنحضرت ﷺ نے پوچھا: ”عمار! کیا خبر ہے؟“ عرض کی: ”یا رسول اللہ ﷺ نہایت ہی بری خبر ہے، آج مجھے اس وقت تک خلاصی نہ ملی جب تک میں نے آپ ﷺ کی شان میں برے الفاظ اور ان کے معبودوں کے حق میں کلماتِ خیر استعمال نہ کئے“، ارشاد ہوا: ”تم اپنا دل کیسا پاتے ہو؟“ عرض کی: ”میرا دل ایمان سے مطمئن ہے“، سرور کائنات ﷺ نے نہایت شفقت کے ساتھ ان کی آنکھوں سے

آنسو کے قطرے پونچھے، فرمایا: ”کچھ مضا لقمہ نہیں اگرچہ پھر ایسا ہی کرو“، اس کے بعد ہی قرآن پاک میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أَكْرَهَ وَ قَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ﴾
 (جو شخص ایمان لانے کے بعد خدا کا انکار کرے مگر وہ جو مجبور کیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان سے مطمئن ہے) (اس سے کوئی مواخذہ نہیں)

حضرت عمارؓ بھی انہیں گرفتارانِ مصائب میں تھے جنہوں نے راہِ خدا میں صبر و استقامت کے ساتھ گونا گوں مصائب اور مظالم برداشت کئے، لیکن آئینہ دل سے توحید کا عکس زائل نہ ہوا، ضعیفی کے عالم میں جن لوگوں نے ان کی پیٹھ تنگی دیکھی تھی، وہ بیان کرتے ہیں کہ ”اس وقت تک کثرت کے ساتھ سیاہ لکیریں، تپتی ہوئی ریت اور دہکتے ہوئے انگاروں کے داغ ان کی پیٹھ میں موجود تھے۔“



حضرت صہیبؓ بن سنان رومی کا قبول اسلام

حضرت صہیبؓ کا اصلی وطن ایک قریہ تھا جو موصل کے قریب لب و جلہ واقع تھا، رومی فوجوں نے ان کے علاقہ پر چڑھائی کی اور دوسرے مال و اسباب کے ساتھ اس نو نہال کو بھی ساتھ لے گئے، وہ رومیوں میں ہی پرورش پا کر جوان ہوئے، بنی کلب نے ان کو خرید کر مکہ پہنچایا ان سے عبد اللہ بن جدعان نے لے کر آزاد کر دیا۔

مکہ میں اسلام کا غلغلہ بلند ہوا تو تفتیش و تحقیق کے خیال سے آستانہ نبوت پر حاضر ہوئے، اتفاق سے حضرت عمارؓ بھی اسی خیال سے آرہے تھے، انھوں نے ان کو دیکھ کر پوچھا: ”تم کس ارادہ سے آئے ہو؟“ بولے: ”پہلے تم اپنا ارادہ بیان کرو“، میں نے کہا: ”محمد ﷺ سے مل کر ان کی کچھ باتیں سننا چاہتا ہوں“، بولے: ”میرا بھی مقصد یہی ہے“، غرض دونوں ایک ساتھ داخل ہو کر مشرف باسلام ہوئے، حضرت صہیبؓ پہلے رومی تھے جنہوں نے صدائے توحید کو لبیک کہا، رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ ”صہیبؓ روم کا پہلا پھل ہے“، آپؐ اس وقت ارقم بن ارقم کے مکان میں پناہ گزین تھے اور تیس سے زیادہ صحابہ کرامؓ اس دائرہ میں داخل ہو چکے تھے، جن میں سے اکثروں نے مشرکین کے خوف سے اس کو ظاہر نہیں کیا تھا۔

حضرت صہیبؓ کو غریب الوطن تھے اور اس سرزمین کفر میں ان کا کوئی حامی و معاون نہ تھا، تاہم غیرت ایمانی نے چھپ کر رہنا پسند نہ کیا، انہوں نے ابتدا ہی میں اپنے تبدیل مذہب کا حال ظاہر کر دیا اور راہِ خدا میں حضرت بلالؓ، حضرت عمارؓ اور حضرت خبابؓ وغیرہ دسیوں مسلمانوں کے ساتھ قریش کے ہاتھوں سخت اذیتیں برداشت کیں،

انہوں نے اہل مکہ کی طرف سے ایسی ایسی مصیبتیں جھیلیں کہ اگر وہ پہاڑ پر نازل ہو جاتیں تو اسے بھی پاش پاش کر دیتیں، لیکن انہوں نے راہِ خدا میں پیش آنے والے ان تمام آلام و مصائب کو نہایت خندہ پیشانی اور صبر و تحمل کے ساتھ برداشت کیا، کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ جنت کی راہیں مکارہ اور تکلیف دہ باتوں سے ڈھکی ہوئی ہیں۔

حضرت صہیبؓ سب سے آخر مہاجر تھے، انہوں نے رخت سفر درست کر کے ہجرت کا قصد فرمایا، تو مشرکین قریش نہایت سختی کے ساتھ سدِ راہ ہوئے اور بولے: ”تم ہمارے یہاں مفلس و محتاج آئے تھے، مکہ میں رہ کر دولت جمع کی اور اب یہ تمام سرمایہ اپنے ساتھ لیے جاتے ہو، خدا کی قسم! ایسا نہ ہوگا“، حضرت صہیبؓ نے اپنا ترکش دکھا کر کہا: ”اے گروہ قریش! تم جانتے ہو کہ میں تم لوگوں میں سب سے زیادہ صحیح نشانہ باز ہوں، خدا کی قسم! جب تک اس میں ایک بھی تیر ہے تم میرے قریب نہیں آسکتے، اس کے بعد پھر اپنی تلوار سے مقابلہ کروں گا، ہاں اگر مال و دولت چاہتے ہو تو کیا اس کو لے کر میرا راستہ چھوڑ دو گے؟“ قریش نے اس پر رضامندی ظاہر کی اور حضرت صہیبؓ اپنے مال و متاع کے عوض متاعِ ایمان کا سودا خرید کر مدینہ پہنچے، رسول اللہ ﷺ نے ان کو آتے ہوئے دیکھ کر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

”رَبِّحَ الْبَيْعُ يَا أَبَا يَحْيَى، رَبِّحَ الْبَيْعُ“ (ابو یحییٰ! یہ بیع تمہارے لیے بہت نفع بخش رہی)

آپ ﷺ نے اس جملہ کو تین بار دہرایا، اس کے بعد قرآن پاک نے اس عظیم الشان قربانی کی ان الفاظ میں داد دی:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ﴾ (لوگوں میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو خدا کی رضا جوئی کے لیے اپنی جانیں بیچ دیتے ہیں)

حضرت مصعبؓ بن عمیر کا قبول اسلام

حضرت مصعبؓ مکہ کے ایک نہایت حسین اور خوب روٹو جوان تھے، ان کے والدین ان سے شدید محبت رکھتے تھے، خصوصاً ان کی والدہ حنا بنت مالک نے مالدار ہونے کی وجہ سے اپنے لخت جگر کو نہایت ناز و نعمت سے پالا تھا، چنانچہ وہ عمدہ سے عمدہ پوشاک اور لطیف سے لطیف خوشبو جو اس زمانے میں میسر آسکتی تھی استعمال فرماتے تھے، آنحضرت ﷺ ان کا تذکرہ کرتے تو فرماتے: ”مکہ میں مصعبؓ سے زیادہ کوئی حسین، خوش پوشاک اور پروردہ نعمت نہیں ہے“، خدائے تعالیٰ نے حسن ظاہری، سلامت ذوق اور طبع لطیف کے ساتھ آئینہ دل کو بھی نہایت شفاف بنایا تھا، صرف ایک عکس کی دیر تھی کہ توحید کے دلربا خط و خال نے شرک سے متنفر کر دیا اور آستانہ نبوت پر حاضر ہو کر اس کے شیدا ایوں میں داخل ہو گئے، یہ وہ زمانہ تھا کہ آنحضرت ﷺ بن ارقم کے مکان میں پناہ گزیں تھے اور مسلمانوں پر مکہ کی سرزمین تنگ ہو رہی تھی، اس بنا پر حضرت مصعبؓ نے ایک عرصہ تک اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھا اور چھپ چھپ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے، لیکن ایک روز اتفاقاً عثمان بن طلحہؓ نے نماز پڑھتے دیکھ لیا اور ان کی ماں اور خاندان والوں کو خبر کر دی، انہوں نے سنا تو محبت نفرت سے مبدل ہو گئی اور مجرم توحید کے لیے شرک کی عدالت نے قید تہائی کا فیصلہ سنایا، حضرت مصعبؓ ایک عرصہ تک قید کے مصائب برداشت کرتے رہے، لیکن قید کی تلخ زندگی نے بالآخر ترک وطن پر مجبور کر دیا اور متلاشیان امن و سکون کے ساتھ سرزمین حبش کی راہ لی، اس ناز پروردہ نو جوان کو اب

نہ تو نرم و نازک کپڑوں کی حاجت تھی، نہ نشاط افزا عطریات کا شوق اور نہ دنیاوی عیش و تمعم کی فکر تھی، صرف جلوہ توحید کے ایک نظارہ نے تمام فانی ساز و سامان سے بے نیاز کر دیا، غرض ایک مدت کے بعد حبش سے پھر مکہ واپس آئے، ہجرت کے مصائب سے رنگ و روپ باقی نہ رہا تھا، تو خود ان کی ماں کو اپنے نورِ نظر کی پریشان حالی پر رحم آ گیا اور مظالم کے اعادہ سے باز آ گئی۔

اس اثناء میں خورشید اسلام کی ضیا پاش شعائیں کوہِ فاران کی چوٹیوں سے گذر کر وادیِ یشرب تک پہنچ چکی تھیں اور مدینہ منورہ کے ایک معزز طبقہ نے اسلام قبول کر لیا تھا، انہوں نے دربارِ نبوت میں درخواست بھیجی کہ ہماری تعلیم و تلقین پر کسی کو مامور فرمایا جائے، حضرت سرور کائنات ﷺ کی نگاہ جو ہر شناس نے اس خدمت کے لیے حضرت مصعب بن عمیر کو منتخب کیا اور چند زریں نصائح کے بعد مدینہ منورہ کی طرف روانہ فرمایا۔ جن دنوں یہ مدینہ میں اسلام کی منادی کرتے اور اسلام کی تبلیغ کیا کرتے تھے ان دنوں ان کے کندھے پر صرف کبیل کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا ہوتا تھا جسے اگلی طرف سے کانٹوں سے اٹکا لیا کرتے تھے، یہ وہی مصعب بن عمیرؓ ہیں جو اسلام سے پہلے دو سو روپے سے کم کی کبھی پوشاک نہیں پہنتے تھے مگر جب ان کو اسلام کے طفیل روحانی عیش حاصل ہوا تو ان جسمانی آرائشوں کو انہوں نے بالکل چھوڑ دیا تھا، یہاں تک کہ جنگ احد میں وہ صرف ایک کبیل چھوڑ کر شہید ہوئے تھے، جو اتنا چھوٹا تھا کہ کفن دینے میں جب ان کا سر چھپایا جاتا تو پاؤں کھل جاتے تھے اور جب پیر چھپائے جاتے تھے تو سر کھل جاتا تھا، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”کبیل سے سر چھپا دو اور پاؤں پر گھاس ڈال دو“۔



حضرت عثمان بن مظعون کا قبول اسلام

حضرت عثمان بن مظعونؓ بطبع نیک نفس و پاکباز تھے، ایام جاہلیت میں عرب کا ہر بچہ مست خرابات تھا، لیکن ان کی زبان اس وقت بھی باوہ ارغوانی کے ذائقہ سے نا آشنا تھی، اور فرمایا کرتے تھے کہ ”ایسی چیز پینے سے کیا فائدہ جس سے انسان کی عقل پر فتور آجائے، ذلیل و کم رتبہ آدمی اس کو مصحکہ بنائیں اور نشہ کی حالت میں ماں بہن کی تمیز بھی باقی نہ رہے۔“

اس فطری پاکبازی کے باعث ان کا لوح دل بالکل صاف تھا، رسول اللہ ﷺ کی تبلیغ و تلقین نے بہت جلد توحید کا نقش ثبت کر دیا، اور ارباب سیر کا بیان ہے کہ اس وقت تک صرف تیرہ صحابہ ایمان لائے تھے۔

۵۵ نبوی میں بلاکشان اسلام کی ایک جماعت نے رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے ملک حبش کی راہ لی، حضرت عثمان بن مظعونؓ اس بے خانماں گروہ کے امیر تھے، ایک عرصہ تک وہاں مقیم رہنے کے بعد اس غلط افواہ کی بنا پر کہ تمام قریش نے اسلام قبول کر لیا ہے پھر واپس تشریف لائے، لیکن جب مکہ کے قریب پہنچ کر خبر بے بنیاد نکلی تو سخت پریشان ہوئے کیونکہ دوبارہ اتنی دور جانا بھی دشوار تھا، اور دوسری طرف مکہ میں داخل ہونے سے مشرکین کا خوف دامن گیر ہوتا تھا، غرض اسی کشمکش میں جہاں تک پہنچے تھے وہیں رک گئے اور جب ان کے تمام ساتھی ایک ایک کر کے اپنے مشرک اعزہ و احباب کی پناہ میں مکہ پہنچ گئے تو وہ بھی ولید بن مغیرہ کی حمایت حاصل کر کے مکہ میں داخل ہوئے۔

ولید بن مغیرہ کے اثر نے گو حضرت عثمانؓ کو اذیتوں سے محفوظ کر دیا تھا، تاہم وہ

خود رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس اور دوسرے صحابہ کرام کو بتلائے مصیبت دیکھ کر اس ذاتی راحت و اطمینان کو گوارہ نہ کر سکے اور ایک روز خود بخود اپنے نفس کو ان الفاظ میں ملامت فرمائی: ”افسوس! میرے احباب اور خاندان والے راہ خدا میں طرح طرح کے مصائب برداشت کر رہے ہیں اور میں ایک مشرک کی حمایت میں اس چین اور اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کر رہا ہوں، خدا کی قسم! یہ میرے نفس کی بہت بڑی کمزوری ہے۔“ اس خیال نے انہیں بیتاب کر دیا، اسی وقت ولید بن مغیرہ کے پاس پہنچے اور فرمایا: ”اے ابو عبد شمس! تمہاری ذمہ داری پوری ہو چکی، اس وقت تک میں تمہاری پناہ میں تھا، لیکن اب خدا اور اس کے رسول ﷺ کی حمایت میں رہنا پسند کرتا ہوں، میرے لیے رسول خدا ﷺ اور ان کے اصحاب کا نمونہ کافی ہے،“ ولید نے کہا: ”شاید تمہیں کسی نے اذیت پہنچائی؟“ بولے: ”نہیں اصل یہ ہے کہ اب مجھے خدا کے سوا اور کسی کی حمایت درکار نہیں، تم ابھی میرے ساتھ خانہ کعبہ چلو اور جس طرح تم نے میری حمایت کا اعلان کیا تھا اسی طرح اس کو واپس لینے کا اعلان کر دو،“ غرض ولید نے اصرار سے مجبور ہو کر ان کی خواہش کو مجمع عام میں بیان کیا، حضرت عثمان بن مظعونؓ نے کھڑے ہو کر اس کی تصدیق کی اور فرمایا: ”صاحبو! میں نے ولید کو نہایت ہی باوقار اور مہربان پایا، لیکن چونکہ اب مجھے خدا کے سوا اور کسی کی حمایت پسند نہیں ہے، اس لیے میں خود ہی اس بار احسان سے سبکدوش ہوتا ہوں۔“

حضرت عثمان بن مظعونؓ اس اعلان کے بعد لبید بن ربیعہ کے ساتھ قریش کی ایک مجلس میں تشریف لائے، لبید چونکہ اس زمانہ کا مشہور شاعر تھا، اس لیے اس کے پہنچتے ہی شعر و شاعری شروع ہو گئی، اس نے جب اپنا قصیدہ سناتے ہوئے یہ مصرعہ پڑھا:

”أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللَّهَ بَاطِلٌ“ (خدا کے سوا ہر چیزیں

باطل ہیں)

تو حضرت عثمان بن مظعونؓ نے بے اختیار داد دی کہ ”تم نے سچ کہا“، لیکن

جب اس نے دوسرا مصرعہ پڑھا:

”وَكُلُّ نَعِيمٍ لِّامْحَالَةٍ زَائِلٌ“ (تمام نعمتیں یقیناً زائل ہو جائیں گی)

تو بول اٹھے کہ ”جھوٹ کہتے ہو“، اس پر ایک دفعہ تمام مجمع نے ان کی طرف نگاہ غضب آلود ڈال کر لبید سے اس شعر کو مکرر پڑھنے کی فرمائش کی، اس نے اعادہ کیا، تو حضرت عثمانؓ نے پھر پہلے مصرعہ کی تصدیق اور دوسرے کی تکذیب کر کے فرمایا: ”تم جھوٹ کہتے ہو، جنت کی نعمتیں کبھی زائل نہ ہوں گی“، لبید نے خفیف ہو کر کہا: ”گروہ قریش، خدا کی قسم! تمہاری مجلسوں کا یہ حال نہ تھا“، اس اشتعال انگیز جملہ سے تمام مجمع میں برہمی پھیل گئی اور ایک بدکار نے حضرت عثمانؓ کی طرف بڑھ کر اس زور سے طمانچہ مارا کہ ایک آنکھ زرد پڑ گئی، لوگوں نے کہا: ”عثمان! تم ولید کی حمایت میں نہایت معزز تھے اور تمہاری آنکھ اس صدمہ سے محفوظ تھی“، بولے: ”خدا کی حمایت سب سے زیادہ باامن و ذی عزت ہے اور جو میری آنکھ صحیح و تندرست ہے وہ بھی اپنے رفیق کے صدمہ میں شریک ہونے کی متمنی ہے“، ولید نے کہا: ”کیا اب بھی تم میری پناہ میں آنا قبول کرتے ہو“؟ فرمایا: ”میرے لیے صرف خدا کی پناہ کافی ہے۔“

حضرت عثمانؓ ایک عرصہ تک مکہ میں صبر و سکون کے ساتھ مظالم برداشت کرتے رہے، یہاں تک کہ جب آنحضرت ﷺ نے عموماً تمام صحابہ کرامؓ کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا تو وہ اپنے خاندان کے ساتھ مدینہ ہجرت کر گئے اور اپنے اعزہ سے اس طرح مکہ کو خالی کر دیا تھا کہ ان کے خاندان کا ایک ممبر بھی وہاں رہنے نہ پایا اور تمام مکانات بند کر دیئے گئے۔



حضرت ارقم بن ابی الارقم کا قبول اسلام

حضرت ارقم کا خاندان ایام جاہلیت میں مخصوص عزت و اقتدار کا مالک تھا، ان کے دادا اپنے زمانہ میں مکہ کے ایک نہایت سربراہ اور درہ رئیس تھے۔

حضرت ارقم گیارہ یا بارہ اصحاب کے بعد ایمان لائے، اس وقت آنحضرت ﷺ اور تمام مسلمانوں کی زندگی نہایت خطرہ میں تھی، مشرکین قریش چاہتے تھے کہ اس تحریک کو بااثر ہونے سے پہلے معدوم کر دیں، لیکن اسلام فنا ہونے کے لیے نہیں آیا تھا، حضرت ارقم کا مکان کوہ صفا کی تلی میں واقع تھا، انہوں نے مہبط وحی والہام ﷺ اور تمام مسلمانوں کو اپنے مکان میں چھپا لیا، حضرت عمر فاروقؓ انہیں کے گھر میں اسلام لائے تھے، ان کے اسلام لانے کے وقت کم و بیش چالیس آدمی شرف اسلام سے مشرف ہو چکے تھے، آپ کے اسلام لانے سے مسلمانوں میں قوت پیدا ہو گئی، بعثت کے تیرہویں سال ہجرت کا حکم ہوا تو حضرت ارقم بھی دوسرے صحابہ کرام کے ساتھ مدینہ پہنچے۔



حضرت شرحبیل بن حسنہ کا قبول اسلام

مختلف روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شرحبیلؓ اور ان کے خاندان نے ابتدائی زمانہ میں کسی وقت اسلام قبول کیا تھا، یہ وہ دور تھا جب سرور عالم ﷺ نے علانیہ تبلیغ حق کا آغاز نہیں کیا تھا اور نہایت رازداری کے ساتھ فریضہ تبلیغ ادا فرماتے تھے، جب نماز کا وقت آتا تو مسلمان اپنی قوم اور قبیلے سے مخفی مکہ کی سنسان گھاٹیوں میں جا کر نماز پڑھا کرتے تھے تاکہ مشرکین کو ان کے تبدیلی دین کا علم نہ ہو سکے، چھپ چھپ کر عبادت کرنے والے ان سابقین اولین میں حضرت شرحبیلؓ بھی شامل تھے۔

جب سرور عالم ﷺ نے علانیہ دعوت حق کا آغاز فرمایا تو مشرکین کے قہر و غضب کا آتش فشاں پوری قوت سے پھٹ پڑا اور مسلمانوں پر ظلم و ستم کا ایک لاشعنا ہی سلسلہ شروع ہو گیا، حضرت شرحبیلؓ اور ان کے اہل خاندان بھی مشرکین قریش کے ظلم و تعدی کا ہدف بن گئے، لیکن وہ بڑے صبر اور استقامت کے ساتھ ہر قسم کی مصیبتیں جھیلتے رہے، جب کفار کے مظالم شدید سے شدید تر ہو گئے، تو حضرت شرحبیلؓ اور ان خاندان نے حبشہ کی ہجرت کی، گویا پورے گھرانے نے اللہ کی راہ میں اپنا گھربار چھوڑ دیا اور حبش کی غریب الوطنی اختیار کر لی۔



حضرت عبیدہ بن حارث کا قبول اسلام

حضرت عبیدہؓ نے ابتدائے بعثت میں دعوت حق پر لبیک کہا، جب کہ ایسا کرنا ہولناک خطرات کو دعوت دینے کے مترادف تھا، حضرت عبیدہؓ اس وقت جوانی کی منزلوں سے گذر کر بڑھاپے کی حدود میں داخل ہو چکے تھے، لیکن انہوں نے نوجوانوں کے سے جوش اور ولولے کے ساتھ اسلام کو حرز جان بنایا اور مشرکین قریش کی مخالفت اور ایذا رسانی سے مطلق ہر اسماں نہ ہوئے، ان کے قبول اسلام کے کچھ عرصہ بعد جب مشرکین نے پرستار ان حق پر عرصہ حیات تنگ کر دیا تو سرور عالم ﷺ نے اپنی مٹھی بھر جاں نثاروں کے ساتھ حضرت ارمؓ کے گھر میں پناہ لی، ان جاں نثاروں میں حضرت عبیدہؓ بھی شامل تھے۔

بعثت نبوی کے ساتویں سال جب قریش مکہ نے بنی ہاشم کا بائیکاٹ کیا تو بنو ہاشم مجبور ہو کر شعب ابی طالب میں محصور ہو گئے اور پورے تین برس تک بنو ہاشم مصائب و آلام کی چکی میں پستے رہے اور ہر قسم کی سختیاں جھیلتے رہے، اس دوران ظالم محاصرین کھانے پینے کی کوئی چیز مسلمانوں کو نہیں پہنچنے دیتے تھے، محصورین کے بچے بھوک سے بلبلاتے تھے تو مشرکین ان کی آوازیں سن سن کر خوش ہوتے تھے، عورتوں کی چھاتیوں میں دودھ خشک ہو گیا تھا اور محصورین کے منہ میں کئی کئی دن تک ایک دانہ بھی نہ جاتا تھا، بعض اوقات درختوں اور جھاڑیوں کی پتیاں کھا کر پیٹ بھرتے تھے اور اگر کہیں سے سوکھا چمڑا مل جاتا تو اس کو بھون کر ستو کی طرح پھانک لیتے تھے، اس سب مصائب و شدائد کے باوجود بھی وہ مکہ کے درہمیتیم ﷺ کا ساتھ چھوڑنے کا تصور بھی دل میں نہ لائے، اس محصوری میں حضرت عبیدہؓ نے شروع سے آخر تک نہایت استقلال اور صبر کے ساتھ نبی ﷺ کا ساتھ دیا تھا۔

حضرت عمرو بن مرہ کا قبول اسلام

ابتدائے اسلام میں ہر طرف سے اسلام کی مخالفت میں صدائیں بلند ہو رہی تھیں، انہیں ایام میں ظہور اسلام کی خبر سن کر عمرو بن مرہ آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ”میں آپ ﷺ پر اور جو حلال و حرام کے احکامات آپ ﷺ لائے ہیں ان سب پر ایمان لاتا ہوں، اگرچہ اس وقت عرب کی درواریار سے اسلام کی مخالفت ہو رہی ہے“، اس کے بعد انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے کچھ اشعار پڑھے جن کا خلاصہ یہ تھا کہ ”میں خدا اور اس کے رسول پر ایمان لاتا ہوں، پھر کے معبودوں کو پس پشت ڈالتا ہوں، بڑی دور سے آیا ہوں تاکہ آپ ﷺ کی صحبت حاصل کر سکوں“۔

ان کے یہ اشعار سن کر حضور ﷺ کا روئے انور چمک اٹھا اور فرمایا: ”تمہیں مبارک ہو“، اس کے بعد یہ حضور ﷺ سے اجازت لے کر اپنی قوم کی طرف لوٹ گئے اور اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی، اللہ نے ان کی قوم پر ہدایت کے دروازے کھول دیئے پوری قوم چند دن میں مسلمان ہو گئی۔



حضرت عکاشہ بن محسن کا قبول اسلام

حضرت عکاشہ کی کنیت ابو محسن تھی اور انہوں نے اس وقت دعوت اسلام پر لبیک کہی تھی جب ایسا کرنا تلوار کی دھار پر چلنے کے مترادف تھا، اس طرح وہ سابقین اولین کی مقدس جماعت میں شامل ہونے کی سعادت سے بہرہ ور ہو گئے تھے، جب مشرکین قریش کے مظالم انتہا کو پہنچ گئے تو حضرت عکاشہؓ کے قبیلے کے بہت سے لوگ جو مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے حضور ﷺ کے ایماء پر حبش کو ہجرت کر گئے اور وہاں امن و سکون کی زندگی بسر کرنے لگے، لیکن حضرت عکاشہؓ ہجرت مدینہ تک مکہ ہی میں مقیم رہے اور مردانہ وار راہِ حق میں کفار کے ظلم و ستم سہتے رہے، جب سرور کائنات ﷺ نے مدینہ کو ہجرت فرمائی تو حضرت عکاشہؓ بھی دوسرے بلاکشان اسلام کے ساتھ ارض مکہ کو الوداع کہہ کر مدینہ پہنچ گئے۔



حضرت عبداللہ بن مخرمہ کا قبول اسلام

حضرت عبداللہ بن مخرمہ بنو عامر بن لوی کے نوجوانوں کی آبروتھے، نہایت شجاع اور شریف النفس تھے، ان کے قبول اسلام کی خبر مشرکین مکہ پر بجلی بن کر گری، انہوں نے نوجوان عبداللہ کو اپنے آبائی مذہب پر لوٹانے کے لیے ترغیب و تخویف کا ہر حربہ استعمال کیا لیکن حق کا نشہ ایسا نہیں تھا جسے ظلم و زیادتی کی ترشی اتار دیتی۔

عبداللہ نے کسی شیطانی حربے کو کوئی وقعت نہ دی، دوسرے بلاکشان اسلام کی طرح وہ بھی مشرکین کے جور و ستم کا نشانہ بن گئے، انہوں نے مار پیٹ، طعن و تشنیع اور تمسخر و استہزا کی صورت میں اپنے ترکش کے سارے تیر عبداللہ پر خالی کر دیئے لیکن ان کے پائے استقامت میں لمحہ بھر کے لیے لغزش نہ آئی۔

جب مشرکین کی ایذا رسانی کا سلسلہ حد سے گذر گیا تو سرور کائنات ﷺ نے حضرت عبداللہ کو بلا کر ہدایت فرمائی کہ ”جب موقع ملے تم بھی دوسرے مسلمانوں کے ساتھ جہش چلے جاؤ، وہاں کا بادشاہ رحم دل اور منصف مزاج ہے، امید ہے کہ تم لوگ اس ملک میں امن سے رہو گے۔“

حضرت عبداللہ نے حضور ﷺ کے ارشاد کی تعمیل کی اور مہاجرین حبشہ کے قافلہ میں شامل ہو گئے، کفار نے اگرچہ اس قافلے کو روکنے کے لیے بہت کوشش کی لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے بحفاظت جہش پہنچا دیا۔

حضرت حصین رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

مشہور صحابی حضرت عمرانؓ کے والد تھے اور قریش ان کی بڑی تعظیم کرتے تھے، ایک مرتبہ قریش ان کے پاس آئے اور ان سے کہا: ”آپ ہماری طرف سے جا کر اس آدمی (حضور ﷺ) سے بات کریں کیونکہ وہ ہمارے خداؤں کو برا بھلا کہتا ہے، چنانچہ قریش حضرت حصینؓ کے ساتھ چلے اور حضور ﷺ کے دروازے کے قریب آ کر بیٹھ گئے، حضور ﷺ نے فرمایا: ”بڑے میاں کے لیے جگہ خالی کرو،“ حضرت حصین کے صاحبزادے حضرت عمرانؓ اور ان کے بہت سے ساتھی حضور ﷺ کی خدمت میں پہلے سے جمع تھے، حضرت حصینؓ نے کہا: ”یہ کیا ہو رہا ہے کہ ہمیں آپ کی طرف سے یہ باتیں پہنچ رہی ہیں کہ آپ ﷺ ہمارے خداؤں کو برا بھلا کہتے ہیں، حالانکہ آپ کے والد تو بہت محتاط اور بھلے آدمی تھے؟“ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا: ”اے حصین! میرے والد اور تمہارے والد دونوں جہنم میں ہیں، اے حصین! اچھا یہ تو بتاؤ کہ تم کتنے خداؤں کی عبادت کرتے ہو؟“ حضرت حصینؓ نے کہا: ”میرے سات خداؤں میں پر ہیں اور ایک خدا آسمان میں ہے،“ حضور ﷺ نے فرمایا: ”جب تمہیں کسی چیز کا نقصان پہنچتا ہے تو کس خدا کو پکارتے ہو؟“ حضرت حصینؓ نے کہا: ”آسمان والے خدا کو،“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جب مال ہلاک ہو جائے تو کس کو پکارتے ہو؟“ حضرت حصینؓ نے کہا: ”آسمان والے کو،“ حضور ﷺ نے فرمایا: ”یہ عجیب بات ہے کہ تمہاری پکار پر وہ اکیلا تمہاری فریاد رسی کرتا ہے اور تم اس کے ساتھ اور خداؤں کو شریک کرتے ہو، کیا تم آسمان والے کی رضا اور اجازت سے ان دیوتاؤں کو شریک کرتے ہو یا ان دیوتاؤں سے ڈرتے ہو کہ اگر تم

ان کو شریک نہیں کرو گے تو وہ تم پر غالب آجائیں گے؟“ حضرت حصین نے کہا: ”ان دونوں باتوں میں سے کوئی بات بھی نہیں“، حضرت حصینؓ کہتے ہیں کہ ”اس وقت مجھے پتہ چلا کہ آج تک ان جیسی بڑی ہستی سے بات میں نے نہیں کی“، حضور ﷺ نے فرمایا: ”اے حصین! مسلمان ہو جاؤ سلامتی پالو گے“، حضرت حصین نے کہا: ”میری قوم ہے اور میرا خاندان ہے اگر اسلام لاؤں گا تو ان سے مجھے خطرہ ہے، اس لیے اب میں کیا کہوں؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ دعا پڑھو:

”اللّٰهُمَّ اسْتَهْدِكْ لِرَشْدِ أَمْرِي وَزِدْنِي عِلْمًا يَنْفَعُنِي“ (اے

اللہ! میں اپنے معاملہ میں زیادہ رشد و ہدایت والے راستے کی آپ سے

رہنمائی چاہتا ہوں اور مجھے علم نافع اور زیادہ عطا فرما)

چنانچہ حضرت حصینؓ نے یہ دعا پڑھی اور اسی مجلس میں اٹھنے سے پہلے ہی مسلمان ہو گئے، یہ دیکھتے ہی ان کے بیٹے حضرت عمرانؓ نے کھڑے ہو کر اپنے والد حضرت حصینؓ کے سر اور ہاتھوں اور پیروں کا بوسہ لیا، جب حضور ﷺ نے یہ منظر دیکھا تو آپ ﷺ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور فرمایا: ”عمرانؓ کے رویہ کی وجہ سے مجھے رونا آ گیا کہ ان کے والد حصین جب اندر آئے تو وہ کافر تھے، اس وقت عمرانؓ نہ ان کے لیے کھڑے ہوئے اور نہ ہی ان کی طرف متوجہ ہوئے لیکن جب وہ مسلمان ہو گئے تو فوراً ان کا حق ادا کر دیا، اس وجہ سے مجھ پر رقت طاری ہوئی“، حضرت حصینؓ باہر جانے لگے تو حضور ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا: ”اٹھو اور انہیں ان کے گھر تک پہنچا آؤ“، حضرت حصینؓ جوں ہی دروازہ سے باہر آئے تو قریش نے دیکھتے ہی کہا: ”یہ تو بے دین ہو گیا اور سارے قریش انہیں چھوڑ کر ادھر ادھر بکھر گئے۔“



حضرت معاویہ بن حنیفہ کا قبول اسلام

حضرت معاویہ بن حنیفہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: ”یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ ﷺ کی خدمت میں اب تک اس لیے نہیں آیا تھا کہ میں نے اپنے ہاتھوں کے پوروں کی تعداد سے بھی زیادہ مرتبہ قسم کھائی تھی کہ نہ میں کبھی آپ ﷺ کے پاس آؤں گا اور نہ آپ ﷺ کے دین کو اختیار کروں گا اور حضرت معاویہ نے یہ فرماتے ہوئے دونوں ہاتھوں کو ایک دوسرے پر رکھتے ہوئے پوروں کی تعداد کی طرف اشارہ فرمایا، لیکن اب اللہ تعالیٰ مجھے آپ ﷺ کے پاس ہی لے آیا ہے تو آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں اور میری حالت یہ ہے کہ میرے پاس تھوڑا سا علم ہے، میں آپ ﷺ کو اللہ کی عظیم ذات کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ ہمارے رب نے آپ ﷺ کو کیا دے کر ہمارے پاس بھیجا ہے؟“ حضور ﷺ نے فرمایا: ”دین اسلام دے کر بھیجا ہے“، حضرت معاویہ نے پوچھا: دین اسلام کیا ہے؟“ حضور ﷺ نے فرمایا: ”دین اسلام یہ ہے کہ تم یہ کہو میں نے اپنے آپ کو اللہ کا فرماں بردار بنا دیا اور اللہ کے علاوہ باقی سب سے میں الگ ہو گیا اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو، ہر مسلمان دوسرے مسلمان کے لیے قابل احترام ہے، دونوں مسلمان آپس میں بھائی اور ایک دوسرے کے مددگار ہیں اور مشرک آدمی جب مسلمان ہو گیا تو اب اسلام کے بعد اللہ تعالیٰ اس کے عمل کو اس وقت قبول فرمائیں گے جب وہ مشرکوں سے جدا ہو جائے (یعنی ہجرت کر لے) مجھے کیا ضرورت تھی کہ میں تمہاری کمر پکڑ کر تم لوگوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤں، مگر سنو!

بات یہ ہے کہ میرا رب مجھے بلائے گا اور مجھ سے پوچھے گا کیا میرا دین تو نے میرے بندوں تک پہنچا دیا تھا تو میں عرض کر سکوں گا: اے میرے رب! ہاں میں نے پہنچا دیا تھا، غور سے سنو! تم میں سے جو یہاں حاضر ہیں وہ قاصدین تک میرا دین پہنچائیں، غور سے سنو! تمہیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے اس حال میں بلایا جائے گا کہ تمہارے منہ بند کئے ہوئے ہوں گے (یعنی تم بات نہیں کر سکو گے) اور سب سے پہلے ہر آدمی کی ران ہتھیلی اس کے اعمال کی خبر دے گی، حضرت معاویہؓ فرماتے ہیں: ”میں نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! یہی ہمارا دین ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں یہی تمہارا دین ہے، جہاں بھی رہ کر تم اس پر اچھی طرح چلو گے یہ دین تمہارے لیے کافی ہو جائے گا۔“



حضرت مقدادؓ بن عمرو کا قبول اسلام

حضرت مقدادؓ دراصل بہرا کے رہنے والے تھے، چونکہ ان کے خاندان کے ایک ممبر نے کسی ہمسایہ قبیلہ میں خونریزی کی تھی اس لیے انتقام کے خوف سے کندہ چلے آئے تھے، لیکن یہاں بھی یہی مصیبت پیش آئی، بالآخر مکہ آکر آباد ہوئے۔

وہ مکہ میں ابھی اچھی طرح وطن گزریں بھی نہ ہونے پائے تھے کہ صدائے توحید کانوں میں آئی اور رسالت مآب ﷺ کی دعوت و تبلیغ نے ان کو اسلام کا شیدائی بنا دیا، یہ وہ پر آشوب زمانہ تھا کہ علانیہ ایک کو ایک کہنا قلم و شرک میں شدید ترین جرم خیال کیا جاتا تھا، لیکن حضرت مقدادؓ نے اپنی بے بسی و غریب الوطنی کے باوجود افتخائے حق گوارہ نہ کیا، چنانچہ وہ ان سات بزرگوں کی صف میں نظر آتے ہیں جنہوں نے ابتدا ہی میں اپنے حلقہ بگوش اسلام ہونے کا اعلان کر دیا تھا، اس حق پسندی کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ وہ طرح طرح کے مصائب اور گونا گونا گوں مظالم کا نشانہ بنا لیے گئے، یہاں تک کہ پیانہ مہر و تحمل لبریز ہو گیا اور مکہ چھوڑ کر عازم حبش ہوئے۔

کچھ دنوں کے بعد سرزمین حبش سے واپس آئے تو مدینہ کی طرف ہجرت کی تیاریاں ہو رہی تھیں، لیکن وہ ایک عرصہ تک اپنی بعض دشواریوں کے باعث مدینہ جانے سے مجبور رہے، یہاں تک کہ جب رسول اللہ ﷺ بھی تشریف لے گئے، اور کفر و اسلام میں فوجی چھیڑ چھاڑ کا آغاز ہوا، تو یہ اور حضرت عتبہ بن غزوہ ان ایک قریشی متجنس فوجی دستہ کے ہمراہ مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے، حکمرانہ بن ابی جہل اس کا امیر لشکر تھا، راہ میں مجاہدین اسلام کی ایک جماعت سے ٹک بھٹ ہوئی، حضرت عبیدہ بن الحارثؓ اس کے افسر تھے، یہ دونوں موقع پا کر مسلمانوں سے مل کر مدینہ پہنچ گئے۔

حضرت عبدالرحمان بن ابی بکرؓ کا قبول اسلام

حضرت ابو بکر صدیقؓ کا تمام خاندان ابتدا ہی میں حلقہ بگوش اسلام ہوا، لیکن حضرت عبدالرحمنؓ اس سے الگ تھے، وہ عرصہ تک اپنے قدیم مذہب کے حامی رہے، غزوہ بدر میں مشرکین قریش کے ساتھ تھے، اثنائے جنگ میں انہوں نے آگے بڑھ کر ”ہل من مبارز“ (ہے کوئی جو مقابلہ میں آئے) کا نعرہ لگایا، تو حضرت ابو بکر صدیقؓ کی آنکھوں میں خون اتر آیا، انہوں نے خود بڑھ کر مقابلہ کرنا چاہا، لیکن آنحضرت ﷺ نے ان کو اجازت نہ دی، غزوہ احد میں بھی وہ مشرکین مکہ کے ساتھ تھے۔

حضرت عبدالرحمان صلح حدیبیہ کے موقع پر ایمان لائے اور مدینہ پہنچ کر اپنے والد کے ساتھ رہنے لگے، حضرت ابو بکر صدیقؓ کے تمام کام اور ذاتی کاروبار زیادہ تر یہی انجام دیتے تھے اور نہایت اطاعت شعاری کے ساتھ ان کے غیظ و غضب کو برداشت کرتے تھے۔



حضرت عبداللہ بن سہیل کا قبول اسلام

حضرت عبداللہ نے دعوتِ حق کے ابتدائی زمانہ میں اسلام قبول کیا تو ان کے والد سخت غضبناک ہوئے، انہیں مارا پیٹا، قید تنہائی میں رکھا، لیکن وہ حق پر قائم رہے، اس پر والد نے ان کی سرپرستی سے ہاتھ کھینچ لیا، نتیجہ یہ ہوا کہ دوسرے مشرکین مکہ بھی اسلام لانے کے جرم میں انہیں ستانے لگے، بالآخر وہ حبش کی دوسری ہجرت میں شریک ہوئے، حبش سے واپس آئے تو ان کے والد نے پکڑ کر مقید کر لیا اور سخت اذیت پہنچائی، بالآخر حضرت عبداللہ ان جفا کاریوں سے تنگ آ کر جمال تو حید کو شرک کے پردہ میں چھپانے پر مجبور ہو گئے، یہاں تک کہ ان کے والدین اور مشرکین قریش نے ان کی ظاہری حالت سے یقین کر لیا کہ وہ بندگان تو حید کے دائرہ سے باطل پرستوں کے حلقہ میں پھر واپس آ گئے، اور غزوہ بدر میں شرک کی حمایت پر اپنے ساتھ لے گئے، لیکن انہیں کیا خبر تھی کہ جو دل نور ایمان سے ایک دفعہ روشن ہو چکا ہے وہ کبھی تاریک نہیں ہو سکتا ہے، غرض میدان بدر میں جب حق و باطل کے فدائی ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہوئے تو حضرت عبداللہ شرک کا ظاہری جامہ چاک کر کے آغازِ جنگ سے پہلے لوائے تو حید کے نیچے آکھڑے ہوئے، اس واقعہ پر ان کے والد کو سخت غصہ آیا اور جنگ شروع ہونے پر غیظ و غضب کے ساتھ حملہ آور ہوئے، لیکن اب وہ آزاد تھے، اخوانِ ملت کی پشت پناہی اور ہادی دین صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ عاطفت نے دل بڑھا دیا تھا، نہایت بہادری و شجاعت سے لڑے، یہاں تک کہ مسلمانوں کی فتح پر جنگ کا خاتمہ ہوا۔

حضرت عتبہ بن غزوٰن کا قبول اسلام

حضرت عتبہ بن غزوٰن بزرگوں میں ہیں جنہوں نے ابتدا ہی میں داعی توحید کو لبیک کہا تھا، چنانچہ ایک دفعہ انہوں نے اثنائے تقریر میں دعویٰ کیا تھا کہ ”سابقین اسلام میں ان کا ساتواں نمبر ہے“، لیکن صحیح یہ ہے کہ اس وقت تک صحابہ کرام کا حلقہ اس سے زیادہ وسیع ہو چکا تھا۔

کفار مکہ کی ستم آرائیوں سے تنگ آ کر ملک حبش کی دوسری ہجرت میں شریک ہوئے، لیکن کچھ عرصہ کے بعد پھر واپس چلے آئے، آنحضرت ﷺ اس وقت تک مکہ میں موجود تھے، رسول اللہ ﷺ نے جب مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی اور کفر و اسلام کا پاہم فوجی چھیڑ چھاڑ کا آغاز ہوا تو یہ اور حضرت مقداد ایک قریشی پنجس فوجی دستہ کے ہمراہ مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے، عکرمہ بن ابی جہل اس کا امیر لشکر تھا، راہ میں مجاہدین اسلام کی ایک جماعت سے ٹڈ بھینٹ ہوئی، حضرت عبیدہ بن الحارث اس کے افسر تھے، یہ دونوں موقع پا کر مسلمانوں سے مل کر مدینہ پہنچ گئے۔



حضرت عامر بن فہیرہ کا قبول اسلام

حضرت عامرؓ نے ابتداء ہی میں دعوتِ توحید کو آویزہ گوش و ہوش بنایا تھا، آنحضرت ﷺ اس وقت تک ارقم بن ابی الارقم کے مکان میں پناہ گزیں نہیں ہوئے تھے، غلامانہ بے بسی کے ساتھ اس حق پسندی نے قدرۃ ان کو سخت سے سخت مصائب میں مبتلا کیا، طرح طرح کی اذیتیں پہنچائی گئیں، لیکن آخر وقت تک استقامت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا، یہاں تک کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے دستِ کرم نے قیدِ غلامی سے نجات دلائی۔

ہجرت کے موقع پر جب آنحضرت ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ غارِ ثور میں پوشیدہ ہوئے تو حضرت عامر بن فہیرہؓ کے متعلق یہ خدمت تھی کہ وہ دن بھر مکہ کی چراگاہ میں حضرت ابو بکرؓ کی بکریاں چراتے، شام کو غار کے پاس لے آتے، یہاں ان کا دودھ دوہ کر استعمال کیا جاتا، جب یہ قافلہ غارِ ثور سے آگے بڑھا تو حضرت ابو بکرؓ نے ان کو اپنے پیچھے بٹھالیا اور وہ بھی آپ ﷺ کے ساتھ ہی مدینہ پہنچے۔

جس وقت سراقہ نے سو (۱۰۰) اونٹ کی لالچ میں آنحضرت ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ کا تعاقب کیا اور اس کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی یہاں تک کہ گھوڑے کے پاؤں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے تو اس نے آپ ﷺ سے معذرت کی اور درخواست کی کہ مجھ کو امن کی تحریر لکھ دیجئے، اس وقت حضرت عامر بن فہیرہؓ نے ہی چمڑے کے ایک ٹکڑے پر فرمانِ امن لکھا تھا۔

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ بن عبد الاسد کا قبول اسلام

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی والدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں اس لحاظ سے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارقم بن ابی الارقم کے مکان میں پناہ گزیں ہونے سے پہلے حلقہ مومنین میں داخل ہوئے، ان کی بیوی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بھی ان کا ساتھ دیا، حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ، حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ، حضرت ارقم بن ابی الارقم رضی اللہ عنہ، اور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ ایک ساتھ ایمان لائے تھے۔

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے حبش کی دونوں ہجرتوں میں شریک تھے، ان کی بیوی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی رفیق سفر تھیں، پھر حبش سے واپس آ کر عازم مدینہ ہوئے، لیکن دوسری روایت میں اولیت کا سہرا حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے سر باندھا گیا ہے، علامہ ابن حجر رضی اللہ عنہ ان دونوں میں تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں: ”حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ جب حبش سے مکہ واپس آئے تو مشرکین نے پھر ان کو ہدف اذیت بنایا، اس بنا پر ان کا مدینہ آنا مشرکین کے خوف سے تھا، مستقل ہجرت کا ارادہ نہ تھا، برخلاف اس کے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اس وقت پہنچے جب کہ مستقل ہجرت کا حکم ہو چکا تھا“، اس لیے ان دونوں روایتوں میں باہم مخالف نہیں ہے۔

بہر حال حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سب سے پہلے مدینہ پہنچے، ہجرت کرنے میں بھی انہیں قریش کی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں ”میرے شوہر ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے ہجرت کا ارادہ کیا مجھے اونٹ پر چڑھایا، میری گود میں میرا بچہ سلمہ رضی اللہ عنہ تھا، جب ہم چل پڑے تو بنو مغیرہ نے آ کر ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کو گھیر لیا، کہا: تو جاسکتا ہے مگر ہماری لڑکی نہیں لے جا

سکتا، اب بنو عبد الاسد بھی آگئے، انھوں نے ابو سلمہؓ سے کہا: تو جاسکتا ہے مگر بچہ کو جو ہمارے قبیلہ کا بچہ ہے تو نہیں لے جاسکتا، غرض انہوں نے ابو سلمہؓ سے اونٹ کی مہار لے کر اونٹ بٹھا دیا، بنو عبد الاسد تو ماں کی گود سے بچہ کو چھین کر لے گئے اور بنو مغیرہ ام سلمہ کو لے آئے، حضرت ابو سلمہؓ جو دین کے لیے ہجرت کرنا فرض سمجھتے تھے زن و بچہ کے بغیر روانہ ہو گئے، ام سلمہؓ شام کو اسی جگہ جہاں بچہ اور شوہر سے جدا کی گئیں تھیں پہنچ جاتیں اور گھنٹوں رو دھو کر واپس آجاتیں، ایک سال اسی طرح روتے چلاتے گزر گیا، آخر ان کے چچیرے بھائی کو رحم آیا اور ہر دو قبائل سے کہہ سن کر ام سلمہؓ کو اجازت دلا دی کہ اپنے شوہر کے پاس چلی جائیں، بچہ بھی ان کو واپس دے دیا گیا، ام سلمہؓ ایک اونٹ پر سوار ہو کر مدینہ کو تین تہا چل دیں۔



حضرت عبداللہ بن جحش کا قبول اسلام

حضرت عبداللہ بن جحش کی والدہ امیمہ عبدالمطلب کی صاحبزادی اور آنحضرت ﷺ کی پھوپھی تھیں اس لحاظ سے وہ آپ ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔

حضرت عبداللہ بن جحش نے ابتدا ہی میں داعی اسلام کو لبیک کہا تھا، اس وقت تک آنحضرت ﷺ ابی ارقم بن ابی الارقم کے مکان میں پناہ گزیں نہیں ہوئے تھے، قریش مکہ کے دستِ ظلم سے یہ خاندان بھی محفوظ نہ تھا، انہوں نے دو دفعہ سرزمین حبش کی طرف ہجرت فرمائی، آخر سفر میں تمام خاندان یعنی دو بھائی ابواحمہ، عبید اللہ، اور تین بہنیں، زینب، ام حبیبہ، حمنہ، نیز عبید اللہ کی بیوی ام حبیبہ بنت ابی سفیان ساتھ تھیں، عبید اللہ نے حبش میں نصرانیت اختیار کر لی اور وہیں پیوند خاک ہوا، حضرت عبداللہ بن جحش اپنے بقیہ خاندان کو پھر مکہ واپس لائے، اور یہاں سے اپنے قبیلہ کے تمام ممبروں کو جو سب کے سب دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے تھے، ساتھ لے کر مدینہ پہنچے، انہوں نے اپنے رشتہ داروں سے اس طرح مکہ خالی کر دیا تھا کہ محلہ کا محلہ بے رونق ہو گیا اور بہت سے مکانات مقفل ہو گئے۔



حضرت ابو حذیفہؓ کا قبول اسلام

حضرت ابو حذیفہؓ کے والد عتبہ ان ذی اثر رؤسائے قریش میں تھے جنہوں نے اسلام کی مخالفت میں اپنی پوری طاقت صرف کر دی تھی، لیکن ارادۂ خداوندی میں کون مانع ہو سکتا ہے؟ خود عتبہ کے لخت جگر حضرت ابو حذیفہؓ نے اس وقت داعی اسلام کو لبیک کہا جب کہ بظاہر اس دعوت کے کامیاب ہونے کی کوئی صورت نہ تھی، اور فرزانہ تو حید کی ایک نہایت مختصر جماعت کسم پرسی کے ساتھ اسیر پنجہ ظلم و جفا تھی، آنحضرت ﷺ اس وقت تک ارقم بن ابی الارقم کے مکان میں پناہ گزیں نہیں ہوئے تھے۔

حضرت ابو حذیفہؓ ثمر زین حبش کی دونوں بھرتوں میں شریک تھے، ان کی بیوی حضرت سہلہ بھی رفیق سفر تھیں، حبش سے مکہ واپس آئے، یہاں ہجرت مدینہ کی تیاریاں ہو رہی تھیں اس پر اپنے غلام حضرت سالمؓ کو ساتھ لے کر مدینے پہنچے۔

غزوہ بدر میں عجیب عسرت انگیز منظر تھا، جب کہ ایک طرف سے ان کے والد اور دوسری طرف سے یہ دکھائی دے رہے تھے، حقانیت کے جوش نے خویش و بیگانہ کی تمیز اٹھادی تھی انہوں نے اپنے والد کو مقابلہ کے لیے لکارا، اس پر ان کی بہن ہند بنت عتبہ نے ان کو ملامت کی، معرکہ بدر میں عتبہ بن ربیعہ اور اکثر رؤسائے قریش تہ تیغ ہوئے اور ایک غار میں ڈال دیئے گئے تھے، آنحضرت ﷺ نے فرداً فرداً نام لیکر فرمایا: ”اے عتبہ! اے شیبہ! اے امیہ بن خلف! اے ابو جہل! کیا تم نے وعدۂ الہی کو حق پایا؟ مجھ سے تو جو کچھ وعدہ ہوا تھا وہ سچ ثابت ہوا“، اس وقت حضرت ابو حذیفہؓ کا چہرہ نہایت ادا اس تھا، آپ ﷺ نے غمگین دیکھ کر پوچھا: ”اے ابو حذیفہؓ! شاید تم کو

اپنے باپ کا کچھ افسوس ہے، عرض کی: ”خدا کی قسم نہیں، مجھے اس کے مقتول ہونے کا صدمہ نہیں ہے لیکن میرا خیال تھا کہ وہ ایک ذی عقل، پختہ کار و صاحب رائے شخص تھا، اس بنا پر امید تھی کہ وہ دولت ایمان سے متمتع ہوگا، لیکن جب کہ حضور ﷺ نے حالت کفر پر اس کے مرنے کا یقین دلا دیا تو مجھے اپنے غلط توقع پر افسوس ہوا۔“



حضرت ابو ہریرہؓ کا قبول اسلام

حضرت ابو ہریرہؓ کا اصل خاندانی نام عبد شمس تھا، اسلام کے بعد آنحضرت ﷺ نے عمیر نام رکھا، وہ اپنی کنیت کی وجہ خود بیان کرتے ہیں کہ ”میں ایک ”ہرہ“ بلی پالے تھا، شب میں اس کو ایک درخت پر رکھتا تھا، اور صبح کو جب بکریاں چرانے جاتا تو ساتھ لے لیتا اور اس کے ساتھ کھیلتا، لوگوں نے یہ غیر معمولی دلچسپی دیکھ کر مجھ کو ابو ہریرہ کہنا شروع کیا“ اور بعد میں یہ کنیت اتنی مشہور ہوئی کہ ان کے نام پر غالب آگئی، رسول اللہ ﷺ بسا اوقات ان کو پیار سے ”ابو ہر“ کہہ کر بلا تے، اسی لیے وہ خود بھی ”ابو ہر“ کو ”ابو ہریرہ“ پر ترجیح دیتے اور کہتے کہ میرے محبوب ﷺ مجھے اسی نام سے پکارتے تھے۔

بچپن میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا، اس لیے فقر و افلاس بچپن کے ساتھی بن گئے تھے، بسرہ بنت غزو ان کے پاس محض روٹی کپڑے پر ملازم تھے اور خدمت یہ سپرد تھی کہ جب وہ کہیں جانے لگتیں تو یہ ننگے پاؤں دوڑتے ہوئے اس کی سواری کے ساتھ چلیں اتفاق سے بعد میں یہی عورت ان کے نکاح میں آگئی۔

ابو ہریرہؓ کے ایک ہم قبیلہ طفیل بن عمرو دوسی ہجرت عظمیٰ سے قبل ہی مکہ میں قرآن کے معجزانہ سحر سے مسحور ہو چکے تھے اور قبول اسلام کے بعد اس کی تبلیغ کے لیے یمن لوٹ آئے ان ہی کی کوششوں سے دوس میں اسلام پھیلا اور غزوہ خیبر کے زمانہ میں یہ یمن کے اسی خانوادوں کو لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت بابرکت میں مدینہ حاضر ہوئے، لیکن آپ ﷺ اس وقت خیبر میں تشریف رکھتے تھے، اس لیے یہ لوگ مدینہ سے خیبر پہنچے، اسی قبیلہ کے ساتھ ابو ہریرہ بھی تھے، خیبر پہنچ کر آنحضرت ﷺ کے دست مبارک پر مشرف بہ اسلام ہوئے، بیعت اسلام کے بعد دامن نبوی سے ایسے وابستہ ہوئے کہ مرتے دم تک ساتھ نہ چھوڑا۔

حضرت ابو ذر غفاریؓ کا قبول اسلام

حضرت ابو ذر غفاریؓ ظہورِ اسلام سے پہلے جب سارا عرب ضلالت میں مبتلا تھا خدا کی پرستش کرتے تھے، ابو معشر راوی ہیں کہ ابو ذرؓ جاہلیت ہی سے موحد تھے، خدا کے سوا کسی کو معبود نہ سمجھتے تھے اور بتوں کی پوجا نہیں کرتے تھے، ان کی خدا پرستی عام طور پر لوگوں میں مشہور تھی، چنانچہ جس شخص نے ان کو سب سے پہلے آنحضرت ﷺ کے ظہور کی اطلاع دی، اس کے الفاظ یہ تھے کہ ”ابو ذر مکہ میں تمہاری طرح ایک شخص لا الہ الا اللہ کہتا ہے“، ابو ذر کی خدا پرستی صرف اعترافِ توحید تک محدود نہ تھی بلکہ جس طرح بن پڑتا تھا نماز بھی پڑھتے تھے، وہ خود کہتے تھے کہ ”میں آنحضرت ﷺ سے ملنے کے تین سال قبل سے نماز پڑھتا تھا“ لوگوں نے پوچھا: ”کس کی نماز پڑھتے تھے؟“ کہا: ”خدا کی“، پھر پوچھا: ”کس طرف رخ کرتے تھے؟“ جواب دیا: ”جس طرف خدا پھیر دیتا تھا“۔ اینماتولوا فثم وجه اللہ

چونکہ ابو ذرؓ جاہلیت ہی سے راہِ حق کے متلاشی تھے، اس لیے حق کی پکار سنتے ہی لبیک کہا اور اس وقت دعوتِ حق کا جواب دیا جب چار آدمیوں کے سوا ساری دنیا کی زبانیں اس اعلانِ حق سے خاموش تھیں، اس اعتبار سے اسلام لانے والوں میں ان کا پانچواں نمبر ہے، ان کے اسلام کا واقعہ خاص اہمیت رکھتا ہے، یہ دلچسپ داستان خود ان کی زبان سے مروی ہے، ان کا بیان ہے کہ:

جب میں قبیلہ غفار میں تھا تو مجھ کو معلوم ہوا کہ مکہ میں کسی شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے، میں نے اپنے بھائی کو واقعہ کی تحقیق کے لیے بھیجا، وہ واپس آئے تو میں نے

پوچھا: ”کہو کیا خبر لائے؟“ انہوں نے کہا: ”خدا کی قسم یہ شخص نیکیوں کی تعلیم دیتا ہے اور برائیوں سے روکتا ہے، اس قدر مجمل بیان سے میری تشفی نہیں ہوئی، اس لیے میں خود سفر کا مختصر سامان لے کر مکہ چل کھڑا ہوا، وہاں پہنچا تو یہ وقت پیش آئی کہ میں رسول اللہ ﷺ کو پہچانتا نہ تھا اور کسی سے پوچھنا بھی مصلحت نہ تھی، اس لیے خانہ کعبہ میں جا کر ٹھہر گیا اور زم زم کے پانی پر بسر کرنے لگا، اتفاق سے ایک دن علیؑ گزرے، انہوں نے پوچھا: ”تم مسافر معلوم ہوتے ہو؟“ میں نے کہا: ”ہاں“، وہ مجھ کو اپنے گھر لے گئے، لیکن مجھ سے ان کی کوئی گفتگو نہیں ہوئی، صبح اٹھ کر میں پھر کعبہ گیا کہ لوگوں سے اپنے مقصود کا پتہ دریافت کروں کیونکہ ابھی تک آنحضرت ﷺ کے حالات سے بے خبر تھا، اتفاق سے پھر علیؑ گزرے اور پوچھا کہ ”اب تک تم کو اپنا ٹھکانہ نہیں معلوم ہوا؟“ میں نے کہا: ”نہیں“، وہ پھر دوبارہ مجھ کو اپنے ساتھ لے چلے، اس مرتبہ انہوں نے پوچھا: ”کیسے آنا ہوا؟“ میں نے کہا: ”اگر آپ اس کو راز میں رکھیں تو عرض کر دوں“، فرمایا: ”مطمئن رہو“، میں نے کہا: ”میں نے سنا تھا کہ یہاں کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے، پہلے اس خبر کی تصدیق اور اس شخص کے حالات دریافت کرنے کے لیے میں نے اپنے بھائی کو بھیجا مگر وہ کوئی تشفی بخش خبر نہ لایا، اس لیے اب میں خود اس سے ملنے آیا ہوں“، حضرت علیؑ نے فرمایا: ”تم نے نیکی کا راستہ پایا، سیدھے میرے ساتھ چلے آؤ جس مکان میں میں جاؤں تم بھی میرے ساتھ چلے آنا، راستہ میں اگر کوئی خطرہ پیش آئے گا، تو میں جو تادرت کرنے کے بہانے سے دیوار کی طرف ہٹ جاؤں گا اور تم بڑھے چلے جانا“، چنانچہ میں حسب ہدایت ان کے ساتھ ہولیا اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا: ”السلام علیک یا رسول اللہ“ رسول اللہ ﷺ نے ان کے سلام کا جواب دیا، اس طرح ابو ذر پہلے شخص تھے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو اسلامی طریقہ پر سلام کیا اور بعد میں سلام و تحیہ کا یہی طریقہ مسلم معاشرہ میں عام ہو گیا، پھر عرض کیا: ”یا رسول اللہ ﷺ! میرے سامنے اسلام پیش کیجئے“، آپ

صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام پیش کیا اور میں اسلام کے عقیدت مندوں میں شامل ہو گیا، قبول اسلام کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ابو ذر! ابھی تم اس کو پوشیدہ رکھو اور اپنے گھر لوٹ جاؤ، میرے ظہور کے بعد واپس آنا“، میں نے قسم کھا کر کہا کہ ”میں اسلام کو چھپا نہیں سکتا، ابھی لوگوں کے سامنے پکار کر اعلان کروں گا“، یہ کہہ کر مسجد میں آیا، یہاں قریش کا مجمع تھا، میں نے سب کو مخاطب کر کے کہا کہ ”قریشیو! میں شہادت دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اس کے بندہ اور رسول ہیں“، یہ سن کر ان لوگوں نے لکارا کہ اس بے دین کو مارو، اس آواز کے ساتھ ہی چاروں طرف سے لوگ مجھ پر ٹوٹ پڑے اور مارتے مارتے بے دم کر دیا، یہ دردناک منظر دیکھ کر حضرت عباس سے ضبط نہ ہو سکا، وہ مجھ کو بچانے کے لیے میرے اوپر گر پڑے اور ان لوگوں سے کہا کہ ”تم لوگ ایک غفاری کی جان لینا چاہتے ہو حالانکہ یہ قبیلہ تمہاری تجارت کا گزر گاہ ہے“، یہ سن کر سب ہٹ گئے، لیکن اسلام کا وہ نشہ نہ تھا جس کا خمار قریش کے غیظ و غضب کی ترشی سے اتر جاتا، دوسرے دن پھر اس حق گو کی زبان پر اسلام کا نعرہ تھا، اور پھر وہی مسجد تھی، وہی سرداران قریش کا مجمع تھا اور وہی ان کی ستم آرائی تھی۔

کچھ دن مکہ میں قیام کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ان کے گھر واپس کر دیا، اور فرمایا کہ ”میں عنقریب مدینہ ہجرت کرنے والا ہوں، اس لیے بہتر ہے کہ تم اپنی قوم میں جا کر اسلام کی تبلیغ کرو شاید خدا ان کو فائدہ بخشے اور صلہ میں تمہیں بھی اجر ملے“، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسب ارشاد روانگی کی تیاری شروع کر دی اور وطن کا سفر کرنے کے قبل اپنے بھائی انیس سے ملے، انہوں نے پوچھا: ”کیا کر کے آئے ہو؟“ جواب دیا: ”اعتراف صداقت کر کے اسلام کا حلقہ بگوش ہو گیا ہوں“، یہ سن کر وہ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے، یہاں سے دونوں تیسرے بھائی امنا کے پاس پہنچے، وہ بھی مشرف بہ اسلام ہوئے، اس کے بعد تینوں وطن پہنچے اور دعوت حق میں اپنا وقت صرف کرنے لگے، آدھا قبیلہ تو اسی وقت مسلمان ہو گیا اور آدھا ہجرت کے بعد مسلمان ہوا۔

حضرت سلمان فارسی کا قبول اسلام

حضرت سلمان فارسیؓ اسلام سے قبل مجوسی تھے اور مجوسی نام ماہہ تھا، اسلام کے بعد سلمان رکھا گیا اور بارگاہ نبوت سے سلمانؓ الخیر لقب ملا۔

آپ کے والد اصفہان کے ”جی“ نامی گاؤں کے باشندہ اور وہاں کے زمیندار و کاشتکار تھے، ان کو حضرت سلمانؓ سے اس قدر محبت تھی کہ ان کو لڑکیوں کی طرح گھر کی چار دیواری سے نکلنے نہ دیتے تھے، آتش کدہ کی دیکھ بھال انہی کے متعلق کر رکھی تھی، چونکہ مذہبی جذبہ ان میں ابتدا سے تھا، اس لیے جب تک آتش پرست رہے اس وقت تک آتش پرستی میں سخت غلورہا اور نہایت سخت مجاہدات کئے، شب و روز آگ کی نگرانی میں مشغول رہتے تھے، حتیٰ کہ ان کا شمار ان پجار یوں میں ہو گیا تھا جو کسی وقت آگ کو بجھنے نہیں دیتے تھے۔

ان کے والد کا ذریعہ معاش زمین تھی، اس لیے زراعت کی نگرانی وہ بذات خود کرتے تھے، ایک دن وہ گھر کی مرمت میں مشغولیت کی وجہ سے کھیت خود نہ جاسکے اور اس کی دیکھ بھال کے لیے سلمانؓ کو بھیج دیا، ان کو راستہ میں ایک گر جا ملا، اس وقت اس میں عبادت ہو رہی تھی، نماز کی آواز سن کر دیکھنے کے لیے گرجے میں چلے گئے نماز کے نظارے سے ان کے دل پر خاص اثر ہوا اور مزید حالات کی جستجو ہوئی اور عیسائیوں کا طریقہ عبادت اس قدر بھایا کہ بے ساختہ زبان سے نکل گیا کہ ”یہ مذہب ہمارے مذہب سے بہتر ہے“، چنانچہ کھیتوں کا خیال چھوڑ کر اسی میں محو ہو گئے، عبادت ختم ہونے کے بعد عیسائیوں سے پوچھا کہ ”اس مذہب کا سرچشمہ کہاں ہے؟“ انہوں نے

کہا کہ ”ملک شام میں“، پتہ پوچھ کر گھر واپس آئے باپ نے پوچھا: ”اب تک کہاں رہے؟“ جواب دیا: ”کچھ لوگ گرجے میں عبادت کر رہے تھے مجھ کو ان کا طریقہ ایسا بھلا معلوم ہوا کہ غروب آفتاب تک وہیں رہا“، باپ نے کہا: ”وہ مذہب تمہارے مذہب کا پاسنگ بھی نہیں ہے“، جواب دیا: ”بخدا وہ مذہب ہمارے مذہب سے کہیں برتر ہے“، اس جواب سے ان کے باپ کو خطرہ پیدا ہو گیا کہ کہیں یہ خیال تبدیل مذہب کی صورت میں نہ ظاہر ہو، اس لیے بیڑیاں پہنا کر مقید کر دیا، مگر ان کے دل میں تلاش حق کی تڑپ تھی اس لیے عیسائیوں کے پاس کہلا بھیجا کہ جب ملک شام کے تاجر آئیں تو مجھ کو اطلاع دینا، چنانچہ جب وہ آئے تو ان کو خبر کر دی، انہوں نے کہا: ”جب واپس ہوں تو مجھ کو بتانا“، چنانچہ جب کاروان تجارت لوٹنے لگا تو ان کو خبر کی گئی، یہ بیڑیوں کی قید سے نکل کر ان کے ساتھ ہو گئے، شام پہنچ کر دریافت کیا کہ ”یہاں سب سے بڑا مذہبی شخص کون ہے؟“ لوگوں نے بشب (پادری) کا پتہ دیا، اس سے جا کر کہا: ”مجھ کو تمہارا مذہب بہت پسند ہے اس لیے میں چاہتا ہوں کہ تمہارے پاس رہ کر مذہبی تعلیم حاصل کروں اور مجھ کو اس مذہب میں داخل کر لو۔“

چنانچہ مجوسیت کے آتش کدہ سے نکل کر ”آسمانی بادشاہت“ کی پناہ میں آ گئے، مگر یہ پادری بڑا بد اعمال اور بد اخلاق تھا، لوگوں کو صدقہ کرنے کی تلقین کرتا، جب وہ دیتے تو اس کو فقراء و مساکین میں تقسیم کرنے کے بجائے خود لے لیتا، اس طریقہ سے اس کے پاس سونے اور چاندی کے سات مٹکے جمع ہو گئے، حضرت سلمان اس کی حرص کو دیکھ دیکھ کر بیچ و تاب کھاتے تھے، مگر زبان سے کچھ نہ کہہ سکتے تھے، اتفاق سے وہ مر گیا، عیسائی شان و شوکت کے ساتھ اس کی تجہیز و تکفین کرنے کے لیے جمع ہو گئے، اس وقت انہوں نے اس کا سارا اعمال نامہ ان لوگوں کے سامنے کھول کر رکھ دیا، لوگوں نے پوچھا: ”تم کو کیسے معلوم ہوا؟“ انہوں نے ان کو لے جا کر اس خزانہ کے پاس کھڑا کر دیا، تلاشی لی گئی تو واقعی سات مٹکے سونے چاندی سے بھرے ہوئے

برآمد ہوئے، عیسائیوں نے اس کی سزا میں نعرش دفن کرنے کے بجائے صلیب پر لٹکا کر سنگسار کر دیا، اس کی جگہ دوسرا پادری مقرر ہوا، یہ بڑا عابد و زاہد اور تارک الدنیا تھا، شب و روز عبادت الہی میں مشغول رہتا، اس لیے حضرت سلمانؓ اس سے بہت زیادہ مانوس ہو گئے اور ولی محبت کرنے لگے اور آخر تک اس کی صحبت سے فیض یاب ہوتے رہے، جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو اس سے کہا: ”میں آپ کے پاس عرصہ تک نہایت لطف و محبت کے ساتھ رہا، اب آپ کا وقت آخر ہے اس لیے آئندہ کے لیے مجھ کو کیا ہدایت ہوتی ہے؟“ اس نے کہا: ”میرے علم میں کوئی ایسا عیسائی نہیں ہے جو مذہب عیسوی کا سچا پیرو ہو، سچے لوگ مر کھپ گئے اور موجودہ عیسائیوں نے مذہب کو بہت کچھ بدل دیا ہے اور بہتیرے اصول تو سرے سے چھوڑ ہی دیئے ہیں، ہاں موصل میں فلاں شخص دین حق کا سچا پیرو ہے، تم جا کر اس سے ملاقات کرو۔“

چنانچہ اس پادری کی موت کے بعد حق کی جستجو میں وہ موصل پہنچے اور تلاش کر کے اس سے ملے اور پورا واقعہ بیان کیا کہ ”فلاں پادری نے مجھ کو ہدایت کی تھی کہ آپ کے یہاں ابھی تک حق کا سرچشمہ ابلتا ہے اور میں آپ سے مل کر تشنگی بجھاؤں،“ اس نے ان کو ٹھہرا لیا، پہلے پادری کے بیان کے مطابق یہ پادری درحقیقت بڑا متقی اور پاکباز تھا، اس لیے حضرت سلمانؓ نے آئندہ کے متعلق اس سے بھی وصیت کی خواہش کی، اس نے نصیبین میں ایک شخص کا پتہ بتایا۔

چنانچہ اس کی موت کے بعد وہ نصیبین پہنچے اور پادری سے مل کر دوسرے پادری کی وصیت بتائی یہ پادری بھی پہلے دونوں پادریوں کی طرح بڑا عابد و زاہد تھا، حضرت سلمانؓ یہاں مقیم ہو کر اس سے روحانی تسکین حاصل کرنے لگے، ابھی کچھ ہی دن اس کی صحبت سے فائدہ اٹھایا تھا کہ اس کا وقت بھی آپہنچا، حضرت سلمانؓ نے گزشتہ پادریوں کی طرح اس سے بھی آئندہ کے متعلق مشورہ طلب کیا، اس نے عموریہ میں گوہر مقصود کا پتہ بتایا۔

چنانچہ اس کی موت کے بعد انہوں نے عموریہ کا سفر کیا اور وہاں کے پادری سے مل

کر پیام سنایا اور اس کے پاس مقیم ہو گئے، کچھ بکریاں خرید لیں، ان سے مادی غذا حاصل کرتے تھے اور صبر و شکر کے ساتھ روحانی غذا پادری سے حاصل کرنے لگے، جب اس کا پیمانہ حیات بھی لبریز ہو گیا، تو حضرت سلمان نے اس کو اپنی پوری سرگزشت سنائی کہ اتنے مراتب طے کرتا ہوا آپ کے پاس پہنچا تھا، آپ بھی آخرت کا سفر کرنے کو آمادہ ہیں، اس لیے میرا کوئی سامان کرتے جاچے، اس نے کہا: ”بیٹا! میں تمہارے لیے کیا سامان کروں؟ آج دنیا میں کوئی شخص ایسا باقی نہیں ہے، جس سے ملنے کا تم کو مشورہ دوں، البتہ اب اس نبی ﷺ کے ظہور کا زمانہ قریب ہے، جو ریگستان عرب سے اٹھ کر دین ابراہیم کو زندہ کرے گا اور کھجوروں والی زمین کی طرف ہجرت کرے گا، اس کی علامات یہ ہیں کہ وہ ہدیہ قبول کرے گا اور صدقہ اپنے لیے حرام سمجھے گا، اس کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت ہوگی، اگر تم اس سے مل سکو تو ضرور ملنا“۔

اس پادری کے مرنے کے بعد حضرت سلمانؓ عرصہ تک عمور یہ میں رہے، کچھ دنوں کے بعد بنو کلب کے تاجر ادھر سے گذرے، حضرت سلمانؓ نے ان سے کہا کہ ”اگر تم مجھ کو عرب پہنچا دو تو میں اپنی گائیں اور بکریاں تمہاری نذر کر دوں گا“، وہ لوگ تیار ہو گئے، اور زبان حال سے یہ شعر۔

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر ایک راہرو کے ساتھ

پچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

پڑھتے ہوئے ساتھ ہو لیے۔

لیکن ان عربوں نے وادی القرئی میں پہنچ کر دھوکا دیا اور ان کو ایک یہودی کے ہاتھ غلام بنا کر فروخت کر ڈالا مگر یہاں کھجور کے درخت نظر آئے، جس سے تو اس بندھی کہ شاید یہی وہ منزل مقصود ہو، جس کا پادری نے پتہ دیا تھا، تھوڑے دن ہی قیام کیا تھا کہ یہ امید بھی منقطع ہو گئی، آقا کا چچا زاد بھائی مدینہ سے ملنے آیا، اس نے حضرت سلمانؓ کو اس کے ہاتھ بچ دیا، وہ ان کو اپنے ساتھ مدینہ لے چلا اور سلمانؓ غلامی درغلامی

سہتے ہوئے مدینہ پہنچے، ہاتھ غیب تسکین دے رہا تھا کہ یہ غلامی نہیں ہے۔

اسی سے ہوگی ترے غم کدہ کی آبادی

تری غلامی کے صدقے ہزار آزادی

درحقیقت اس غلامی پر جو کسی کی آستان ناز تک پہنچانے کا ذریعہ بن جائے ہزاروں آزادیاں قربان ہیں، جوں جوں محبوب کی منزل قریب ہوتی جاتی تھی کشش بڑھتی چلی جاتی تھی اور آثار و علامات بتاتے تھے کہ شاید مقصود کی جلوہ گاہ یہی ہے، اب ان کو پورا یقین ہو گیا اور دیدار جمال کی آرزو میں یہاں دن کاٹنے لگے۔

اس وقت آفتاب رسالت مکہ پر پرتو افکن ہو چکا تھا، لیکن جو روستم کے بادلوں میں چھپا تھا، سلمانؓ کو آقا کی خدمت سے اتنا موقع نہ ملتا تھا کہ خود اس کا پتہ لگاتے آخر انتظار کرتے کرتے وہ یوم مسعود بھی آ گیا کہ مکہ کا آفتاب عالمتاب مدینہ کے افق پر طلوع ہوا، حرمان نصیب سلمانؓ کی شب ہجر تمام ہوئی اور صبح امید کا اجالا پھیلا، یعنی سرور عالم ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے، سلمانؓ کھجور کے درخت پر چڑھے کچھ درست کر رہے تھے، آقاؐ نیچے بیٹھا ہوا تھا کہ اس کو چچا زاد بھائی نے آ کر کہا: ”خدا بنی قیلہ کو غارت کرے سب کے سب قبائیں ایک شخص کے پاس جمع ہیں جو مکہ سے آیا ہے، یہ لوگ اس کو نبی سمجھتے ہیں“، سلمانؓ کے کانوں تک اس خبر کا پہنچنا تھا کہ یارائے ضبط نہ رہا، صبر کا دامن چھوٹ گیا، بدن میں سنسناہٹ پیدا ہو گئی اور قریب تھا کہ کھجور کے درخت پر سے فرش زمین پر آ جائیں، اسی مدہوشی میں جلد از جلد درخت سے نیچے اترے اور بدحواسی میں بے تحاشا پوچھنے لگے ”تم کیا کہتے ہو؟“ آقاؐ نے اس سوال پر گھونٹہ مار کر ڈانٹا کہ ”تم کو اس سے کیا غرض؟ تم اپنا کام کرو“، اس وقت سلمانؓ خاموش ہو گئے۔

لیکن اب صبر کسے تھا، کھانے کی چیزیں پاس تھیں، ان کو لے کر دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ”میں نے سنا ہے کہ آپ ﷺ خدا کے برگزیدہ بندہ ہیں اور کچھ غریب الدیار اور اہل حاجت آپ ﷺ کے ساتھ ہیں، میرے پاس چیزیں

صدقہ کے لیے رکھی تھیں، آپ لوگوں سے زیادہ اس کا کون مستحق ہو سکتا ہے اس کو قبول فرمائیے، آنحضرت ﷺ نے دوسرے لوگوں کو کھانے کا حکم دیا مگر خود نوش نہ فرمایا، اس طریقہ سے سلمان کو نبوت کی ایک علامت کا مشاہدہ ہو گیا کہ وہ صدقہ نہیں قبول کرتا، دوسرے دن پھر ہدیہ لے کر حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ”کل آپ ﷺ نے صدقہ کی چیزیں نہیں نوش فرمائی تھیں، آج یہ ہدیہ قبول فرمائیے، آپ ﷺ نے قبول کیا، خود بھی نوش فرمایا اور دوسروں کو بھی دیا۔

تیسری بار جب وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ بقیع میں تشریف فرما تھے، وہاں آپ اپنے کسی صحابی کی تدفین میں شریک تھے، انہوں نے آپ ﷺ کو پیٹھے ہوئے دیکھا، اس وقت آپ ﷺ کے جسم پر دو چادریں تھیں، انہوں نے قریب پہنچ کر سلام کیا اور گھوم کر پشت کی جانب آگئے کہ شاید وہ خاتم نبوت دیکھ سکیں جس کو عمور یہ میں ان کے مرشد نے بتایا تھا، جب نبی ﷺ نے انہیں اپنی پشت مبارک کی طرف نظر اٹھائے ہوئے دیکھا تو آپ ﷺ مقصد سمجھ گئے اور پشت پر سے چادر سر کا دی، اس طریقہ سے دوسری نشانی یعنی مہر نبوت کی بھی زیارت کر لی اور باچشم پر نم آپ ﷺ کی طرف بوسہ دینے کو جھکے اور اسے بے ساختہ چومنے لگے اس وقت ان کی آنکھوں سے مسرت کے آنسو جاری تھے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”سامنے آؤ، سلمانؓ نے سامنے آ کر ساری سرگزشت سنا لی، آنحضرت ﷺ کو یہ دلچسپ داستان اتنی پسند آئی کہ اپنے تمام اصحاب کو سنوائی، حضرت سلمانؓ اتنے مرحلوں کے بعد دین حق سے ہم آغوش ہوئے۔



حضرت عمرو بن العاص کا قبول اسلام

عمرو بن العاصؓ کا خاندان ”بنو سہم“ زمانہ جاہلیت سے معزز چلا آتا تھا، قریش کے سیاسی نظام میں مقدمات کا عہدہ اسی خاندان میں تھا، عمرو بن العاصؓ جب تک اسلام نہیں لائے تھے، اسلام کی دشمنی اور مسلمانوں کی ایذا رسانی میں قریش کے سرداروں کی طرح یہ بھی پیش پیش تھے، چنانچہ مسلمانوں کا پہلا قافلہ جب ہجرت کر کے حبشہ گیا تو قریش کا جو وفد ان لوگوں کو حبشہ سے نکلوانے کے لیے نجاشی کے پاس گیا تھا، اس کے سب سے سرگرم رکن عمرو بن العاصؓ ہی تھے، چنانچہ حبشہ پہنچ کر مسلمانوں کے اخراج میں ہر قسم کی کوششیں کیں، پہلے پادریوں سے مل کر ان کو مسلمانوں کے خلاف ابھارا کہ یہ لوگ بھی مسلمانوں کے نکالنے میں وفد قریش کی تائید کریں، اس کے بعد شاہ حبش کی خدمت میں ہدایا پیش کر کے ساری امکانات کوششیں صرف کیں کہ وہ کسی طرح مسلمانوں کو پناہ نہ دے، لیکن ان کی تمام کوششیں ناکام رہیں۔

غزوہ خندق جس میں سارا عرب مسلمانوں کے خلاف امنڈ آیا تھا، عمرو بن العاصؓ مشرکین کے ساتھ تھے اور مسلمانوں کی بیخ کنی میں پورا زور صرف کر رہے تھے۔ عمرو بن العاصؓ اگرچہ اسلام اور پیغمبر اسلام کے سخت ترین دشمن تھے، لیکن غزوہ خندق کے بعد سے وہ اسلام سے متاثر ہونے لگے، وہ اکثر دنیا اور اس کے انجام اور اسلام کی تعلیمات پر غور کیا کرتے تھے، ان کا بیان ہے کہ اس غور و فکر سے اسلام کی حقیقت مجھ پر ظاہر ہونے لگی اور اس سے میرا دل متاثر ہونے لگا اور میں نے مسلمانوں کی مخالفت سے رفتہ رفتہ کنارہ کشی اختیار کرنا شروع کی، قریش نے اس کو

محسوس کیا اور اس کی حقیقت دریافت کرنے کے لیے ایک شخص کو بھیجا، اس نے مجھ سے بحث کرنا شروع کی، میں نے اس سے کہا: ”بتاؤ ہم حق پر ہیں یا فارس و روم والے؟“ اس نے کہا: ”ہم ہیں“، پھر میں نے پوچھا کہ ”ان کو عیش و تنعم میسر ہے یا ہم کو؟“ اس نے کہا: ”ان کو“، میں نے کہا: ”اگر اس عالم کے بعد دوسرا عالم نہیں ہے تو ہماری حق پرستی کس کام آئے گی، جب کہ ہم دنیا میں بھی باطل پرستوں کے مقابلہ میں تنگ حال رہے اور دوسرے عالم میں بھی بدلہ کی کوئی امید نہ ہو، اس لیے محمد ﷺ کی یہ تعلیم کہ مرنے کے بعد ایک دوسرا عالم ہوگا جہاں ہر شخص کو اس کے اعمال کے مطابق جزا و سزا ملے گی کس قدر صحیح اور دلنشین ہے، غزوہ خندق کے بعد ان کو آنحضرت ﷺ کی کامیابی کا پورا یقین ہو گیا تھا اور یہی یقین ان کے اسلام لانے کا ذریعہ بنا، اس کی تفصیل مسند احمد میں خود ان کی زبانی مذکور ہے۔

ان کا بیان ہے کہ جب ہم لوگ غزوہ احزاب (خندق) سے واپس ہوئے تو میں نے قریش کے ان اشخاص کو جو مجھے مانتے تھے اور میری بات سنتے تھے، جمع کر کے کہا: ”خدا کی قسم! تم لوگ یقین جان لو کہ محمد ﷺ کی بات تمام باتوں پر سر بلند ہوگی، اس میں کسی انکار کی گنجائش نہیں، میری ایک رائے ہے، تم اس کو کیسی سمجھتے ہو، لوگوں نے پوچھا: ”کیا رائے ہے؟“ انہوں نے کہا: ”ہم لوگ نجاشی کے پاس چل کر قیام کریں، اگر محمد ﷺ ہماری قوم پر غالب آگئے تو ہم لوگ نجاشی کے پاس ٹھہر جائیں گے، کیونکہ نجاشی کی ماتحتی میں رہنا محمد ﷺ کی ماتحتی سے کہیں زیادہ پسندیدہ ہے، اور اگر ہماری قوم محمد ﷺ پر غالب ہوئی تو ہم ممتاز لوگ ہیں، ہمارے ساتھ ان کا عمل بہتر ہی ہوگا“، اس رائے پر سب نے اتفاق کیا، میں نے کہا پھر اس کو تحفہ دینے کے لیے کوئی چیز مہیا کرو، نجاشی کے لیے ہمارے یہاں کا سب سے بہتر تحفہ چمڑہ تھا، چنانچہ بہت سا چمڑہ لے کر ہم لوگ حبشہ پہنچے، ہم لوگ نجاشی کے دربار میں جا رہے تھے کہ عمرو بن امیہ ضمریؓ بھی پہنچ گئے، ان کو رسول اللہ ﷺ نے جعفرؓ اور ان کے ساتھیوں کی کسی

ضرورت سے نجاشی کے پاس بھیجا تھا، جب وہ آکر چلے گئے تو میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ”ہم نجاشی سے درخواست کریں کہ وہ عمرو بن امیہ ضمیرؓ کو ہمارے حوالہ کر دے، اگر وہ دے دے تو اس کی گردن ماریں تاکہ قریش کو معلوم ہو جائے کہ ہم نے محمد ﷺ کے سفیر کا سر قلم کر کے ان کا بدلہ لے لیا“، یہ کہہ کر میں نجاشی کے دربار میں گیا اور حسب معمول سجدہ کیا، اس نے خوش آمدید کہا اور پوچھا: ”میرے لیے اپنے ملک کا کوئی تحفہ لائے؟“ میں نے عرض کیا: ”حضور! بہت سا چمڑہ تحفہ میں لایا ہوں“، اور جو چمڑہ لے گیا تھا اس کو تحفہ میں پیش کر دیا، اس نے بہت پسند کیا، پھر میں نے عرض کی: ”عالی جاہ! ابھی میں نے ایک آدمی حضور کے پاس سے نکلتے دیکھا ہے یہ ہمارے دشمن کا بھیجا ہوا ہے، حضور قتل کرنے کے لیے اس کو ہمارے حوالہ کر دیں، اس نے ہمارے شرفاء اور معززین کو تکلیفیں پہنچائی ہیں“، نجاشی یہ درخواست سن کر بہت غضبناک ہوا اور اپنا ہاتھ کھینچ کر اس نے زور سے اپنی ناک پر مارا کہ میں سمجھا کہ ٹوٹ جائے گی، اس کی اس حرکت سے میں اس قدر نادام و شرمسار ہوا کہ اگر زمین شق ہوتی تو میں اس میں سما جاتا، پھر میں نے عرض کی: ”شاہا! اگر میں سمجھتا کہ حضور کو یہ درخواست ناگوار ہوگی تو میں نہ کرتا“، وہ بولا تم چاہتے ہو کہ ”میں ایسے شخص کا قاصد جس کے پاس ناموس اکبر آتا ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا کرتا تھا، قتل کے لیے تمہارے حوالہ کر دوں“، میں نے عرض کی: ”عالی جاہ! کیا واقعی وہ ایسا ہے؟“ وہ بولا: ”عمرو! تمہاری حالت قابل افسوس ہے میرا کہنا مانو اور اس کی پیروی کر لو، خدا کی قسم! وہ حق پر ہے، وہ اپنے تمام مخالفوں پر غالب آئے گا جس طرح موسیٰ فرعون اور اس کے لشکر پر غالب ہوئے تھے“، میں نے کہا: ”پھر اس کی طرف سے آپ مجھ سے اسلام کی بیعت لے لیجئے“، چنانچہ اس نے ہاتھ پھیلا یا اور میں نے اسلام کی بیعت کی، یہاں سے جب میں ساتھیوں کے پاس لوٹ کر گیا تو میرے تمام خیالات پلٹ چکے تھے، لیکن میں نے اپنے ساتھیوں پر ظاہر نہیں کیا اور رسول اللہ ﷺ کے دست حق پرست پر اسلام لانے

کے لیے روانہ ہو گیا، راستہ میں خالد بن ولیدؓ مکہ سے آتے ہوئے ملے، یہ فتح مکہ سے پہلے کا واقعہ ہے، میں نے کہا: ”ابوسفیان! کہاں کا قصد ہے؟“ وہ بولے: ”خدا کی قسم! خوب پانسہ پڑا، خدا کی قسم! یہ شخص یقیناً نبی ہے، اب جلد اسلام قبول کر لینا چاہیے، یہ لیت و لعل کب تک؟“ میں نے کہا: ”خدا کی قسم! میں بھی اسی قصد سے چلا ہوں“، چنانچہ ہم دونوں ایک ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، پہلے خالد بن ولیدؓ نے بیعت کی، پھر میں نے قریب ہو کر عرض کیا: ”یا رسول اللہ ﷺ! میں بیعت کروں گا لیکن آپ ﷺ میرے اگلے اور پچھلے گناہوں کو معاف کر دیجئے“، آپ ﷺ نے فرمایا: ”عمر و بیعت کر لو، اسلام اپنے ما قبل کے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے، اور ہجرت بھی اپنے ما قبل کے گناہوں کو ختم کر دیتی ہے“، چنانچہ میں نے بیعت کی اور بیعت کر کے لوٹ آیا۔

حضرت عمرو بن العاصؓ قبول اسلام کے بعد مکہ لوٹ گئے، پھر کچھ ہی دنوں کے بعد ہجرت کر کے مدینہ چلے آئے۔



حضرت خالد بن ولید کا قبول اسلام

خالد کا خاندان زمانہ جاہلیت سے معزز چلا آتا تھا، فوج کی سپہ سالاری اور فوجی کیمپ کے انتظام کا عہدہ ان ہی کے خاندان میں تھا، اور ظہور اسلام کے وقت خالد اس عہدہ پر ممتاز تھے، چنانچہ صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش کا جو دستہ مسلمانوں کی نقل و حرکت کا پتہ لگانے گیا تھا، اس کے سردار خالد ہی تھے، غزوہ احد میں مسلمانوں کے خلاف بڑی شجاعت سے لڑے اور مشرکین مکہ کے اکھڑے ہوئے پاؤں ان ہی کی ہمت افزائی سے دوبارہ جمے۔

ان کے اسلام کے بارہ میں مختلف روایتیں ہیں، سب میں مستند روایت مسند احمد بن حنبل کی ہے، جو عمرو بن العاص کے اسلام کے سلسلہ میں اوپر لکھی جا چکی ہے اس کی رو سے ان کے اسلام کا زمانہ (۶ھ) اور (۸ھ) کے درمیان ہے، عمرو بن العاص جب اسلام لانے کے قصد سے حبشہ سے چل کر عرب آئے اور اس کے لیے مدینہ کا رخ کیا تو راستہ میں قریش کا ایک اور خوش قسمت ہیر و اسی غرض سے مدینہ کا رہ نور و نظر آیا، یہ خالد بن ولید تھے، وہ بھی اسلام ہی لانے کی نیت سے مدینہ جا رہے تھے، عمرو بن العاص نے ان کو راستہ میں دیکھ کر پوچھا: ”کہاں کا قصد ہے؟“ بولے ”خدا کی قسم خوب پانسہ پڑا، یہ شخص (آنحضرت ﷺ) یقیناً نبی ہے، چلو اسلام کا شرف حاصل کریں، آخر کب تک؟“ چنانچہ یہ دونوں ساتھ خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے، آپ ﷺ انہیں دیکھ کر مسکرا رہے تھے، اور پہلے خالد نے کلمہ شہادت پڑھا، آپ ﷺ نے فرمایا: ”آگے آ جاؤ تمام تعریفیں اس خدا کے لیے ہیں جس نے تم

کو ہدایت دی، تمہاری عقل و سمجھ کو دیکھ کر مجھے یہی امید تھی کہ تمہیں خیر ہی کی توفیق ملے گی، خالدؓ نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ ﷺ! میں جن لڑائیوں میں آپ ﷺ کے مقابلہ میں حق کے خلاف لڑا ہوں مجھے ان کا بہت خیال آ رہا ہے، آپ ﷺ میرے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو معاف کر دے،“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اسلام اپنے سے پہلے تمام گناہ مٹا دیتا ہے،“ انھوں نے کہا: ”آپ ﷺ اس کے باوجود میرے لیے دعا فرمادیں،“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے اللہ! اللہ کے راستہ سے روکنے کے لیے خالدؓ نے جتنی بھی کوشش اور محنت کی ہے اسے معاف فرمادے۔“

ان کے بعد حضرت عمرو بن العاصؓ مشرف بہ اسلام ہوئے، قبول اسلام کے بعد عمرو بن العاصؓ مکہ لوٹ آئے، مگر خالد بن ولیدؓ نے مدینہ ہی میں مستقل قیام اختیار فرمایا۔ خالدؓ جس طرح قبول اسلام سے پہلے مسلمانوں کے سخت دشمن تھے، اسی طرح اسلام کے بعد مشرکوں کے لیے سخت ترین خطرہ بن گئے چنانچہ اکثر غزوات میں ان کی تلوار مشرکین کا شیرازہ بکھیرتی رہی۔



حضرت خالد بن سعید کا قبول اسلام

حضرت خالد بن خوش نصیب بزرگوں میں ہیں جو اس وقت مشرف بہ اسلام ہوئے جب چند بندگان خدا کے سوا ساری دنیا توحید کی آواز سے نا آشنا تھی، ان ہی کے اسلام سے ان کے گھر میں اسلام کی روشنی پھیلی، ان کے اسلام کا واقعہ یہ ہے کہ دعوت اسلام کے ابتدائی زمانہ میں انہوں نے خواب دیکھا کہ ایک آتشیں غار کے کنارے کھڑے ہیں اور ان کے والد ان کو اس میں ڈھکیل رہے ہیں اور رسول اللہ ﷺ گلا پکڑے ہوئے روک رہے ہیں، اس خواب پریشاں نے آنکھ کھول دی، گھبرا کر اٹھ بیٹھے اور بے ساختہ زبان سے نکل گیا کہ ”خدا کی قسم! یہ خواب حقیقت ہے“، اور اس کو حضرت ابو بکرؓ سے بیان کیا، انہوں نے کہا: ”تم ایک نہ ایک دن مشرف بہ اسلام ہو گے، اس لیے میں تم کو دوستانہ مشورہ دیتا ہوں کہ تم فوراً حلقہ بگوش اسلام ہو جاؤ اور تمہارے والد اس آتشیں غار میں گریں گے، لیکن تم کو اسلام اس میں گرنے سے بچالے گا“، چنانچہ خالد نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا: ”آپ ﷺ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”بلا شرکت غیر خدائے واحد کی پرستش کرو، مجھ کو اس کا بندہ اور رسول مانو اور ان پتھروں کی پوجا چھوڑ دو جو تمہارے نفع و نقصان کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتے، حتیٰ کہ اس سے بھی لاعلم ہیں کہ ان کی پرستش کے دعوے داروں میں کون ان کی پرستش کرتا ہے اور کون نہیں کرتا“، یہ تعلیمات سن کر دل کے ساتھ زبان نے بھی خدا کی وحدانیت اور آپ ﷺ کی رسالت کی تصدیق کر دی، ان کے اسلام لانے سے حضور ﷺ کو بہت خوشی

ہوئی، اس کے بعد حضرت خالدؓ اپنے گھر سے غائب ہو گئے اور ان کے والد کو ان کے اسلام کا پتہ چل گیا انہوں نے ان کی تلاش میں آدمی بھیجے جو ان کو ان کے والد کے پاس لے کر آئے، والد نے ان کو خوب ڈانٹا اور جو کوڑا ان کے ہاتھ میں تھا اس سے ان کی اس قدر پٹائی کی کہ وہ کوڑا ان کے سر پر توڑ دیا اور کہا: ”اللہ کی قسم! میں تمہارا کھانا پینا بند کروں گا“، حضرت خالدؓ نے کہا: ”اگر تم بند کر دو گے تو اللہ تعالیٰ مجھے ضرور اتنی روزی دے دیں گے جس سے میں اپنی زندگی گزار لوں گا“۔

دوسری روایت میں یہ مضمون ہے کہ اسلام لانے کے بعد گھر والوں سے چھپ کر آنحضرت ﷺ کے ساتھ دعوتِ اسلام میں مصروف ہو گئے، والد کو خبر ہوئی تو انہوں نے ان کے بھائیوں کو پکڑنے کے لیے بھیجا، وہ ان کو گرفتار کر کے لے گئے، پہلے اسلام چھوڑنے کا مطالبہ ہوا، یہاں جواب صاف تھا کہ ”جان جائے لیکن محمد ﷺ کا مذہب نہیں چھوڑ سکتا“، اس جواب پر پہلے زجر و توبیخ شروع ہوئی جب یہ بے اثر ثابت ہوئی تو زور و کوب کی نوبت آئی، اور اس بے دردی سے مارے گئے کہ سر پر پڑتے پڑتے لکڑی ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی، جب مارتے مارتے تھک گئے تو پھر باز پرس شروع ہوئی کہ ”تم نے محمد ﷺ کی حرکتوں کو جانتے ہوئے ان کا ساتھ کیوں دیا؟ تم آنکھوں سے دیکھتے ہو کہ وہ پوری قوم کی مخالفت کرتے ہیں، ان کے معبودوں اور ان کے آباء و اجداد کو برا بھلا کہتے ہیں اور اس میں تم بھی ان کی ہمنوائی کرتے ہو؟“ مگر اس مار کے بعد بھی اس بادۂ حق کے سرشار کی زبان سے نکلا کہ ”خدا کی قسم! وہ جو کچھ کہتے ہیں سچ کہتے ہیں اور اس میں میں ان کے ساتھ ہوں“، جب سنگ دل باپ ہر طرح سے تھک چکا تو عاجز ہو کر قید کر کے کھانا پینا بند کر دیا اور لوگوں کو منع کر دیا کہ کوئی شخص اس سے گفتگو نہ کرے، چنانچہ یہ کئی دنوں تک بے آب و دانہ تنہائی کی قید جھیلنے رہے، چوتھے دن موقع پا کر بھاگ نکلے اور اطراف مکہ میں روپوش ہو گئے، جب مسلمانوں کا دوسرا قافلہ حبشہ جانے لگا تو یہ بھی اپنی بیوی امیمہ یاہمینہ اور بھائی عمر کو ساتھ لے کر حبشہ چلے گئے، یہیں ان کے صاحبزادے سعید اور صاحبزادی ام خالد پیدا ہوئیں۔

حضرت خبابؓ بن ارت کا قبول اسلام

حضرت خبابؓ زمانہ جاہلیت میں غلام بنا کر مکہ میں فروخت کئے گئے، ام انمار خزاہیہ نے ان کو خریدا، اور مکہ کے ایک لوہار کے سپرد کر دیا تاکہ وہ اس سے اسلحہ سازی کا ہنر سیکھیں، انھوں نے بہت جلد اس فن میں مہارت پیدا کر لی تو ام انمار نے ایک دکان کرائے پر لی، اور اسلحہ سازی کے لیے ضروری اوزار اور سامان خرید کر ان کے حوالہ کیا، ان کی مہارت فن کے ذریعہ خوب مالی فوائد حاصل کرنے لگی، چند ہی دنوں میں خبابؓ کی فنی مہارت کی شہرت مکہ کی پوری آبادی میں پھیل گئی، اور لوگ کثرت سے ان کے پاس تلواریں خریدنے کے لیے آنے لگے، کیونکہ وہ ایک کاریگر ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت دیانت دار اور صادق القول شخص تھے۔

جب انھوں نے حضور ﷺ کی بعثت کی خبر سنی تو وہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کا پیغام سنا، پھر انہوں نے پیغمبر ﷺ کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اس بات کی شہادت دی کہ ”اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد ﷺ اس کے بندہ اور رسول ہیں“ اور اس طرح وہ دائرہ اسلام میں داخل ہونے والے چھٹے شخص بن گئے اور کہا جاتا ہے کہ حضرت خبابؓ پر ایک ایسا وقت بھی گزرا ہے کہ وہ اسلام کا چھٹا حصہ تھے۔

حضرت خبابؓ نے اپنے اسلام کو کسی سے چھپانے کی کوشش نہیں کی، اس لیے ام انمار کو ان کے مسلمان ہونے کی خبر بہت جلد معلوم ہو گئی، اس خبر کو سنتے ہی اس کے غیظ و غضب کی آگ بھڑک اٹھی، اس نے اپنے بھائی سباع عبدالعزیٰ کو ساتھ لیا، قبیلہ خزاعہ کے کچھ اور نوجوان بھی اس کے ہمراہ ہو گئے، سباع نے ان کو مخاطب کرتے

ہوئے کہا: ”خباب! تمہارے متعلق ہم کو ایک ایسی خبر ملی ہے جس پر یقین کرنا ہمارے لیے آسان نہیں ہے، انہوں نے پوچھا: ”کون سی خبر؟“ سباع نے غصہ میں تیز ہوتے ہوئے کہا: ”یہ بات ہر طرف مشہور ہو رہی ہے کہ تم بے دین ہو گئے ہو، اور اپنے آباء واجداد کے دین کو ترک کر کے بنی ہاشم کے اس ”لوٹڑے“ کی پیروی کرنے لگے ہو،“ حضرت خبابؓ نے نہایت پرسکون لہجے میں جواب دیا: ”میں بے دین نہیں ہوا ہوں میں تو اس اللہ واحد پر ایمان لایا ہوں جس کا کوئی شریک و سہم نہیں اور میں نے تمہارے بتوں کی پرستش چھوڑ دی ہے اور اس بات کی گواہی دی ہے کہ محمد ﷺ اللہ خدا تعالیٰ کے بندہ اور اس کے رسول ہیں۔“

حضرت خبابؓ کے یہ الفاظ جیسے ہی سباع اور اس کے ساتھیوں کے کانوں میں پڑے وہ یکا یک ان پر ٹوٹ پڑے اور ان کے اوپر لاتوں اور گھونسوں کی بارش کر دی، اور جس کے ہاتھ میں جو چیز آگئی اسی سے مارنے لگا چاہے وہ ہتھوڑا ہو یا لوہے کا ٹکڑا، وہ ان کو مارتے رہے یہاں تک کہ وہ زمین پر گر کر بے ہوش ہو گئے اور ان کے جسم سے خون بہنے لگا۔

ام انمار کا بھائی سباع بن عبد العزیٰ اور اس کے قبیلہ بنو خزاعہ کے لوگ عین دوپہر میں جب دھوپ کی تمازت اپنے شباب پر ہوتی ہے، اور زمین سورج کی تیز اور گرم کرنوں سے تپ کر تو ابن جاتی ہے، حضرت خبابؓ کو مکہ سے باہر سنگلاخ میدان میں نکال کر لے جاتے، ان کے جسم سے کپڑے اتار کر انھیں لوہے کی زرہ پہنا دیتے اور تیز چلچلاتی دھوپ میں جلتی ہوئی ریت پر کھڑا کر دیتے، مزید برآں ان پر پانی بھی بند کر دیتے، یہاں تک کہ جب ان کی تکلیف اپنی انتہا کو پہنچ جاتی تو ان سے پوچھتے کہ ”محمد (ﷺ) کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟“ حضرت خبابؓ ان کو جواب دیتے کہ ”وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، ہدایت اور دین حق کے ساتھ تشریف لائے ہیں تاکہ ہم لوگوں کو کفر و شرک کی ظلمت سے نکال کر ایمان و ہدایت کی روشنی میں

داخل کریں، یہ سنتے ہی وہ لوگ بے تحاشا ان کو لاتوں اور مکوں سے مارنے لگتے اور پھر پوچھتے ”لات و عزلیٰ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟“ وہ کہتے ”دوبت ہیں جو کسی کی بات سننے اور اس کا جواب دینے سے قاصر ہیں، نہ کسی کو کوئی نقصان پہنچاتے ہیں نہ اس کو کوئی فائدہ دے سکتے ہیں، اتنا سنتے ہی وہ آس پاس پڑے ہوئے گرم گرم پتھر اٹھالاتے اور ان پتھروں کو ان کی پیٹھ سے چپکا دیتے، اور انھیں چپکائے رہتے یہاں تک کہ ان کے کندھے سے چربی پکھل کر بہنے لگتی۔

ایک دن کوئلے جلا کر زمین پر بچھائے، اس پر ان کو چت لٹایا، ایک شخص چھاتی پر پاؤں رکھے رہا کہ کروٹ نہ بدلنے پائیں، یہاں تک کہ کوئلے پیٹھ کے نیچے پڑے پڑے ٹھنڈے ہو گئے، حضرت خیابؓ نے مدتوں کے بعد جب یہ واقعہ حضرت عمرؓ کے سامنے بیان کیا تو پیٹھ کھول کر دکھائی کہ برص کے داغ کی طرح بالکل سپید تھی۔

ام انمار حضرت خیاب کے لیے اپنے بھائی سباع سے کچھ کم سنگ دل نہ تھی، ایک روز اس نے رسول اللہ ﷺ کو حضرت خیابؓ کی دکان کی طرف سے گزرتے اور ان سے بات کرتے دیکھ لیا وہ غصہ سے دیوانی ہو گئی، اب وہ روزانہ ان کے یہاں آتی اور بھٹی میں سے دکھتا لوہا ان کے سر پر رکھ دیتی ان کا سر جلنے لگتا اور وہ بیہوش ہو کر گر جاتے اور افاقہ ہونے پر اس کے اور اس کے بھائی کے حق میں بددعا کرتے، آخر اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے حق میں ان کی بددعا قبول کر لی، ام انمار شدید قسم کے سر درد میں مبتلا ہو گئی، ایسے درد میں جس کی تکلیف ناقابل برداشت تھی اور جس کی مثال کبھی سننے میں نہیں آئی تھی، وہ شدتِ درد سے کتے کی طرح چیختی تھی، اس کے لڑکے مختلف جگہوں پر اس کا علاج کراتے پھرے مگر کہیں افاقہ کی کوئی صورت نظر نہیں آئی، ان سے بتایا گیا کہ اس درد سے نجات کی صرف یہی ایک صورت ہے کہ اس کے سر کو برابر آگ سے داغا جاتا رہے، اس ہدایت کے مطابق اس کے سر کو گرم لوہے سے داغا جانے لگا، اس سے اس کو اتنی شدید قسم کی تکلیف ہوتی کہ وہ اپنے درد کو بھول جاتی۔

اور پھر حضرت خبابؓ نے غزوہٴ احد میں ام انمار کے بھائی سباع بن عبدالعزیٰ کو شیر خدا حضرت حمزہؓ کے ہاتھوں میدان جنگ میں زمین پر چھڑا ہوا اور خون میں لت پت دیکھا جس سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں۔

حضرت خبابؓ کو جسمانی سزا کے ساتھ ساتھ مالی نقصان پہنچانے کی بھی کوشش کی گئی، عاص بن وائل کے ذمہ ان کا قرض تھا یہ جب تقاضا کرتے تو جواب دیتا کہ ”جب تک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ساتھ نہ چھوڑو گے اس وقت تک نہیں مل سکتا“، یہ جواب دیتے کہ ”تم جب تک مر کر دوبارہ نہ زندہ ہو گے میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے الگ نہیں ہو سکتا“۔

حضرت خبابؓ کو اسی طرح لرزہ خیز مظالم سہتے سہتے ایک مدت گزر گئی تو ایک دن فریاد لے کر سرورِ دو عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں پہنچے اس وقت آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کعبہ کی دیوار کے سائے میں روئے مبارک سر کے نیچے رکھے ہوئے لیٹے تھے، حضرت خبابؓ نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ پاک سے ہمارے لیے دعا کیوں نہیں کرتے؟“ یہ سن کر حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) سنبھل کر بیٹھ گئے، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا چہرہ اقدس سرخ ہو گیا اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: ”تم سے پہلے گزشتہ زمانہ میں ایسے لوگ بھی ہوئے ہیں کہ لوہے کی تنگکیوں سے ان کا گوشت نوج ڈالا گیا، سوائے ہڈیوں اور پٹھوں کے کچھ نہ چھوڑا گیا، ایسی سختیوں نے بھی ان کا دین پر اعتقاد متزلزل نہ کیا، ان کے سروں پر آرے چلائے گئے، چیر کر بیچ سے دو کر دیئے گئے، تاہم دین کو نہ چھوڑا، اللہ تعالیٰ اس دین کو ضرور کامیاب کرے گا اور تم دیکھ لو گے کہ اکیلا سوار صنعاء (یمن) سے حضرموت تک جائے گا اور سوائے خدائے تعالیٰ کے کسی سے نہیں ڈرے گا“، حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ارشادات سن کر حضرت خبابؓ منشاء خدائے وحی کی سمجھ گئے اور خاموشی سے واپس چلے گئے۔

حضرت خبابؓ مدتوں نہایت صبر و استقلال کے ساتھ یہ تمام مصیبتیں جھیلتے رہے، پھر جب ہجرت کی اجازت ملی تو ہجرت کر کے مدینہ آ گئے، ہجرت بھی تکلیف اور مصائب کے خوف سے نہ کی تھی، بلکہ خالصۃً لوجہ اللہ کی تھی، چنانچہ کہا کرتے تھے کہ میں نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ خالصۃً لوجہ اللہ ہجرت کی تھی۔

حضرت ابن ام مکتوم کا قبول اسلام

ابن ام مکتوم مکہ کے باشندے اور خاندان قریش کے چشم و چراغ تھے، حرمی رشتہ کے ذریعہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جڑے ہوئے تھے، وہ ام المؤمنین حضرت خدیجہ کے ماموں زاد بھائی تھے، ان کے والد کا نام قیس بن زائد اور والدہ کا اسم گرامی عاتکہ بنت عبد اللہ تھا، جو عام طور سے اپنی کنیت ام مکتوم کے ساتھ مشہور تھیں، اس لیے وہ ماں کی نسبت سے ابن ام مکتوم مشہور ہوئے۔

ابتدائے بعثت میں سر زمین مکہ میں مشرف بہ اسلام ہوئے، ابن ام مکتوم کو ظاہری آنکھوں کی روشنی سے محروم تھے مگر چشم دل وا تھی، اس لیے مکہ میں جیسے ہی اسلام کا نور چمکا وہ کفر کی تاریکی سے باہر نکل آئے اور اہل اسلام کے اس گروہ میں شامل ہو گئے جس نے اولین مرحلہ میں داعی اسلام کی پکار پر لبیک کہا اور انھوں نے ان مصائب و آلام کا نہایت پامردی اور ثابت قدمی کے ساتھ مقابلہ کیا جن سے مسلمان دوچار ہوئے، انھوں نے اس راہ میں کسی قسم کی قربانی اور فداکاری و جاں نثاری سے دریغ نہیں کیا، انھوں نے اپنے رفقاء کے ساتھ قریش کی اذیتوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور ان کی زیادتیوں کو صبر و تحمل کے ساتھ برداشت کیا، اس راہ میں نہ تو ان کے پائے استقلال میں ذرہ برابر لغزش پیدا ہوئی، نہ ان کا حوصلہ پست ہوا، نہ ان کی قوت ایمانی میں کسی رخ سے کمزوری کے آثار ظاہر ہوئے، بلکہ ان مصائب نے ان کے اندر خدا کے دین سے ربط محکم، اس کی کتاب سے تعلق، اس کی شریعت سے اکتساب فیض اور بارگاہ رسالت میں شوقِ حاضری کو مزید جلا بخشی، اور انھیں ذاتِ نبوی ﷺ سے ایک خاص قرب و اختصاص حاصل ہو گیا، چنانچہ اکثر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے، مکہ کے مغرور امراء اور رؤساء بھی مجلسِ نبوی میں آیا کرتے تھے، جو ابن

ام مکتومؓ کی ظاہری ناپیدائی اور غربت و افلاس کی وجہ سے ان کو ذلیل سمجھتے تھے اور آنحضرت ﷺ سے کہتے تھے کہ ”ہماری مجلس میں ایسے لوگ برابر نہ بیٹھا کریں“، آنحضرت ﷺ کے دل میں یہ لگن تھی کہ کسی طرح قریش کے رؤساء دعوت حق قبول کر لیں، اس لیے آپ ﷺ ان کی خاطر داری کرتے تھے، ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ رؤساء قریش میں تبلیغ فرما رہے تھے کہ اس درمیان میں حضرت ابن ام مکتومؓ آگئے، اور کچھ مذہبی مسائل پوچھنا شروع کر دیئے، آنحضرت ﷺ کو ان کی یہ بے موقع گفتگو اس لیے ناگوار ہوئی کہ اس سے رؤساء قریش کی تبلیغ میں رکاوٹ پیدا ہوتی اور ان کے دلوں میں تاثر کے بجائے تکدر پیدا ہوتا، اس لیے ابن ام مکتومؓ کی طرف التفات نہ فرمایا اور بدستور سلسلہ گفتگو جاری رکھا، آنحضرت ﷺ کا طرز عمل گو تبلیغ حق اور دعوت اسلام کی سچی خواہش پر مبنی تھا، تاہم خدا کے دربار میں ناپسندیدہ ہوا، اور اس پر سورہ عبس کی ابتدائی سولہ آیات نازل ہوئیں، ان آیات کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ خاص طور پر ابن ام مکتومؓ کا لحاظ رکھتے تھے، اور کاشانہ نبوی میں ان کی بڑی خاطر مدارات ہوتی، حضرت عائشہؓ آپ کو لیموں اور شہد پلایا کرتیں اور فرماتی تھیں کہ نزول آیات کے بعد یہ ابن ام مکتومؓ کا روزینہ تھا۔

جب رسول اللہ ﷺ اور اہل ایمان پر قریش کا غیظ و غضب حد سے فزوں ہو گیا اور ان کے ظلم و ستم کی کوئی انتہا نہ رہی تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ہجرت کی اجازت دے دی، اجازت ملتے ہی حضرت ابن ام مکتومؓ نے اپنے دین کی حفاظت کے لیے ترک وطن کرنے میں بڑی پھرتی سے کام لیا، چنانچہ اصحاب رسول میں سے وہ اور حضرت مصعب بن عمیرؓ سے پہلے مدینہ پہنچے تھے، اور رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کے بعد موزنی کے جلیل القدر منصب پر مامور ہوئے اور رمضان میں ان کی اذان سحری کے ختم ہونے کا اعلان ہوتی تھی اس کے بعد لوگ کھانا پینا بند کر دیتے تھے، نبی اکرم ﷺ کی طرف سے ابن ام مکتومؓ کی عزت افزائی اور قدر دانی کا یہ حال تھا کہ آپ ﷺ نے اپنی عدم موجودگی کے مختلف مواقع پر ان کو مدینہ پر اپنا نائب مقرر کیا، ان میں سے ایک موقع وہ تھا جب آپ ﷺ نے فتح مکہ کے لیے مدینہ چھوڑا تھا۔

حضرت بریدہؓ سلمیٰ کا قبول اسلام

بریدہؓ عین زمانہ ہجرت میں مشرف بہ اسلام ہوئے، اسلام کا واقعہ یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو قریش نے آنحضرت ﷺ کی گرفتاری پر ایک سوانٹ کا انعام مشتہر کیا تھا اور بریدہؓ اسی لالچ میں آنحضرت ﷺ کی تلاش میں نکلے، یہ اپنی قوم کے سردار تھے، جب نبی ﷺ کے سامنے ہوئے اور حضور ﷺ سے ہم کلام ہونے کا موقع ملا اور آپ ﷺ نے اسلام پیش کیا، بریدہؓ نے بلاپس وپیش قبول کر لیا، ان کے ساتھ بنو اسلم کے اسی (۸۰) خانوادے حلقہ بگوش اسلام ہوئے، بریدہؓ نے اپنی پگڑی اتار کر نیزہ پر باندھ لی جس کا سفید پھریرا ہوا میں لہراتے اور بشارت سناتے کہ ”امن کا بادشاہ، صلح کا حامی، دنیا کو عدالت اور انصاف سے بھر پور کرنے والا شریف لارہا ہے“، اس کے بعد کچھ دنوں قرآن کی تعلیم حاصل کر کے گھر لوٹ گئے۔



حضرت طفیل بن عمرو دوسی کا قبول اسلام

طفیل دوس کے قبیلہ سے تھے اسی لیے دوسی کہلاتے تھے، یہ قبیلہ یمن کے ایک گوشہ میں آباد اور خاصا طاقتور تھا، ایک قلعہ بھی اس کے پاس تھا، حضرت طفیل اس قبیلہ کے رئیس اور غالباً تجارت پیشہ تھے اور اسی تعلق سے مکہ معظمہ آتے رہتے تھے۔

جس زمانہ میں آنحضرت ﷺ مکہ میں دعوتِ اسلام فرما رہے تھے، اس زمانہ میں طفیل کا مکہ میں آنا ہوا، قریش کے وہ اشخاص جو لوگوں کو آنحضرت ﷺ کے پاس آنے سے روکتے تھے، ان کے پاس بھی پہنچے اور کہا: ”تم ہمارے شہر میں مہمان آئے ہو، اس لیے ازراہِ خیر خواہی تم کو آگاہ کئے دیتے ہیں کہ اس شخص (آنحضرت ﷺ) نے ہماری جماعت میں پھوٹ ڈال کر ہمارا شیرازہ بکھیر دیا ہے اور ہم لوگوں کو بہت تنگ کر رکھا ہے، نہیں معلوم کہ اس کی زبان میں کیا سحر ہے، جس کے زور سے بیٹے کو باپ سے، بھائی کو بھائی سے، بیوی کو شوہر سے چھڑا دیتا ہے، ہم کو خوف ہے کہ کہیں تم اور تمہاری قوم بھی ہم لوگوں کی طرح اس کے دام میں نہ آجائے، اس لیے ہمارا دوستانہ مشورہ ہے کہ تم اس سے نہ ملو اور نہ اس کی بات سنو، غرض ان لوگوں نے طفیل کو سب نشیب و فراز سمجھا کر آنحضرت ﷺ کی ملاقات سے روک دیا، طفیل نے اس خیال سے کہ مبادا آنحضرت ﷺ کی آواز کانوں میں نہ پڑ جائے، دونوں کانوں میں روئی ٹھونس لی، اتفاق سے اسی حالت میں ایک دن مسجد کی طرف سے گذرے، اس وقت آنحضرت ﷺ خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے، اسلام کا شرف ان کی قسمت میں مقدر ہو چکا تھا، اس لیے تمام احتیاطیں بے کار ثابت ہوئیں، اور کچھ آیتیں ان

کے کان تک پہنچ گئیں، یہ کھڑے ہو کر سننے لگے، تو اس میں بڑی دلآویزی معلوم ہوئی، دل ہی دل میں کہنے لگے کہ ”میں بھی کیا وہی ہوں، میں خود اچھا شاعر ہوں، کلام کے محاسن و معائب کو سمجھتا ہوں، پھر اس شخص کا کلام کیوں نہ سنوں، اگر اس میں کوئی خوبی ہے تو اس کے اعتراف میں بخل نہ کرنا چاہیے اور اگر ناقابل توجہ ہے تو التفات کی ضرورت نہیں“، غرض اس طرح دل کو تسلی دے کر پورے غور سے آیات قرآنی سنیں، یہ کیا معلوم تھا کہ کلام کے حسن و قبح کا فیصلہ ان کی قسمت کا فیصلہ کر دے گا، جب تک آنحضرت ﷺ نماز پڑھتے رہے، طفیل گوش ہوش سے سنتے رہے، ادھر آپ ﷺ نے نماز ختم کی ادھر طفیل کی قسمت کا فیصلہ ہو گیا، اور وہ بے اختیار نہ آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے چلے، کا شانہ اقدس ﷺ پر پہنچ کر قریش کی پوری گفتگو سنا کر عرض کیا: ”اس خوف سے میں نے کانوں میں روئی رکھ لی تھی کہ آپ ﷺ کا معجزانہ کلام نہ سن سکوں لیکن خدا کو سنانا منظور تھا اس لیے یہ احتیاط بے کار ثابت ہوئی، اب آپ ﷺ اپنی تعلیمات سنائیے“، آنحضرت ﷺ نے اسلام کی تعلیمات بتا کر قرآن کی کچھ اور آیات تلاوت فرمائیں، طفیل صحن کر متحیر ہو گئے اور بے اختیار زبان سے نکل گیا: ”خدا کی قسم! آج تک اس سے بہتر کلام نہ میرے کانوں نے سنا اور نہ اس سے زیادہ عادلانہ کوئی مذہب دیکھا، میں بخوشی اس مذہب کو قبول کرتا ہوں“۔

اسلام لانے کے بعد عرض کیا: ”یا رسول اللہ ﷺ! میں اپنی قوم کا سربر آوردہ شخص ہوں، اس لیے چاہتا ہوں کہ وہاں جا کر اہل وطن کو بھی دعوتِ اسلام دوں، آپ (ﷺ) دعا فرمائیے کہ خدا اس کار خیر میں میری مدد کرے“، آنحضرت ﷺ نے اجازت دی اور دعا فرمائی۔

گھر پہنچے تو والد ملنے آئے، کہا: ”قبلہ! آپ مجھ سے الگ رہیے، اب آپ کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں“، انہوں نے کہا: ”کیوں؟“ کہا: ”میں نے دین اسلام قبول کر کے محمد ﷺ کا طوقِ غلامی گردن میں ڈال چکا ہوں، اس لیے آپ سے کوئی واسطہ باقی

نہیں رہا، باپ کی قسمت میں بھی یہ سعادت لکھی تھی، بولے: ”بیٹا! جو دین تمہارا وہی دین میرا“، چنانچہ اسی وقت نہلا دھلا کر ان کو اسلام کے دائرہ میں داخل کیا، بیوی کو آمد کی خبر ہوئی تو وہ بھی آئیں، ان کو بھی وہی جواب دیا جو پہلے والد کو دے چکے تھے، بیوی نے کہا: ”میں تمہارے مذہب کے خلاف کیسے رہ سکتی ہوں؟ مجھے بھی اس نعمت میں شریک کرو“، چنانچہ ان کو بھی مشرف بہ اسلام کیا، گھر روشن کرنے کے بعد قبیلہ کی طرف متوجہ ہوئے، لیکن اس میں آواز بے اثر رہی۔ ابو ہریرہؓ کے علاوہ سب نے اسلام قبول کرنے میں دیر کی، حضرت طفیلؓ ابو ہریرہؓ کو لے کر مکہ واپس آئے اور آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ ”میری قوم میرا کہنا نہیں مانتی، آپ (ﷺ) اس کی ہدایت کے لیے دعا فرمائیے“، آپ ﷺ نے وضو کیا اور اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھادیئے، حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ”آپ ﷺ کو اس حالت میں دیکھ کر مجھے اندیشہ لاحق ہوا کہ آپ ﷺ میرے قبیلہ والوں کے حق میں بددعا فرمائیں گے اور وہ تباہ و برباد ہو جائیں گے، تو بے ساختہ میری زبان سے نکل گیا: آہ میری قوم! لیکن رسول اللہ ﷺ بددعا کرنے کے بجائے کہہ رہے تھے:

”اللہم اهد دو ساء، اللہم اهد دو ساء“ (خدایا! قبیلہ دوس کو ہدایت

دے، خدایا! دوس کو ہدایت دے اور اس پر ابر رحمت کا نزول فرما)

دعا کے بعد ہدایت فرمائی کہ ”زمری کے ساتھ جا کر اسلام کی طرف مائل کرو“، چنانچہ وہ حسب ارشاد نبوی ﷺ دوبارہ گھر لوٹ کر تبلیغ و ہدایت میں مشغول ہو گئے اور آنحضرت ﷺ کی دعا کی برکت سے کچھ دنوں کے بعد دوس کی معتد بہ تعداد اسلام کے حلقہ اثر میں آ گئی۔

دائرہ اسلام کی وسعت کے ساتھ ساتھ مشرکین مکہ کا جو دستم بھی بڑھتا جاتا تھا اور ذات نبوی ﷺ کے ساتھ بھی گستاخیاں کرنے میں ان کو باک نہ تھا اور انہوں نے آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کی ایذا رسانی کو اپنا مستقل شعار بنا لیا تھا، دوس میں

ایک نہایت مضبوط قلعہ تھا، طفیلؓ نے آنحضرت ﷺ کو اپنے اس قلعہ میں منتقل ہو جانے کی دعوت دی اور آپ ﷺ کی حفاظت کی ذمہ داری لی، لیکن یہ فخر انصار کے لیے مقدر ہو چکا تھا، اس لیے آپ ﷺ نے ان کی دعوت قبول نہ فرمائی۔

جب آپ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ آ گئے اور بدر واحد اور خندق کی لڑائیاں بھی ختم ہو گئیں اور خیبر کی تیاریں شروع ہوئی تھیں کہ حضرت طفیلؓ تقریباً سی (۸۰) گھرانوں کے ساتھ مدینہ تشریف لائے، لیکن آنحضرت ﷺ خیبر میں تھے اس لیے یہ پورا قافلہ بھی وہیں روانہ ہو گیا۔

اگرچہ دوس کے اکثر خانوادے مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے، تاہم مدتوں کے عقائد و دفعہ نہیں بدل سکتے تھے، چنانچہ ذوالکفلین نامی بت کا صنم کدہ باقی تھا اور بہت سے لوگ اس کی پوجا کرتے تھے، لیکن طفیلؓ کا موحد دل دوس کے دامن پر شرک کا ایک دھبہ بھی نہیں گوارا کر سکتا تھا، اس لیے آنحضرت ﷺ سے درخواست کی کہ مجھ کو ذوالکفلین گرانے کی اجازت مرحمت ہو، آپ ﷺ نے اجازت دے دی، چنانچہ وہ کچھ دوسیوں کو لے کر گئے اور بت کدہ کو ڈھا کر بت میں آگ لگا دی۔



حضرت عقبہ بن عامر جہنی کا قبول اسلام

جب اللہ کے رسول ﷺ مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے گئے تو سارے مدینہ کے لوگوں نے آپ ﷺ کا استقبال کیا، لیکن عقبہ بن عامر جہنی استقبال کی سعادت سے محروم رہ گئے، یہ محرومی ان کے حصہ میں اس لیے آئی کہ وہ اپنی بکریوں کو لے کر انہیں چرانے کے لیے وادیوں کی طرف نکل گئے تھے، کیونکہ بھوک پیاس کی وجہ سے ان کے ہلاک ہو جانے کا اندیشہ تھا، جب کہ یہ چند بکریاں ہی ان کا کل سرمایہ تھیں۔

رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری سے فرحت و سرور کی جو کیفیت مدینہ پر چھائی ہوئی تھی، بہت جلد اس کی خبر دور و قریب کی وادیوں تک عام ہو گئی، حضرت عقبہ بن عامر تک بھی یہ خبر پہنچ گئی، حالانکہ وہ مدینہ سے دور وسیع میدانوں میں اپنی بکریاں چراتے پھرتے تھے۔ نبی کریم ﷺ سے ان کی ملاقات کیسے اور کن حالات میں ہوئی، اس کی تفصیل ہم انہیں کے الفاظ میں ہدیہ قارئین کر رہے ہیں۔

”رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو میں اس وقت اپنی بکریوں میں تھا، آپ ﷺ کی تشریف آوری کی خبر جیسے ہی مجھے ملی، میں نے بکریوں کو وہیں چھوڑا اور بلا تاخیر آپ ﷺ سے ملنے کے لیے مدینہ روانہ ہو گیا اور بارگاہ نبوی میں پہنچ کر عرض کیا: اللہ کے رسول ﷺ! آپ ﷺ میری بیعت قبول فرمائیں گے؟ آپ ﷺ نے پوچھا: تم کون ہو؟ میں نے جواب دیا: عقبہ بن عامر جہنی، آپ ﷺ نے پوچھا: کون سی بیعت کرو گے؟ بیعت اعرابیہ یا بیعت ہجرت؟ میں نے جواباً عرض کیا: بیعت ہجرت۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے بھی انہیں باتوں پر بیعت کی جن پر اور مہاجرین سے لی تھی، چنانچہ بیعت کر کے مدینہ میں مقیم ہو گئے اور آقائے نامدار ﷺ کی خدمت گزاری ان کا خاص مشغلہ تھا۔

حضرت عمیرؓ بن وہب کا قبول اسلام

عمیر قریش کے سربراہ اور بہادر لوگوں میں تھے، قبول اسلام سے پہلے اسلام اور پیغمبر اسلام کے سخت دشمن تھے، بدر میں مشرکین کے ساتھ تھے، اور مسلمانوں کی قوت کا اندازہ لگانے کے لیے یہی نکلے تھے، مگر اس غزوہ میں انہوں نے جنگ کو ٹالنے کی بڑی کوشش کی، لیکن جب اس میں ناکامی ہوئی تو دوسرا طریقہ اختیار کیا کہ قریش سے انصار کی تذلیل کے لیے کہا کہ ”ان کے چہرے سانپوں کی طرح ہیں، جو پیاس سے بھی نہیں مرتے، ان کی یہ مجال کہ ہمارے مقابلہ میں آکر بدلہ لیں، اس لیے ان روشن وتاباں چہرہ والوں (قریش) کو ان سے تعارض نہ کرنا چاہیے“، انصار نے جواب دیا: ”یہ خیال چھوڑ دو اور اپنے قبیلہ کو جنگ پر آمادہ کرو“، جب یہ تدبیر بھی ناکام رہی تو مجبوراً لڑنا پڑا، جس کا نتیجہ قریش کی شکست کی صورت میں ظاہر ہوا اور ان کا لڑکا وہب مسلمانوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہوا۔

بدر کی شکست سے مشرکین کی آتش انتقام اور تیز ہو گئی اور وہ مسلمانوں سے بدلہ لینے کے لیے طرح طرح کے منصوبے سوچنے لگے، ایک دن عمیر اور صفوان بن امیہ آپس میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے، صفوان نے کہا: ”بدر کے مقتولین کے بعد زندگی بے مزہ ہو گئی“، عمیر نے کہا: ”بالکل سچ ہے، واللہ! لطف زندگی جاتا رہا، اگر مجھ پر قرض اور اہل و عیال کی پرورش کا بار نہ ہوتا تو میں محمد ﷺ کے قتل کی کوشش کرتا“، صفوان یہ سن کر پھولا نہ سما یا، بولا: ”یہ کون سی بڑی بات ہے؟ تمہارے قرض کی ادائیگی کا میں ذمہ لیتا ہوں اور جس طریقہ سے میں اپنے اہل و عیال کی پرورش کرتا ہوں اسی طرح تمہارے اہل و عیال

کی بھی پرورش کروں گا، اور عمیر کے لیے ضروری سامان سفر مہیا کر دیا، اس میں ایک زہر آلود تلوار بھی تھی اور عمیر یہ ہدایت کر کے کہ ”ابھی کچھ دنوں میرے حالات پوشیدہ رکھنا“، مدینہ پہنچے اور مسجد نبوی کے دروازہ پر سواری کھڑی کر کے تلوار لیے ہوئے سیدھے آنحضرت ﷺ کی طرف چلے، حضرت عمرؓ دیکھ رہے تھے، وہ گھبرائے ہوئے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کی: ”یا رسول اللہ ﷺ! عمیر کو کسی قیمت پر امان نہ دیجئے گا“، فرمایا: ”اچھا ان کو لے آؤ“، حضرت عمرؓ چند اشخاص کو آنحضرت ﷺ کی حفاظت کے لیے متعین کر کے خود عمیر کو لانے چلے گئے، وہ تلوار لیے ہوئے داخل ہوئے اس وقت آنحضرت ﷺ نے عمر کو ہٹا دیا، عمیر نے ”سلام علیک“ کی جگہ ”انعموا صباحا“ جاہلیت کا سلام کیا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے تمہارے طریقہ سلام سے ہم کو مستثنیٰ کر دیا اور ہمارا طریقہ سلام متعین کیا ہے“، پھر پوچھا: ”کیسے آنا ہوا؟“ عمیر نے کہا: ”اپنے قیدیوں کو چھڑانے کے لیے آخر تم بھی تو ہمارے ہی ہم قبیلہ اور ہم خاندان ہو“، آنحضرت ﷺ نے پوچھا: ”یہ تلوار کیسی گلے میں لٹکی ہے؟“ کہا: ”ان تلواروں کا براہویہ ہمارے کس کام آئیں، اترتے وقت گلے سے نکالنا بھول گیا تھا، اس لیے لٹکی رہ گئی“، پھر آنحضرت ﷺ نے پوچھا: ”سچ بتاؤ تم کس ارادہ سے آئے ہو؟“ کہا: ”صرف قیدیوں کو چھڑانے کے لیے“، فرمایا: ”تم نے صفوان سے کیا شرط کی تھی“، اس سوال پر عمیر بہت گھبرائے اور کہا: ”میں نے کیا شرط کی تھی؟“ فرمایا: ”ان شرائط کے ساتھ تم نے قتل کا وعدہ کیا تھا۔“

یہ سنتے ہی حالت بدل گئی، جس زبان سے آنحضرت ﷺ کے قتل کا عہد کر کے آئے تھے، اسی زبان سے بے اختیار ”أشهد أنك رسول الله و أشهد أن لا اله الا الله“ نکل گیا، قبول اسلام کے بعد آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ ”اپنے بھائی کو آرام پہنچاؤ اور ان کے قیدی چھوڑ دو“، چنانچہ وہب کو بغیر فدیہ کے رہا کر دیا گیا۔ مکہ میں صفوان نہایت بے چینی سے ان کے کام کا انتظار کر رہا تھا اور قریش سے

کہتا پھرتا تھا کہ ”میں تم کو ایسی کامیابی کی خوشخبری سناؤں گا جس کے بعد بدر کی شکست کا غم بھول جاؤ گے“ اور ہر آنے جانے والے سے پوچھتا کہ ”مدینہ میں کوئی نیا واقعہ تو نہیں پیش آیا“ (یعنی آنحضرت ﷺ کا کام تمام تو نہیں ہوا) ایک دن بالکل خلاف توقع خبر سنی کہ جو شکار کرنے نکلا تھا وہ خود شکار ہو گیا، یعنی عمیرؓ مسلمان ہو گئے، اس خبر سے بہت پیچ و تاب کھایا اور عہد کر لیا کہ اب کبھی عمیرؓ سے نہ بولوں گا، اور نہ اس کی کسی قسم کی مدد کروں گا، تمام مشرکین نے عمیرؓ کے اسلام پر اظہارِ ملامت کیا، اس درمیان میں عمیرؓ نے قرآن کی کچھ تعلیم حاصل کر لی اور آنحضرت ﷺ سے عرض کیا: ”اگر اجازت ہو تو میں مکہ میں جا کر اشاعتِ اسلام کا فرض انجام دوں، شاید خدا ان لوگوں کو ہدایت دے“ آپ ﷺ نے منظور فرمایا اور عمیرؓ نے مکہ میں آ کر بڑی سرگرمی سے تبلیغ شروع کر دی اور ان کی کوششوں سے بڑی تعداد اسلام کے شرف سے بہرہ ور ہوئی۔



حضرت ابورافع کا قبول اسلام

ابورافع ابتدا میں حضرت عباسؓ کے غلام تھے انہوں نے آنحضرت ﷺ کو دے دیا تھا اور حضور ﷺ نے اپنے خاندان میں شامل کر لیا تھا، حضرت عباسؓ کے اسلام کی خوشی میں آپ ﷺ نے انہیں آزاد کر دیا تھا۔

حضرت ابورافع ان لوگوں میں ہیں جن کے دل پر نبوت کا پر جلال چہرہ ہی دیکھ کر اسلام کا نقش بیٹھ گیا تھا، ان کے اسلام کے متعلق ان کا بیان ہے کہ ”ایک مرتبہ قریش نے مجھ کو آنحضرت ﷺ کے پاس کسی کام سے بھیجا، آپ ﷺ کو دیکھتے ہی میرا دل اسلام کی طرف ہو گیا، میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ اب میں واپس نہ جاؤں گا“، آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں قاصد کو نہیں روکتا اور عہد شکنی نہیں کرتا، اس وقت تم لوٹ جاؤ، اگر کچھ دنوں تک بدستور تمہارے دل میں اسلام کا جذبہ باقی رہا تو پھر چلے آنا“، چنانچہ اس وقت تو یہ واپس چلے گئے اور پھر دوبارہ حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔

لیکن بدر تک قریش کے خوف سے اسلام کا اعلان نہیں کیا، ایک دن چاہ زمزم کی چہار دیواری میں بیٹھے تیر درست کر رہے تھے، حضرت عباسؓ کی اہلیہ بھی پاس ہی بیٹھی ہوئی تھیں کہ اتنے میں ابولہب آ گیا اور حجرہ کی طناب کے پاس بیٹھا، اس کے بعد ابو سفیان آئے، ابولہب ان سے بدر کے حالات دریافت کرنے لگا اس نے کہا: ”کیا پوچھتے ہو مسلمانوں نے ہماری ساری قوت تباہ کر دی، بہتوں کو تہ تیغ کر ڈالا، کچھ لوگوں کو گرفتار کیا“، اس سلسلہ میں ایک عجیب و غریب واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ میدان

جنگ میں آسمان سے زمین تک سفید پوش سوار بھرے ہوئے تھے، اس پر ابورافع نے کہا: ”وہ فرشتے تھے“، یہ سن کر ابولہب نے ان کے منہ پر زور سے ایک طمانچہ مارا، یہ سنبھل کر لپٹ گئے مگر کمزور تھے اس لیے ابولہب نے شیخ دیا اور سینہ پر چڑھ کر جہاں تک مار سکا مارا، حضرت عباسؓ کی بیوی سے یہ ظلم نہ دیکھا گیا، انہوں نے ایک ستون اٹھا کر اس زور سے مارا کہ اس کا سر کھل گیا اور بولیں: ”اس کا آقا موجود نہیں اس لیے کمزور سمجھ کر مارتا ہے“، بدر کے بعد ہجرت کر کے مدینہ گئے اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ مقیم ہوئے۔



حضرت عقیل بن ابی طالب کا قبول اسلام

حضرت عقیل بن حضرت علیؑ کے سوتیلے بھائی اور عمر میں ان سے بیس سال بڑے تھے۔ عقیل کا دل ابتدا سے اسلام کی طرف مائل تھا لیکن مشرکین مکہ کے خوف سے علیؑ الاعلان اسلام نہیں قبول کر سکتے تھے، چنانچہ بدر میں بادلِ ناخواستہ مشرکین کے ساتھ شریک ہوئے اور جب ان کو شکست ہوئی تو دوسرے مشرکین کے ساتھ یہ بھی گرفتار ہوئے، آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؑ کو بھیجا کہ ”دیکھو میرے گھرانے والوں میں کون کون لوگ گرفتار ہوئے“، آپ نے تحقیقات کر کے عرض کیا کہ ”ذوقل، عباس اور عقیل گرفتار ہوئے ہیں“، یہ سن کر آنحضرت ﷺ خود بہ نفس نفیس تشریف لائے اور عقیل کے پاس کھڑے ہو کر فرمایا کہ ”ابو جہل قتل ہو گیا“، عقیل بولے ”اب تہامہ میں مسلمانوں کا کوئی مزاحم باقی نہیں رہا“، عقیل کے ہاتھ مال و دولت سے خالی تھے، اس لیے حضرت عباسؑ نے اپنی جیب سے ان کا قد یہ دے کر ان کو آزاد کرایا۔

آزاد ہونے کے بعد مکہ واپس گئے اور (۸ھ) میں باقاعدہ اسلام لاکر ہجرت

کا شرف حاصل کیا۔



حضرت نوفل بن حارث کا قبول اسلام

نوفلؓ آنحضرت ﷺ کے چچا زاد بھائی تھے، دعوتِ اسلام کے زمانہ میں آنحضرت ﷺ کے عزیز قریب بھی آپ ﷺ کے دشمن ہو گئے، لیکن نوفلؓ کے خون میں ہمیشہ یکساں برادرانہ محبت قائم رہی، چنانچہ حالتِ شرک میں بھی آپ ﷺ سے مقابلہ کرنا پسند نہ کرتے تھے، بدر میں جب طوعاً کرہاً مشرکین کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ کو نکلے، اس وقت یہ پر خلوص اشعار و رد زبان تھے۔

حرام علی حرب أحمد أننی

أری أحمداً منی قریباً أو اصره

”مجھ پر احمد سے جنگ کرنا حرام ہے، وہ میرے قریبی عزیز ہیں۔“

بدر میں جب مشرکین کو شکست ہوئی تو دوسرے قیدیوں کے ساتھ یہ بھی گرفتار ہوئے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”نوفل فدیہ دے کر رہا ہو جاؤ“، عرض کی: ”یا رسول اللہ ﷺ! میرے پاس فدیہ کے لائق کوئی چیز نہیں“، فرمایا: ”جدہ والے نیزے فدیہ میں دے دو“، اس کے جواب میں انہوں نے آپ ﷺ کی رسالت کا اعتراف کیا اور ہزار نیزے فدیہ میں پیش کئے اور ذیل کے اشعار میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

الیکم الیکم أننی لست منکم

تبرأت من دین الشیوخ الأکابر

”دور ہو، دور ہو، میں تمہاری جماعت میں نہیں ہوں، میں قریش کے بڑے

بوڑھوں کے دین سے بیزار ہوں۔“

شہدت علی أن النبی محمد
 أتى بالهدی من ربہ والبصائر
 ”میں نے شہادت دی ہے کہ محمد ﷺ نبی ہیں اور خدا کی جانب سے وہ ہدایت
 اور بصیرت لائے ہیں۔“

فان رسول اللہ یدعوا الی التقی
 وان رسول اللہ لیس لشاعر
 ”اور رسول اللہ ﷺ کی طرف بلا تے ہیں اور رسول اللہ ﷺ شاعر نہیں ہیں“
 علی ذلك أحيى ثم لبث موتا
 وأثوی علیہ میتافی المقابر
 ”میں اسی پر زندہ رہوں گا اور اسی پر میں قبر میں موت کی حالت میں سوؤں گا اور
 پھر اسی پر قیامت کے دن اٹھوں گا۔“

اسلام کے بعد پھر مکہ واپس چلے گئے غزوہ خندق یا فتح مکہ کے زمانہ میں حضرت
 عباسؓ کے ساتھ مدینہ کے قصد سے روانہ ہوئے، ابواء پہنچ کر ربیعہ بن حارث نے
 لوٹنے کا ارادہ کیا، نوفل نے کہا: ”اس شرک کدہ میں کہاں جاتے ہو، جہاں کے آدمی
 رسول اللہ ﷺ سے لڑتے اور ان کی تکذیب کرتے ہیں، اب خدا نے رسول
 اللہ ﷺ کو عزت دی ہے، اور ان کے ساتھی بھی زیادہ ہو گئے ہیں، ہمارے ساتھ چلے
 چلو، چنانچہ یہ قافلہ ہجرت کر کے مدینہ پہنچا۔“



حضرت طلیبؓ بن عمر کا قبول اسلام

طلیب کی ماں اروی عبدالمطلب کی لڑکی اور آنحضرت ﷺ کی پھوپھی تھیں، آنحضرت ﷺ کے ارقم کے گھر میں پناہ گزیں ہونے کے بعد دولت اسلام سے بہرہ ور ہوئے، قبول اسلام کے بعد گھر آئے اور ماں سے کہا: ”میں خلوص دل سے اسلام لا کر محمد ﷺ کا پیرو ہو گیا ہوں“، ان نیک خاتون نے جواب دیا کہ ”تمہارے بھائی غیروں سے زیادہ تمہاری مدد کے مستحق ہیں، اگر مجھ میں مردوں جیسی قوت ہوتی تو ان کو کفار کی درازدستیوں سے بچاتی“، ماں کے اس شریفانہ جذبات کو سن کر کہا کہ ”پھر آپ کو اسلام لانے سے کیا چیز روکتی ہے، آپ کے بھائی حمزہؓ بھی اسلام لا چکے“، بولیں ”مجھ کو اپنی بہنوں کا انتظار ہے کہ وہ کیا کرتی ہیں، ان کے بعد میں بھی ان کی ہی پیروی کروں گی“، طلیبؓ نے اصرار کیا کہ ”میں آپ کو خدا کا واسطہ دلاتا ہوں، آپ محمد ﷺ کے پاس چلئے اور ان کی رسالت اور خدا کی توحید کا اقرار کیجئے۔“

ان خاتون کا دل شروع سے آنحضرت ﷺ کی جانب مائل تھا، اس لیے اس اصرار پر انکار کی ہمت نہ ہوئی اور اسی وقت کلمہ توحید زبان پر جاری ہو گیا۔ ارویؓ نے عورت تھیں مگر اسلام کے بعد مردانہ ہمت و استقلال کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی امکانی مدد کرتی رہیں، نسائیت کی وجہ سے عملی امداد سے تو مجبور تھیں مگر زبان سے جو کچھ بن پڑتا تھا، کہتی تھیں اور اپنے فرزند کو آنحضرت ﷺ کی امداد و اعانت پر آمادہ کرتی تھیں۔

ابتدائے اسلام میں جب آنحضرت ﷺ پر ظلم و ستم کی بدلیاں گرج گرج کر

برستی تھیں، طلیبؓ آنحضرت ﷺ کی حمایت کرتے تھے، مشرکین نے حضور انور ﷺ کی ایذا رسانی کو اپنا مستقل شیوہ بنا لیا تھا، ایک مرتبہ عوف بن صبرہؓ سہمی آپ ﷺ کی شان میں ناروا الفاظ استعمال کر رہا تھا، طلیبؓ نے اس کو اونٹ کی ہڈی سے مار کر زخمی کر دیا تھا، لوگوں نے ان کی ماں سے شکایت کی، ان نیک خاتون نے جواب دیا:

ان طليبا نصر ابن خاله

واساء في دمه وماله

(طلیب نے اپنے ماموں کے پیٹے کی مدد کی اور اس کے خون اور مال کی غمخواری کی) ایک مرتبہ ابوہاب بن عزیز دارمی کو قریش نے آنحضرت ﷺ کے مارنے پر آمادہ کیا، مگر قبل اس کے کہ وہ یہ ناپاک ارادہ پورا کرتا، حضرت طلیبؓ سے ملاقات ہو گئی، آپ نے اس کے ارادہ فاسدہ کو اسی کے ساتھ پورا کر دکھایا۔

مشرکین کا سرغنہ ابولہب جو مسلمانوں کی ایذا رسانی میں سب سے آگے رہتا تھا، ان کا حقیقی ماموں تھا، جب اس نے مسلمانوں کو قید کیا تو طلیبؓ نے اس کو مارنے میں بھی دریغ نہیں کیا، اس جرات پر مشرکین نے ان کو باندھ دیا، لیکن ابولہب کے بھانجے تھے، اس لیے اس نے خود چھوڑ دیا اور اپنی بہن سے شکایت کی، انہوں نے جواب دیا کہ ”طلیبؓ کی زندگی کا بہترین دن وہی ہے جس میں وہ محمد ﷺ کی مدد کریں۔“



حضرت عمرو بن عبسہ کا قبول اسلام

عمرو مشہور صحابی حضرت ابو ذر غفاریؓ کے ماں جائے بھائی تھے، عمرو ابتدا ہی سے سلیم الفطرت تھے، چنانچہ زمانہ جاہلیت میں جب کہ سارا عرب بت پرستی میں مبتلا تھا ان کو اس سے نفرت تھی اور بت پرستوں کو گمراہ سمجھتے تھے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اصحابہ میں خود حضرت عمرو بن عبسہؓ سے روایت کی ہے کہ ”ہوش سنبھالتے ہی میں نے بتوں کی پرستش کا جو اگردن سے اتار پھینکا کیونکہ میرے دل میں یہ بات ڈال دی گئی تھی کہ یہ بت کسی کو نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتے، میں اس زمانے میں بت پرستوں کو سراسر گمراہی میں مبتلا خیال کرتا تھا، اسی دوران میں اہل کتاب سے میری ملاقات ہوئی، اس نے مجھے بتایا کہ ہمارے نوشتوں کے مطابق سر زمین مکہ سے ایک ایسے شخص کا ظہور ہونے کو ہے جو لوگوں کو بتوں کی پرستش سے منع کرے گا اور ایک ان دیکھے معبود کی پرستش کی دعوت دے گا اور اس کی شریعت تمام شریعتوں سے افضل ہوگی، یہ سن کر میں ہر وقت اس انتظار میں رہنے لگا کہ کب مجھے ایسے شخص کے ظہور کی اطلاع ملتی ہے، چنانچہ جو شخص مکہ سے آتا، میں اس سے وہاں کے تازہ حالات دریافت کرتا، ایک دن مکہ سے آنے والے ایک شخص نے مجھے بتایا کہ مکہ میں ایک شخص ظاہر ہوا ہے جو لوگوں کو بتوں کی پوجا سے منع کرتا ہے اور خدائے واحد پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے اس کے عمدہ طور طریقوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک اچھے دین کا داعی ہے۔“

چنانچہ بعثت نبوی کی خبر پا کر مکہ آئے، اس وقت آنحضرت ﷺ مشرکین کی

معاندانہ روش کے باعث علی الاعلان دعوت اسلام نہیں کرتے تھے، اس لیے عمرو بن عبسہؓ نے خفیہ طور پر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سوال کیا: ”آپ کون ہیں؟“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”نبی ہوں“، پوچھا: ”نبی کیا چیز ہے؟“ فرمایا: ”مجھ کو خدا نے بھیجا ہے“، پوچھا: ”کن تعلیمات کے ساتھ؟“ فرمایا: ”صلوہ رحمی، بت شکنی اور توحید کے ساتھ“، پوچھا: ”کسی اور نے بھی اس دعوت کو قبول کیا؟“ فرمایا: ”ہاں ایک غلام اور ایک آزاد نے“، اس وقت صدیق اکبرؓ اور حضرت بلالؓ آپ کے ساتھ تھے، اس سوال و جواب کے بعد عرض کی: ”مجھ کو بھی خدا پرستوں کے زمرہ میں داخل کیجئے، میں آپ کے ساتھ ہی رہوں گا“، فرمایا: ”ایسی حالت میں جب کہ ہر چہار جانب سے میری مخالفت کے طوفان اٹھ رہے ہیں، میرے ساتھ کیسے رہ سکتے ہو؟ اس وقت تم وطن واپس جاؤ، میرے ظہور کے بعد پھر چلے آنا“۔

غرض مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد حسب ارشاد نبوی وطن لوٹ گئے اور آنے جانے والوں سے برابر حالات کا پتہ چلاتے رہے، اتفاق سے یثرب کے کچھ لوگ آپ کے یہاں آ گئے، ان سے پوچھا کہ ”جو شخص مدینہ آیا ہے، اس کا کیا حال ہے؟“ انہوں نے کہا کہ ”لوگ جوق در جوق اس کی طرف ٹوٹ رہے ہیں، اس کی قوم نے تو اس کو قتل کر دینے کا تہیہ کر لیا تھا مگر قتل نہ کر سکی، اب وہ مدینہ آ گیا ہے“۔

اس خبر کے بعد وہ مدینہ روانہ ہو گئے اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا تعارف کرایا، آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں نے تم کو پہچان لیا، تم مکہ میں مجھ سے ملے تھے“، پھر کچھ صوم و صلوات کے مسائل وغیرہ دریافت کر کے وہیں مقیم ہو گئے۔



حضرت ولید بن ولیدؓ کا قبول اسلام

مشہور صحابی خالد بن ولیدؓ اور آپ ایک ہی ماں کے بطن سے تھے، بدر میں مسلمانوں کے خلاف مشرکین کے ساتھ لڑنے نکلے اور شکست کھا کر عبد اللہ بن جحشؓ کے ہاتھوں گرفتار ہوئے، دونوں بھائی خالد بن ولیدؓ اور ہشام بن ولیدؓ چھڑانے کے لیے آئے، حضرت عبد اللہ بن جحشؓ نے چار ہزار زرفدیہ طلب کیا، خالدؓ کو اتنی بڑی رقم دینے میں تردد ہوا، ہشام نے کہا: ”تم کو کیا لاگ ہوگی، تم تو اس کے بھائی ہو نہیں، اگر عبد اللہؓ اس سے بھی زیادہ مانگیں تو بھی چھڑانا ہے“، دوسری روایت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے رہائی کے معاوضہ میں نقد کے بجائے ان کے والد کی زرہ، تلوار اور خود طلب کی، مجبوراً یہ قیمت بھی ادا کی اور رہائی کے بعد بھائیوں کے ساتھ گھر روانہ ہو گئے، ذوالحلیفہ پہنچ کر بھاگ آئے، اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہو گئے، دو بارہ جب بھائی سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا: ”جب تم کو اسلام ہی لانا تھا تو پھر فدیہ کے قبل کیوں نہ مسلمان ہو گئے، خواہ مخواہ والد کی نشانیاں بھی ضائع ہوئیں اور کوئی نتیجہ نہ نکلا“، کہا: ”اس وقت اسلام اس لیے نہیں لایا کہ میں بھی اپنے قبیلہ کے لوگوں کی طرح فدیہ دے کر آزاد ہونا چاہتا تھا، تا کہ قریش کو یہ طعنہ دینے کا موقع نہ ملے کہ ولید فدیہ کے ڈر سے مسلمان ہو گیا“۔

اسلام لانے کے بعد مکہ لوٹ گئے، راستہ میں بھائیوں نے تو کوئی تعرض نہ کیا مگر مکہ پہنچ کر دوسرے بلاکشان اسلام کی طرح ان کو بھی قید کر دیا اور عیاش بن ربیعہؓ اور سلمہ بن ہشامؓ کے ساتھ طوق و سلاسل کی نگرانی میں دن کاٹنے لگے، بدر کے قبل آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم عیاشؓ اور سلمہؓ کے لیے دعا فرماتے تھے، بدر کے بعد جب ولیدؓ قید ہوئے تو ان کے لیے بھی دعا فرمانے لگے۔

عرصہ تک قید محن کی مصیبتیں جھیلتے رہے، ایک دن موقع پا کر نکل بھاگے اور سیدھے مدینہ پہنچے، آنحضرت ﷺ نے عیاشؓ اور سلمہؓ کا حال پوچھا، عرض کیا: ”ان پر بہت سختیاں ہو رہی ہیں، ایک بیڑی میں دونوں کے پیر ڈال دیئے گئے ہیں“، فرمایا: ”تم واپس جاؤ، وہاں کالو ہار اسلام قبول کر چکا ہے، اس کے یہاں ٹھہرو اور قریش کی آنکھ بچا کر خفیہ عیاشؓ اور سلمہؓ کے پاس پہنچو اور ان سے کہو کہ میں رسول اللہ ﷺ کا قاصد ہوں میرے ساتھ نکل چلو“۔

اس فرمان کے مطابق یہ مکہ پہنچے اور عیاشؓ و سلمہؓ سے مل کر ان کو آنحضرت ﷺ کا پیغام سنا دیا، یہ دونوں نکل کر ساتھ ہو گئے، قریش کو خبر ہوئی تو خالد بن ولید نے کچھ لوگوں کو لے کر تعاقب کیا، مگر ناکام رہے اور یہ مختصر قافلہ بخیر و خوبی مدینہ پہنچ گیا۔

عمرۃ القضا میں یہ آنحضرت ﷺ کے ہمراہ تھے، خالد اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے، اس لیے کہیں روپوش ہو گئے تھے کہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کا سامنا نہ ہو، آپ ﷺ نے ولیدؓ سے فرمایا: ”اگر خالد میرے پاس آتے تو میں ان کا اعزاز و اکرام کرتا، مجھ کو سخت تعجب ہے کہ ان کے ایسے زریک و داناشخص کے دل میں ابھی تک اسلام کا اثر نہیں ہوا“، چنانچہ ولیدؓ نے خالد کو خط لکھا، اس خط سے ان کا دل اسلام کی طرف مائل ہو گیا اور یہ میلان آئندہ چل کر اسلام کی شکل میں ظاہر ہوا۔



حضرت سلمہ بن ہشام کا قبول اسلام

سلمہ مشہور دشمن اسلام ابو جہل کے بھائی تھے، دعوتِ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں مشرف بہ اسلام ہوئے اور ہجرت کر کے حبشہ گئے، لیکن کچھ دنوں کے بعد اہل مکہ کے اسلام کی غلط خبر سن کر دوسرے مہاجرین کے ساتھ واپس آ گئے، اس خبر کی تردید کے بعد اور لوگ تو واپس چلے گئے، لیکن ان کو ابو جہل نے نہ جانے دیا اور طرح طرح کی تکلیفیں پہنچانا شروع کیں، کھانا پینا بالکل بند کر دیا، مار پیٹ بھی کرتا تھا، لیکن یہ وہ نشہ نہ تھا جس کو سختی کی تلخی اتار دیتی، اس لیے اس کی تمام کوششیں ناکام ہوئیں، ابھی اسلام بھی اتنا قوی نہیں ہوا تھا کہ آنحضرت ﷺ کچھ مدد فرماتے لیکن نماز کے بعد سلمہ اور ان کے ساتھیوں کے لیے دعا فرماتے تھے کہ ”خدا یا! ولید بن ولید، سلمہ بن ہشام، اور عیاش بن ربیعہ کو مشرکین مکہ کی سختیوں سے نجات دلا“۔

ولید کے حالات میں ان کے ذریعہ سلمہ کی رہائی اور ان کے مدینہ آنے کا واقعہ گذر چکا ہے۔



حضرت حجاج بن علاط کا قبول اسلام

حجاج خیبر کے قبل مشرف بہ اسلام ہوئے، اسلام کا محرک یہ واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ چند ساتھیوں کے ساتھ مکہ جا رہے تھے، راستہ میں ایک بھیا تک وادی میں رات ہو گئی اس لیے سب لوگ وہیں شب باش ہو گئے، حجاج سب کی پاسبانی کرنے لگے، اتنے میں کوئی شخص یہ تلاوت کرتا سنائی دیا:

﴿يا معشر الجن والانس ان استطعتم ان تنفذوا من اقطار السموات والارض فانفذوا لاتنفذون الا بسطان﴾ (اے جن و انس کے گروہ! اگر تم آسمانوں اور زمین کے کناروں سے نکل سکتے ہو تو نکل جاؤ اور تم بغیر سلطان کے نہ نکل سکو گے)

مکہ پہنچے تو یہ واقعہ قریش سے بیان کیا، انہوں نے کہا: ”معلوم ہوتا ہے کہ تم بے دین ہو گئے، یہ تو وہی کلام ہے جو محمد ﷺ کے زعم میں ان کے اوپر نازل ہوتا ہے“، حجاج نے ان کے واقعہ کی تصدیق اپنے ہمراہیوں سے کرائی اور مدینہ آ کر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔



حضرت ہشامؓ بن عاص کا قبول اسلام

ہشام مشہور صحابی عمر بن عاصؓ فاتح مصر کے چھوٹے بھائی تھے، خوش بختی اور بد بختی عمر کے تفاوت پر منحصر نہیں، گو ہشام عمر بن عاصؓ سے عمر میں چھوٹے تھے، لیکن ان کی قسمت ان سے زیادہ اور ان کا بخت ان سے زیادہ بیدار تھا، چنانچہ عمر بن عاصؓ جب کفر کی ضلالت میں گھرے ہوئے تھے، اس وقت ہشامؓ کی پیشانی پر اسلام کا نور چمک رہا تھا، اسلام کے بعد حضرت ہشامؓ لو ان کے والدین اور دوسرے اہل خاندان نے نشانہ ستم بنایا، وہ کئی سال تک طرح طرح کی سختیاں جھیلتے رہے لیکن انہوں نے جادۂ حق سے ہٹنے کا کبھی تصور بھی نہ کیا، جب مسلمانوں پر کفار کے مظالم ناقابل برداشت حد تک پہنچ گئے تو حضور ﷺ نے انہیں حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کی ہدایت فرمائی، اور وہ مہاجر قافلہ کے ساتھ حبشہ گئے، کچھ دنوں رہ کر آنحضرت ﷺ کی ہجرت کی خبر سن کر مکہ واپس آئے یہاں سے پھر مدینہ کا قصد کیا لیکن باپ اور اہل خاندان نے قید کر دیا، عرصہ تک قید رہے، غزوہ خندق کے بعد موقع ملا تو مدینہ آئے۔



حضرت ابو احمد بن حشیش کا قبول اسلام

ان کی والدہ امیمہ عبدالمطلب کی بیٹی تھیں، اور یہ ام المؤمنین حضرت زینب کے حقیقی بھائی اور آنحضرت ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔

وہ اپنے بھائی عبداللہ اور عبید اللہ کے ساتھ دعوتِ اسلام کے آغاز یعنی آنحضرت ﷺ کے ارقم کے گھر میں پناہ گزیں ہونے کے قبل مشرف بہ اسلام ہوئے، اور بھائیوں کے ساتھ ہی ہجرت کر کے مدینہ آ گئے، اور ہشیر بن منذر کے گھر مہمان ہوئے۔

مکہ میں ایک جماعت تھی، جس کا مقصد صرف اسلام کو نقصان پہنچانا اور مسلمانوں کا اذیت دینا تھا، ابوسفیان اور ابو جہل اس کے سرغنہ تھے، ابو احمد ہجرت کے بعد ان کے قابو سے باہر ہو چکے تھے، اس لیے براہِ راست ان پر کسی قسم کا ظلم نہیں کر سکتے تھے، چنانچہ انہوں نے ان کا گھر ابن علقمہ عامری کے ہاتھ بیچ ڈالا، فتح مکہ میں جب مسلمان فاتحانہ مکہ میں داخل ہوئے اور دشمنانِ اسلام کی قوتیں ٹوٹ گئیں، اس وقت ابو احمد نے سب کے سامنے اپنے مکان کا مطالبہ کیا، لیکن آنحضرت ﷺ نے حضرت عثمانؓ کے ذریعہ چپکے سے کچھ کہلا دیا، انہوں نے ابو احمد کے کان میں جا کر کہہ دیا، اس کے بعد پھر آخری دم تک انہوں نے مکان کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں کہا، بعد کو ان کی اولاد سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عثمانؓ کے ذریعہ سے کہلایا تھا کہ ”تم اس مکان کو جانے دو اور اس کے عوض میں تم کو خلد بریں قصر ملے گا“۔

حضرت عمرو بن سعید کا قبول اسلام

حضرت عمرو خالد بن ولیدؓ کے پھوپھی زاد بھائی تھے، ان کے گھر میں سب سے پہلے ان کے بھائی خالد بن سعیدؓ شرف بہ اسلام ہوئے ان کے کچھ ونوں کے بعد عمروؓ دائرۃ اسلام میں داخل ہوئے، ان کے والد اور دادا سخت مشرک تھے، باپ اور دوسرے اہل خاندان نے ان پر قبول اسلام کے جرم میں بے پناہ سختیاں کیں، لیکن نشہ توحید ایسا نہیں تھا جو سختیوں کی ترشی سے اتر جاتا، اسی زمانے میں ان کے تیسرے بھائی ابان نے جو ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے، دونوں بھائیوں کے اسلام پر اشعار میں ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔

ألا ليت ميتا بالظريية شاهد

لما يفتري في الدين عمرو و خالد

ان تینوں کے والد مقام ظریبہ میں دفن تھے ان کی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے کہ (کاش ظریبہ کامرنے والا دیکھتا کہ عمرو اور خالد نے دین میں کیا افترا پردازی

کی ہے)

حضرت عمروؓ نے بھی اس کا جواب نظم میں دیا جس کا آخری شعر یہ ہے:

فدع عنك ميتا قدمضى بسبيله

واقبل على الحق الذى هو أظهر

(اب اس مرنے والے کا تذکرہ چھوڑ دو جو اپنا راستہ لے چکا اور اس حق کی

طرف آؤ جس کا حق ہونا بالکل ظاہر ہے)

عمرو بن سعیدؓ اپنے بھائی خالد کی ہجرت کے دو سال بعد ہجرت ثانیہ میں مع اپنی بیوی فاطمہ کے حبشہ کی طرف ہجرت کی، اور وہاں سے مسلمانوں کے قافلہ کے ساتھ کشتی کے ذریعہ سے غزوہ خیبر کے دوران میں مدینہ پہنچے۔

حضرت ابان بن سعید کا قبول اسلام

اسلام لانے کے قبل ابان بھی دوسرے اہل خاندان کی طرح آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کے سخت خلاف تھے، چنانچہ جب ان کے بھائی خالد اور عمر و شرف بہ اسلام ہوئے تو انہوں نے اشعار میں اظہارِ ناراضی کیا، جیسا کہ عمرو بن سعید کے اسلام میں گذر چکا ہے۔

غزوہ بدر میں مسلمانوں کے خلاف مشرکین کی حمایت میں اپنے بھائی عبیدہ اور عاص کے ساتھ لڑنے نکلے، عبیدہ اور عاص مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے گئے لیکن ابان بچ کر نکل گئے۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر جب آنحضرت ﷺ نے حضرت عثمان کو قریش کے پاس صلح کی گفتگو کے لیے بھیجا تو وہ ابان ہی کے یہاں مہمان ہوئے تھے، کیونکہ یہ حضرت عثمان کے عزیز تھے، اور انہوں نے ان کی حفاظت کی ذمہ داری لی تھی۔

گو وہ اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف تھے لیکن اصل حقیقت کی جستجو رہتی تھی، اور آنحضرت ﷺ کی نبوت کے بارے میں واقف کاروں سے پوچھا کرتے تھے، اس وقت ملک شام اصحاب علم و خبر کا مرکز تھا، یہ تجارت کے سلسلہ میں وہاں جایا کرتے تھے، ایک مرتبہ ایک راہب سے کہا: ”میں قبیلہ قریش سے تعلق رکھتا ہوں اسی قبیلہ کا ایک شخص اپنے کو خدا کا رسول ظاہر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھ کو بھی خدا نے عیسیٰ اور موسیٰ کی طرح نبی بنا کر بھیجا ہے،“ راہب نے نام پوچھا، انہوں نے کہا: محمد ﷺ، راہب نے صحف آسمانی کی رو سے نبی مبعوث کا سن اور نسب وغیرہ بتایا، ابان نے کہا: ”یہ تمام

باتیں تو اس شخص میں موجود ہیں، راہب نے کہا: ”تو خدا کی قسم! وہ شخص عرب پر اقتدار حاصل کرنے کے بعد تمام دنیا پر چھا جائے گا، تم واپس جانا تو خدا کے اس نیک بندہ تک میرا سلام پہنچا دینا“، چنانچہ ابانؓ جب واپس ہوئے تو رنگ بدل چکا تھا، اور اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ وہ پر خاش باقی نہ رہی، کچھ دنوں تک آبائی مذہب کی لاج اور ہم چشموں کی طعنہ زنی کے خیال سے خاموش رہے لیکن زیادہ دنوں تک جذبہ حق نہ دب سکا اور خیبر کے قبل مشرف بہ اسلام ہو گئے، اور غالباً اسلام کے بعد ہی ہجرت کی سعادت بھی حاصل کی۔



حضرت عمرو بن امیہ کا قبول اسلام

حضرت عمروؓ بدر واحد کی لڑائیوں میں مشرکین کے ساتھ تھے، اور مسلمانوں کے خلاف نہایت شجاعت اور پامردی سے لڑے، لیکن بدر واحد کے معرکوں میں جو شخص مسلمانوں کے خون سے پیاس بجھانے آیا تھا وہ احد کے بعد اسلام کے سرچشمہ ایمان سے سیراب ہو گیا، اسلام لانے کے بعد سب سے پہلے پیر معونہ میں شریک ہوئے۔

۶ھ میں آنحضرت ﷺ نے ان کو نجاشی کے پاس دعوتِ اسلام کا خط لے جانے پر مامور کیا، اس خط میں دعوتِ اسلام کے علاوہ مہاجرین کی میزبانی کی سفارش اور حضرت ام حبیبہؓ کے ساتھ نکاح کا پیغام بھی تھا، اس دعوت نامہ کے اثر سے نجاشی حضرت جعفرؓ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوا اور آنحضرت ﷺ کے نامہ مبارک کے جواب میں ایک عریضہ لکھا، جس میں اسلام کا اقرار، قدم بوسی کی تمنا اور مہاجرین کی میزبانی وغیرہ کا ذکر تھا، اس کے بعد نجاشی نے حضرت ام حبیبہؓ کو آنحضرت ﷺ کی طرف سے نکاح کا پیغام دیا اور خود آنحضرت ﷺ کی طرف سے وکیل بنا اور نکاح کے بعد آپ ﷺ کی طرف سے چار سو دینار مہر معجل ادا کیا۔



حضرت نعیمؓ بن مسعود کا قبول اسلام

غزوہٴ احزاب (۵ھ) میں اپنے قبیلہ کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ کو نکلے وہ اس وقت اپنے آبائی مذہب پر تھے، لیکن آنحضرت ﷺ سے قدیم شناسائی کی بنا پر ان کا دل اسلام سے متاثر تھا، غزوہٴ احزاب میں یہ اثر پورے طور پر نمایاں ہو گیا، چنانچہ ایک دن کسی کو اطلاع دیے بغیر مغرب و عشاء کے درمیان آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت آپ ﷺ نماز میں مشغول تھے، اس سے فارغ ہونے کے بعد ان کو دیکھا، پوچھا: ”کیسے آئے ہو؟“ عرض کیا: ”حلقہ بگوش ہونے آیا ہوں، جو خدمت میرے قابل ہو اس کے لیے میں حاضر ہوں“، فرمایا: ”اگر ان قبائل کو کسی طرح ہٹا سکتے ہو تو ہٹانے کی کوشش کرو“، گو عرب کے ٹڈی دل قبائل کا منتشر کرنا آسان نہ تھا، لیکن نعیمؓ نے ان میں پھوٹ ڈلوادی، پہلے بنو قریظہ کے پاس گئے اور کہا: ”قریش اور غطفان کا کوئی اعتبار نہیں، اگر موقع ملا تو وہ مسلمانوں سے لڑیں گے ورنہ واپس چلے جائیں گے، تم لوگوں کو ہمیشہ مسلمانوں کے ساتھ رہنا ہے، اس لیے تم درمیان میں پڑ کر خواہ مخواہ کیوں جھگڑا خریدتے ہو، اگر تم کو قریش کا ساتھ ہی دینا ہے تو ان کے کچھ آدمی ضمانت کے طور پر اپنے یہاں رکھ لو کہ وہ کسی قسم کی بد عہدی نہ کر سکیں“، ان لوگوں نے یہ مشورہ قبول کیا، اس کے پاس ابوسفیان کے پاس گئے، اور کہا: ”قریظہ مسلمانوں کے ساتھ کشیدگی پر بہت نادم ہیں اور ان سے از سر نو تعلقات خوشگوار بنانا چاہتے ہیں، چنانچہ انھوں نے محمد ﷺ کے پاس کہلا بھیجا ہے کہ ہم قریش اور غطفان کے ستر (۷۰) آدمی عنقریب تمہارے پاس بھیجیں گے، تم ان کی گردن اڑا کر اپنا بدلہ

لینا اور ان دونوں کے ہٹانے میں بھی ہم تمہارے معاون و مددگار رہیں گے، اس لیے میرا دوستانہ مشورہ ہے کہ تم ان کے دام فریب میں نہ آؤ، اگر وہ ضمانت وغیرہ میں کچھ آدھی مانگیں تو ہرگز نہ دو، اس کے بعد اپنے قبیلہ غطفان کو بھی یہی مشورہ دیا، یہ خود اس قبیلہ کے آدمی تھے، اس لیے سب نے متفقہ ان کی تائید کی۔

اس کے بعد بنو قریظہ نے ابوسفیان کے پاس آدھی بھیجا کہ ہم کو خطرہ ہے کہ تم لوگ ہم کو چھوڑ کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دو گے، اس لیے ہم اس وقت تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنے میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتے جب تک ہمارے اطمینان کے لیے ستر (۷۰) آدھی ضمانت کے طور پر ہمارے یہاں بھیج نہ دو، ابوسفیان نے کہا: ”نعیم کا کہنا سچ تھا“، اس کے بعد غطفان کے پاس بھی یہی پیام بھیجا، لیکن سب نے آدھی دینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ”ہم آدھی تو نہیں دے سکتے اگر تم کو یقین نہیں ہے تو ہم سے الگ ہو کر تم خود مسلمانوں سے مقابلہ کرو“، یہودیوں نے کہا: ”توراہ کی قسم! نعیم کا کہنا بالکل سچ تھا“، غرض اس کے بعد کسی کو ایک دوسرے پر اعتبار نہیں رہا اور آپس میں پھوٹ پڑ گئی۔

اتفاق سے اسی دوران میں ہوا کا ایسا طوفان آیا کہ خیموں کی طنائیں اکٹرا کر گئیں اور چولہوں پر سے ہاندیاں الٹ گئیں، غرض کچھ نا اتفاقی اور کچھ موسم کی خرابی کی وجہ سے سب نے اپنی اپنی راہ لی اور نعیم کی کارکردگی سے کفار کے بادل ہوا بن کر اڑ گئے، اس غزوہ کے بعد ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے۔



حضرت عیاشؓ بن ابی ربیعہ کا قبول اسلام

عیاش مشہور دشمن اسلام ابو جہل کے ماں جائے بھائی تھے، اگرچہ وہ ابو جہل جیسے کینہ پرور کے بھائی اور اس کے ہم صحبت تھے تاہم ان کا آئینہ قلب کدورتوں سے پاک اور پرتو حق قبول کرنے کے لیے آمادہ تھا، چنانچہ دعوت اسلام کے ابتدائی ہی ایام میں یعنی آنحضرت ﷺ کے ارقم کے گھر میں تشریف لانے کے قبل دولت اسلام سے بہرہ ور ہوئے، اور ہجرت ثانیہ میں مع اپنی بیوی اسماء کے ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے، یہاں ایک صاحب زادہ عبد اللہ پیدا ہوئے، پھر حبشہ سے مکہ آئے اور مکہ سے حضرت عمرؓ کے ساتھ ہجرت مدینہ کا شرف حاصل کیا۔

ابو جہل جو دوسروں کو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف برا بیچتہ کرتا تھا، اور اس جرم میں اپنے زیر دستوں کو سخت سے سخت سزائیں دیتا تھا، اپنے بھائی کا اسلام کس طرح ٹھنڈے دل سے گوارا کر لیتا، چنانچہ ان کی تلاش میں مکہ سے مدینہ آ گیا، اور عیاشؓ سے کہا کہ ”والدہ تمہاری جدائی سے سخت بیقرار ہیں اور انہوں نے قسم کھالی ہے کہ جب تک وہ تم کو دوبارہ نہ دیکھ لیں گی اس وقت تک نہ سر میں تیل ڈالیں گی اور نہ سایہ میں بیٹھیں گی“، عیاشؓ ماں کی یہ حالت سن کر ان کی محبت میں ابو جہل کے ساتھ مکہ واپس آ گئے، یہاں پہنچ کر ابو جہل نے ان کو قید کر دیا اور وہ عرصہ تک اس قید میں گرفتار رہے، آنحضرت ﷺ دوسرے مسلمان قیدیوں کے ساتھ ان کے لیے بھی دعا فرماتے تھے کہ ”خدا یا! ان کو مشرکین کے ظلم سے نجات دلا“۔

عیاشؓ کے ساتھ ایک اور بزرگ ولید بھی اسی جرم میں قید تھے، وہ کسی طرح چھوٹ کر نکل گئے اور آنحضرت ﷺ سے ان کی مصیبت بیان کی، آنحضرت ﷺ نے انہیں دوبارہ عیاشؓ اور سلمہ کو چھڑانے کے لیے واپس کیا، چنانچہ یہ مکہ گئے اور ان دونوں بزرگوں کو قید سے نکال لائے۔

حضرت ابو فکیہہ کا قبول اسلام

ابو فکیہہؓ ابتدا میں بنو عبد دار کے غلام تھے، دعوتِ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں مشرف بہ اسلام ہوئے، آغاز دعوت میں آزاد مسلمان بھی مشرکین مکہ کے ظلم و ستم سے محفوظ نہ تھے، ابو فکیہہؓ تو بے یار و مددگار غلام تھے اور سنگدل آقا خود آمادہ ستم تھے، اس لیے اسلام لانے کے بعد ظلم و ستم کا نشانہ بن گئے اور بنو عبد دار ان کو طرح طرح کی درد انگیز سزائیں دیتے تھے، ٹھیک دوپہر میں تپتی ہوئی ریت پر منہ کے بل لٹا کر پیٹھ پر ایک بھاری پتھر رکھ دیتے تھے تاکہ جنبش نہ کر سکیں اور اس عبرت انگیز سزا کا سلسلہ اس وقت تک قائم رہتا جب تک ابو فکیہہؓ بے ہوش نہ ہو جاتے، ایک مرتبہ ان کے سینہ پر اتنا بھاری بوجھ رکھ دیا کہ ان کی زبان نکل پڑی، ایک مرتبہ امیہ نے پاؤں میں پیڑیاں ڈال کر گھسیٹ کے جلتی ہوئی ریت میں ڈال دیا، ادھر سے ان کا بیٹا صفوان گزرا یہ بھی گرگ زادہ تھا، ابو فکیہہؓ سے پوچھا: ”کیا یہ (امیہ) تیرے رب نہیں ہیں؟“ اس حالت میں انہوں نے جواب دیا کہ ”میرا رب خدا ہے“، اس جواب پر صفوان نے غضبناک ہو کر ابو فکیہہؓ کا گلا گھونٹنا شروع کیا، اس کے دوسرے بھائی نے لکارا کہ ”ڈرا اور زور سے“، صفوان نے شکنجہ اور کس دیا اور اس وقت چھوڑا جب موت کا خطرہ پیدا ہو گیا، حسن اتفاق سے اسی وقت ستم زدہ غلاموں کے مولیٰ ابو بکرؓ ادھر سے گزرے، انہوں نے اس حال میں دیکھا تو خرید کر آزاد کر دیا۔

حضرت نعیم النحام کا قبول اسلام

ان کے نحام کے لقب کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ ”میں نے جنت میں نعیم کی ”نجمہ“ یعنی آواز سنی“، اسی وقت سے ”نحام“ ان کا لقب ہو گیا۔

نعیم نے اس وقت توحید کی دعوت پر لبیک کہا جب کل ۹/۱۰ یا ۱۰/۹ بندگانِ خدا نے اس دعوت حق کا جواب دیا تھا، حتیٰ کہ حضرت عمرؓ بھی اس وقت تک کفر کی تاریکی میں محصور تھے، لیکن اس زمانہ میں اسلام کا اظہار مکہ میں شدید ترین جرم تھا، اس لیے عرصہ تک اسلام کا اعلان نہ کر سکے، ہجرت کے اذن کے بعد جب مسلمانوں کے لیے مدینہ کا دروازہ کھلا تو انہوں نے بھی ہجرت کا ارادہ کیا، مگر بنی عدی کی جن بیواؤں اور یتیموں کی پرورش اور خیر گیری کرتے تھے انہوں نے التجا کی کہ ”ہم کو چھوڑ کر نہ جائیے جس مذہب میں دل چاہے رہیے مگر جانے کا قصد نہ کیجئے، آپ سے کوئی شخص تعرض نہیں کر سکتا، پہلے ہم سب کی جانیں قربان ہو جائیں گی، اس وقت آپ کو کوئی تکلیف پہنچ سکے گی“، اس مجبوری کی بنا پر ابتدا میں ہجرت کا شرف حاصل نہ ہو سکا، لیکن یتیموں اور بیواؤں کی پرورش خود ایسی فضیلت ہے جس کے مقابلہ میں ہجرت کی تاخیر چنداں اہمیت نہیں رکھتی۔

۶ھ میں اپنے چالیس اہل خاندان کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ گئے، آنحضرت ﷺ نے گلے لگا کر بوسہ دیا اور فرمایا: ”نعیم! تمہارا قبیلہ تمہارے حق میں میرے قبیلہ سے بہتر تھا“، انہوں نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ قبیلہ بہتر تھا“، فرمایا: ”یہ کیسے؟ میرے قبیلہ نے تو مجھ کو نکال دیا مگر تمہارے قبیلہ نے تم کو ٹھہرائے رکھا“، عرض کیا: ”یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ کی قوم نے آپ ﷺ کو ہجرت پر آمادہ کیا اور میری قوم نے مجھ کو اس شرف سے محروم رکھا“۔

حضرت سہیل بن بیضاء کا قبول اسلام

سہیلؓ اسلام لانے سے پہلے بھی منصب مزاج اور رقیق القلب تھے، چنانچہ دعوتِ اسلام کے آغاز میں جب قریش نے آپس میں معاہدہ کر کے آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کے خاندان والوں کو شعب ابی طالب میں محصور کر دیا اور بنو ہاشم کئی برس تک مصیبتیں جھیلتے رہے تو آخر میں بعض خداترس اور منصف مزاج لوگوں نے اس معاہدہ کے خلاف صدائے احتجاج بلند کیا اور ان کی کوشش سے یہ معاہدہ ٹوٹا ان عدل پرور لوگوں میں سہیل بھی تھے۔

اس واقعہ کے کچھ ہی دنوں کے بعد سہیل مشرف بہ اسلام ہوئے لیکن مشرکین مکہ کے خوف سے اپنے اسلام کا اعلان نہیں کیا اور مذہبی فرائض خفیہ ادا کرتے رہے۔ غزوہ بدر تک انھوں نے اسلام کا اعلان نہیں کیا تھا اور مشرکین مکہ ان کو آبائی مذہب پر سمجھتے تھے، چنانچہ اپنے ساتھ بدر میں لے گئے، جب مشرکین کو شکست ہوئی تو سہیل بھی گرفتار ہوئے، عبداللہ بن مسعودؓ ان کے اسلام سے واقف تھے اور مکہ میں ان کو نماز بھی پڑھتے دیکھ چکے تھے، چنانچہ ان کی شہادت پر سہیلؓ کی رہائی ہوئی، رہائی کے بعد مستقل مدینہ میں رہنے لگے۔

ان کے بھائی سہیل بن بیضاء بھی دعوتِ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں مشرف بہ اسلام ہوئے، اسلام کے بعد ہجرت کر کے حبشہ گئے وہاں عرصہ تک مقیم رہے، اور جب اسلام کی علانیہ تبلیغ ہونے لگی تو مکہ واپس آئے، پھر آنحضرت ﷺ کے ساتھ مدینہ گئے، ان کے ایک بھائی صفوان بن بیضاء بھی ارض مکہ میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔

حضرت ابوقیسؓ بن حارث کا قبول اسلام

ان کے دادا قیس بن عدی سرداران قریش میں سے تھے، اور باپ حارث اس کینہ پرور گروہ میں تھا جو قرآن مجید کا مذاق اڑایا کرتا تھا اور جس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی تھی:

﴿الذین جعلوا القرآن عضین فوریبک لنسئلنہم أجمعین
 عما کانوا یعملون فاصدع بما تؤمر وأعرض عن المشرکین انا
 کفیناک المستہزین﴾ (جن لوگوں نے قرآن کے ٹکڑے ٹکڑے
 کر ڈالے، تمہارے رب کی قسم! ہم ان کے اعمال کی ضرور باز پرس کریں
 گے، پس تم کو جو حکم دیا گیا ہے اس کو کھول کر دنا دو، اور مشرکین کی پرواہ نہ
 کرو، جو لوگ تم پر ہنستے ہیں ہم ان کے لیے کافی ہیں)

لیکن اسی آزر کے گھر میں ابوقیسؓ جیسا بت شکن پیدا ہوا، جس نے دعوت حق کی
 آواز سنتے ہی لبیک کہا اور سبقت فی الاسلام کا شرف حاصل کیا، اسلام کے بعد پھر
 ہجرت حبشہ کا شرف حاصل کیا، احد اور خندق وغیرہ سب میں شریک رہے۔



حضرت عامر بن ابی وقاص کا قبول اسلام

عامر مشہور صحابی حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فاتح ایران کے حقیقی بھائی اور امیر معاویہؓ کے بھانجے تھے۔

حضرت عامرؓ کے نانا ابوسفیان اسلام اور پیغمبر اسلام کے سخت دشمن تھے، لیکن حضرت عامرؓ نے اس ماحول میں اور اس وقت دعوت اسلام کو لبیک کہا جب مسلمانوں کی تعداد انگلیوں پر گنی جاسکتی تھی، چنانچہ اسلام لانے والوں میں ان کا دسواں نمبر ہے۔ اس وقت ان کی والدہ زندہ تھیں، ان کو لڑکے کی اس بے راہ روی کا سخت صدمہ ہوا انھوں نے قسم کھالی کہ جب تک عامرؓ اسلام سے تائب نہ ہوں گے اس وقت تک وہ نہ سایہ میں بیٹھیں گی اور نہ کھانا کھائیں گی، حضرت سعدؓ بھی اس وقت دولت اسلام سے بہرہ ور ہو چکے تھے، ماں کی اس بے جا ضد پر بولے: ”اماں! آپ عامرؓ کے لیے عہد کیوں کرتی ہیں؟ میرے لیے کیجئے“، انھوں نے کہا: ”کیوں؟“ کہا: ”تاکہ اس وقت تک آپ نہ سایہ میں بیٹھ سکیں اور نہ کھا سکیں جب تک اپنے جائے قیام دوزخ کو نہ دیکھ لیں“، انھوں نے جواب دیا: ”میں تیرے لیے کیوں عہد کروں، میں اپنے سعادت مند بیٹے کے لیے عہد کرتی ہوں“، اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَإِنْ جَاهِدَاكَ عَلَىٰ أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا

وَصَاحِبَهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا﴾ (اگر تیرے ماں باپ تجھ کو اس بات پر

مجبور کریں کہ تو کسی کو میرا شریک بنا جس کا تجھ کو کوئی علم نہیں تو اس میں ان

کی اطاعت نہ کر، ہاں دنیا میں بھلائی کے ساتھ ان کی رفاقت کر)

بالآخر ماں کی اس بے جا ضد سے تنگ آ کر ہجرت ثانیہ میں حبشہ چلے گئے اور

وہاں سے حضرت جعفرؓ کے ساتھ مدینہ آ کر احد میں شریک ہوئے۔

حضرت عاقلؓ بن بکیر کا قبول اسلام

حضرت عاقلؓ چار بھائی تھے، عاقلؓ، ایاسؓ، خالدؓ، اور عامرؓ، ان کے والد کا نام ابی بکیر تھا، ارقم کے گھر میں قبول اسلام کا آغاز انہیں چاروں بھائیوں سے ہوا تھا، چنانچہ آنحضرت ﷺ کے ارقم کے گھر میں تشریف لانے کے بعد سب سے پہلے یہی چاروں مشرف بہ اسلام ہوئے اور سب نے مع بال بچوں کے ایک ساتھ مدینہ کی ہجرت کی اور مکہ میں گھر کا دروازہ بالکل بند ہو گیا تھا۔



حضرت ابو ایوب انصاریؓ کا قبول اسلام

حضرت ابو ایوب انصاریؓ کا نام خالد بن زید ابن کلیب تھا، ان کی کنیت ابو ایوب تھی، اور ان کا تعلق انصار کے قبیلہ بنو نجار سے تھا، ہم مسلمانوں میں سے کون ہے جو حضرت ابو ایوب انصاریؓ سے ناواقف ہو، اللہ تعالیٰ نے سارے مسلمانوں کے مکانات کو چھوڑ کر ان کے مکان کو اس وقت اپنے رسول ﷺ کے قیام کے لیے منتخب فرما کر جب آپ ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے، ان کے ذکر کو سارے عالم میں مشہور اور ان کے مقام کو ساری مخلوق میں بلند کر دیا، اور تنہا یہی بات ان کے فخر کے لیے کافی ہے، اس کے علاوہ آپ ان منتخب بزرگان مدینہ میں ہیں جنہوں نے عقبہ کی گھاٹی میں جا کر آنحضرت ﷺ کے دست مبارک پر اسلام کی بیعت کی تھی، حضرت ابو ایوبؓ مکہ سے دولت ایمان لے کر پلٹے تو ان کی فیاض طبعی نے گوارہ نہ کیا کہ اس نعمت کو صرف اپنی ذات تک محدود رکھیں، چنانچہ اپنے اہل و عیال، اعزہ و اقرباء اور دوست و احباب کو ایمان کی تلقین کی، اور اپنی بیوی کو حلقہ توحید میں داخل کیا۔



حضرت انسؓ بن مالک کا قبول اسلام

حضرت انسؓ ہجرت نبوی ﷺ سے دس سال پہلے شہر مدینہ میں پیدا ہوئے ۸-۹ سال کی عمر تھی کہ ان کی ماں حضرت ام سلیمؓ نے اسلام قبول کر لیا، ان کے والد بیوی سے ناراض ہو کر ملک شام چلے گئے اور وہیں انتقال کیا، ماں نے دوسرا نکاح ابو طلحہ سے کر لیا جن کا شمار قبیلہ خزرج کے متمول اشخاص میں تھا، اور اپنے ساتھ حضرت انسؓ کو ابو طلحہ کے گھر لے گئیں، حضرت انسؓ نے انھیں کے گھر میں پرورش پائی۔

اسلام سے پہلے عربوں کی جہالت کا یہ نقشہ تھا کہ باپ (ابو طلحہ) کی صحبت میں جب شراب کا دور چلتا تو بیٹا (انسؓ) ساقی گری کرتا، وہ پہلے دوسروں کو پلاتے اور بعد میں خود پیتے تھے اور اس دس سالہ بچہ کو روکنے والا کوئی نہیں تھا۔ حضرت انسؓ کا نام ان کے چچا انس بن نضرؓ کے نام پر رکھا گیا تھا لیکن کنیت نہ تھی وہ آنحضرت نے تجویز فرمائی، انس ایک خاص قسم کی سبزی جس کا نام حمزہ تھا چنا کرتے تھے، آنحضرت نے اسی مناسبت سے ان کی کنیت ابو حمزہ پسند فرمائی۔

حضرت انسؓ کی عمر ۸-۹ سال کی تھی کہ مدینہ میں اسلام کی صدا بلند ہوئی، بنو نجار نے قبول اسلام میں جو پیش دستی کی تھی، اس کا اثر یہ تھا کہ اس قبیلہ کے اکثر افراد آنحضرت ﷺ کے میثرب تشریف لانے سے قبل توحید و رسالت کے علمبردار ہو چکے تھے، حضرت انسؓ کی والدہ ام سلیمؓ نے بھی عقبہ ثانیہ سے پہلے دین اسلام اختیار کر لیا تھا اور جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے کہ ان کے والد بت پرست ہونے کی وجہ سے بیوی کے اسلام پر برہم ہوئے اور ملک شام چلے گئے تھے، ادھر ام سلیمؓ نے ابو طلحہ سے

اس شرط پر نکاح کر لیا کہ وہ بھی مذہب اسلام قبول کریں، چنانچہ وہ مسلمان ہو چکے تھے اور عقبہ ثانیہ میں آنحضرت ﷺ کے دست حق پرست پر مکہ جا کر بیعت کی تھی، اس طرح حضرت انس کا پورا گھر نور ایمان سے منور تھا، ان کی ماں ام سلیمؓ شمع رسالت کی پروانہ تھیں اور ان کے محترم باپ حضرت ابوطالبؓ دین حنیف کے ایک پر جوش فدائی تھے، بیٹے نے انہیں والدین کی آغوش محبت میں تربیت پائی اور مسلمان ہوا۔



حضرت ابی بن کعب کا قبول اسلام

حضرت ابیؓ کے ابتدائی حالات بہت کم معلوم ہیں، حضرت انس بن مالکؓ کی زبانی اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اسلام سے پہلے شراب نوشی ابی بن کعبؓ کی فطرتِ ثانیہ بن گئی تھی اور حضرت ابو طلحہؓ نے دوستوں کا جو حلقہ قائم کیا تھا حضرت ابی بن کعبؓ اس کے ایک ضروری رکن تھے۔

مدینہ میں یہود کا کافی مذہبی اقتدار تھا، غالباً حضرت ابیؓ اسلام سے پہلے تورات پڑھ چکے تھے اسی مذہبی واقفیت نے ان کو اسلام کی آواز کی طرف متوجہ کیا ہوگا، چنانچہ مدینہ کے جن انصار نے دوسری دفعہ جا کر آنحضرت ﷺ کے دست مبارک پر عقبہ میں بیعت کی تھی ان میں حضرت ابیؓ بھی تھے اور یہی ان کے اسلام کی تاریخ ہے۔



حضرت ابو طلحہؓ انصاری کا قبول اسلام

اسلام سے پہلے ابو طلحہؓ عام اہل عرب کی طرح بت پرست تھے اور بڑے اہتمام سے شراب پیتے تھے اور اس کے لیے ان کے دوستوں کی ایک مجلس تھی۔ ابھی زمانہ شباب کا آغاز تھا یہ مشکل بیس سال کی عمر ہوگی کہ آفتاب نبوت طلوع ہوا، حضرت ابو طلحہؓ نے ام سلیمؓ (حضرت انسؓ کی والدہ ماجدہ) کو نکاح کا پیغام دیا، اور انہوں نے اسلام کی شرط کے ساتھ نکاح کو وابستہ کر دیا، جس کا آخری اثر یہ مرتب ہوا کہ ابو طلحہؓ دین حنیف قبول کرنے پر آمادہ ہو گئے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو طلحہؓ نے اسلام لانے سے پہلے میری والدہ (ام سلیمؓ) کو نکاح کا پیغام دیا، انہوں نے کہا: ”اے ابو طلحہ! کیا تم نہیں جانتے ہو کہ تم جس چیز کی عبادت کرتے ہو وہ تو زمین سے اگنے والا درخت ہے؟“ انہوں نے کہا: ”ہاں“، ام سلیمؓ نے کہا: ”درخت کی عبادت کرتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آتی، اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو میں تم سے اسلام کے علاوہ کسی قسم کے مہر کا مطالبہ نہیں کروں گی“، انہوں نے کہا: ”اچھا میں سوچ لوں“ اور چلے گئے اور تھوڑی دیر کے بعد آ کر کلمہ شہادت پڑھ لیا، تو حضرت ام سلیمؓ نے کہا: ”اے انس! میرا نکاح ابو طلحہؓ سے کرو“، چنانچہ حضرت انسؓ نے ان کا نکاح کروا دیا۔

یہ وہ وقت تھا جب حضرت مصعب بن عمیرؓ اسلام کے پر جوش شیدائی شہر مدینہ میں دین اسلام کی تبلیغ کر رہے تھے، مدینہ کا جو مختصر قافلہ بیعت کے لیے روانہ ہوا تھا اس میں حضرت ابو طلحہؓ بھی شامل تھے، رسول اللہ ﷺ صحابہ کے درمیان تشریف فرما تھے، ابو طلحہؓ کو آتے دیکھا تو آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: ”ابو طلحہ تمہارے پاس اس حال میں آئے ہیں کہ ان کی آنکھوں کے درمیان اسلام کا نور چمک رہا ہے“، اس بیعت میں حضرت ابو طلحہؓ کو یہ شرف مزید حاصل ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے ان کو انصار کا نقیب تجویز فرمایا۔

حضرت ابو درداء کا قبول اسلام

یہ عجیب بات ہے کہ حضرت ابو درداءؓ دوسرے اکابر انصار کے ایک سال بعد مشرف بہ اسلام ہوئے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا اسلام تقلیدی نہ تھا، اجتہادی تھا، ممکن ہے کہ ایک سال مزید غور و فکر اور کاوش و تحقیق میں صرف ہوا ہو، لیکن قبول اسلام میں یہ ایک سالہ تاخیر تمام عمر ان کے لیے تکلیف دہ رہی، فرمایا کرتے: ”ایک گھڑی کی خواہش نفس دیر پاغم پیدا کرتی ہے۔“

ابو درداءؓ اور عبد اللہ بن رواحہؓ کے درمیان زمانہ جاہلیت میں رشتہ موآخات قائم ہوا تھا، اسلام آیا تو ابن رواحہؓ نے اسے بڑھ کے قبول کیا جب کہ ابو درداءؓ نے اس سے اعراض کیا، لیکن اس کے باوجود دونوں کے درمیان پائے جانے والے مضبوط رشتہ اخوت میں کسی قسم کی کمزوری نہیں واقع ہوئی، حضرت عبد اللہ بن رواحہؓ برابر ان سے ربط رکھتے، ان سے ملاقات کرتے، ان کو اسلام کی دعوت دیتے اور برابر ان کو اس کا شوق دلاتے رہتے، اور شرک کی حالت میں گزرنے والے ان کی زندگی کے ایک ایک دن پر افسوس کا اظہار کرتے رہتے تھے۔

ایک مرتبہ عبد اللہ بن رواحہؓ ابو درداءؓ کے گھر کی طرف روانہ ہوئے، وہ اپنے دل میں ایک بات ٹھانے ہوئے تھے وہ سیدھے اس کمرہ میں پہنچ گئے جس میں ابو درداءؓ نے اپنا بت نصب کر رکھا تھا انہوں نے بنسولا نکالا اور بت پر پل پڑے اور یہ کہتے ہوئے اس کے ٹکڑے کرنے لگے:

”ألا كل ما يدعى مع الله باطل“ (سنو! وہ سارے معبود جو عبادت

میں خدا کے شریک کئے جا رہے ہیں جھوٹے ہیں)

اور بت کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے بعد وہ کمرے سے نکل گئے، ادھر جب ان کی بیوی ام درداء کمرہ میں گئیں تو کیا دیکھتی ہیں کہ وہ ٹوٹا پڑا ہے اور اس کے ٹکڑے زمین پر ادھر ادھر بکھرے ہوئے ہیں، بت کی یہ درگت دیکھ کر ان کے حواس باختہ ہو گئے، اور یہ کہتے ہوئے اپنا منہ پیٹنے لگیں:

”أهلكتني يا بن رواحہ“ (ابن رواحہ تم نے تو مجھے تباہ کر دیا، آہ! تم نے مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا)

جب ابو درداء گھر میں آئے تو انہوں نے دیکھا کہ ان کی بیوی بت والے کمرے کے دروازہ پر پیٹھی زار و قطار رو رہی ہے اور اس کے چہرے پر خوف و ہراس کے آثار نمایاں ہیں، بیوی کو اس حال میں دیکھ کر ابو درداء نے پوچھا: ”کیا بات ہے؟“ بیوی نے روتے ہوئے کہا: ”آپ کے بھائی عبداللہ بن رواحہ آپ کی غیر موجودگی میں یہاں آئے اور انہوں نے ہی آپ کے بت کی یہ درگت بنائی ہے جو آپ دیکھ رہے ہیں“، جب انہوں نے بت کی طرف نظر اٹھائی اور دیکھا کہ اس کے ٹکڑے چاروں طرف زمین پر بکھرے ہوئے ہیں تو پہلے تو مارے غصہ کے بھڑک اٹھے اور اس کا انتقام لینے کا ارادہ کیا، لیکن کچھ دیر بعد جب ان کے غصے کی آگ ٹھنڈی ہو گئی تو انہوں نے اس پر غور کرنا شروع کیا، انہوں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر اس بت میں ذرا بھی قوت و طاقت ہوتی تو یہ ضرور اپنا دفاع کرتا، اور اسی وقت وہ عبداللہ بن رواحہ کی طرف روانہ ہو گئے اور ان کو ساتھ لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور اپنے دخول اسلام کا اعلان کر دیا، وہ اسلام میں داخل ہونے والے اپنے قبیلہ کے آخری فرد تھے۔

بعثت نبوی کے زمانہ میں تجارت کسب معاش کا ذریعہ تھا لیکن جب یہ شغل عبادت میں خلل انداز ہوا تو اس کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہا اور رزاق کے سفر عام پر آپیٹھے، بعد میں تجارت سے ایسے دل برداشتہ ہوئے کہ فرماتے تھے ”مجھے اب ایسی دکان بھی پسند نہیں جس میں ۴۰ دینار یومیہ نفع ہو جس کو روزانہ صدقہ کرتا رہوں اور نماز بھی قضا نہ ہوتی ہو“، لوگوں نے کہا: ”اس کا سبب؟“ فرمایا: ”قیامت کے حساب کا خوف ہے“۔

حضرت اسیدؓ بن حضیر کا قبول اسلام

جب حضرت مصعب بن عمیرؓ اشاعت اسلام کے لیے مدینہ تشریف لائے
حضرت اسیدؓ ابھی تک مسلمان نہ ہوئے تھے۔

حضرت مصعب بن عمیرؓ نے اسعد بن زرارہؓ کے مکان میں قیام کیا تھا اور بنو ظفر
کے قبیلہ میں بیٹھ کر قرآن کی تعلیم دیا کرتے تھے، بنو ظفر کے مکانات عبدالاشہل سے
متصل واقع تھے، ایک روز باغ میں مسلمانوں کو تعلیم دے رہے تھے کہ سعد بن معاذؓ اور
اسید بن حضیر کو خبر ہوگئی، سعدؓ نے اسیدؓ سے کہا کہ ”ان کو جا کر منع کرو، ہمارے محلہ میں
آئندہ نہ آئیں اگر اسعد بن زرارہ بیچ میں نہ ہوتے تو میں خود چلتا“، ان کے کہنے پر
اسیدؓ تیزہ اٹھا کر باغ کی طرف اسلام کا قلع قمع کرنے کے لیے روانہ ہوئے، حضرت
اسعد بن زرارہؓ نے ان کو آتا دیکھ کر داعی اسلام سے کہا کہ ”یہ اپنی قوم کے سردار ہیں اور
آپ کے پاس آرہے ہیں ان کو مسلمان بنا کر چھوڑیے گا“، اسیدؓ نے قریب پہنچ کر
پوچھا: ”تم ہمارے کمزور لوگوں کو بے وقوف کیوں بناتے ہو؟ اگر اپنی خیریت چاہتے ہو تو
ابھی یہاں سے چلے جاؤ“، مصعبؓ پر اس کا کیا اثر ہو سکتا تھا، فرمایا: ”آپ بیٹھ کر پہلے
میری بات سن لیں، اگر پسند ہو تو خیر و نہ جو مزاج میں آئے کیجئے گا“، اسیدؓ بیٹھ گئے اور
مصعبؓ نے اسلام کی حقیقت بیان کی، کلام پاک کی چند آیتیں پڑھیں، جن کو سن کر ان پر
خاص اثر طاری ہوا اور بے اختیار منہ سے نکلا: ”اس دین میں کیوں کر داخل ہو سکتا ہوں؟“
جواب دیا: ”پہلے نہانا ضروری ہے پھر کپڑے پاک کرنا، کلمہ پڑھنا اور نماز پڑھنا“، اسیدؓ
اٹھے اور نہا کر مسلمان ہو گئے، چلتے وقت کہا: ”میں جاتا ہوں اور دوسرے سردار کو بھیجتا
ہوں ان کو بھی مسلمان کرنا“ اور وہاں سے لوٹ کر حضرت سعد بن معاذؓ کو روناہ کیا۔

حضرت سعد بن معاذ کا قبول اسلام

حضرت سعد بن معاذ حضرت مصعب بن عمیرؓ کے پاس آئے تو انہوں نے کہا کہ ”میں ایک بات کہنا چاہتا ہوں آپ بیٹھ کر سن لیجئے، ماننے نہ ماننے کا آپ کو اختیار ہے“، سعدؓ نے منظور کیا تو حضرت مصعبؓ نے اسلام کی حقیقت بیان کی اور قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھیں، جن کو سن کر سعد بن معاذ کلمہ شہادت پکار اٹھے اور مسلمان ہو گئے۔

قبیلہ عبد الاشہل میں یہ خبر فوراً پھیل گئی، سعدؓ گھر گئے تو خاندان والوں نے کہا کہ ”اب وہ چہرہ نہیں“، حضرت سعدؓ نے کھڑے ہو کر پوچھا: ”میں تم میں کس درجہ کا آدمی ہوں؟“ سب نے کہا: ”سردار اور اہل فضیلت“، فرمایا: ”تم جب تک مسلمان نہ ہو گے میں تم سے بات چیت نہ کروں گا“، حضرت سعدؓ کو اپنی قوم میں جو عزت حاصل تھی اس کا یہ اثر ہوا کہ شام ہونے سے قبل تمام قبیلہ مسلمان ہو گیا اور مدینہ کے درو دیوار تکبیر کے نعروں سے گونج اٹھے۔

اشاعت اسلام میں یہ حضرت سعدؓ کا نہایت عظیم الشان کارنامہ ہے، صحابہ کرام میں کوئی شخص اس فخر میں ان کا حریف نہیں، آنحضرت ﷺ نے اسی بناء پر فرمایا ہے کہ انصار کے بہترین گھرانے بنو نجار کے ہیں اور ان کے بعد عبد الاشہل کا درجہ ہے، حضرت سعدؓ اور ان کے قبیلہ کا اسلام عقبہ اولیٰ اور عقبہ ثانیہ کے درمیان کا واقعہ ہے، مسلمان ہو کر حضرت سعدؓ نے حضرت مصعبؓ کو اسعد بن زرارہؓ کے مکان سے اپنے یہاں منتقل کر لیا۔

حضرت اسعد بن زرارہ کا قبول اسلام

بعثت نبوی سے پہلے اگرچہ پورا جزیرہ عرب کفر و ظلمت کا نشیمن تھا، پھر بھی چند نفوس اپنی فطرت سلیمہ کے اقتضاء سے توحید کے قائل ہو گئے تھے، حضرت اسعد بن زرارہ بھی انہیں لوگوں میں تھے۔

اسی زمانہ میں مکہ سے اسلام کی صدا بلند ہوئی، اسعد بن زرارہ اور ذکوان بن عبد قیس نے جو عقبہ بن ربیعہ کے پاس مکہ آئے تھے، ان سے آنحضرت ﷺ کے حالات بیان کئے، انہیں سن کر ذکوان نے اسعد سے کہا: ”تم کو جس چیز کی تلاش تھی وہ موجود ہے، اب اس کو اختیار کر لو“، چنانچہ حضرت اسعد اٹھ کر بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے اور توحید کا اقرار کیا۔

مکہ سے ایمان اور اسلام کا جو جذبہ ساتھ لائے تھے وہ مدینہ آ کر ظاہر ہوا چنانچہ اسلام کی تبلیغ شروع کی، سب سے پہلے ابو الہیثم سے ملے اور اپنے ایمان لانے کا تذکرہ کیا، ابو الہیثم بولے ”تمہارے ساتھ میں بھی آنحضرت ﷺ کی رسالت کا اقرار کرتا ہوں“۔



حضرت ابو الہیثمؓ بن التیہان کا قبول اسلام

وہ زمانہ جاہلیت ہی میں توحید کے قائل تھے، اسعد بن زرارہؓ ۶/ آدمیوں کے ساتھ جب مکہ سے مسلمان ہو کر آئے تو ابو الہیثمؓ سے اپنا مسلمان ہونا بیان کیا اور اسلام کی تعلیم پیش کی، ابو الہیثمؓ پہلے ہی دین الفطرت کے متلاشی تھے، فوراً اس صدا پر لبیک کہا، اس کے ایک سال بعد ۱۲/ آدمیوں کا جو وفد مکہ گیا، ابو الہیثمؓ اس میں شامل تھے، آنحضرت ﷺ کے دست مقدس پر بیعت کی، دوسرے سال ۱۰/ آدمیوں کے ساتھ گئے، اور بیعت حرب میں شریک ہوئے، کہتے ہیں کہ ”اس میں سب سے پہلے بیعت کے لیے جس شخص نے ہاتھ بڑھایا وہ ابو الہیثمؓ تھے۔“



حضرت ابو قیس صرمہ کا قبول اسلام

اسلام سے پہلے حضرت صرمہ میں چند ایسی باتیں تھیں جنہوں نے ان کو پوری قوم میں معزز بنا دیا تھا، دنیا ترک کی، راہب بنے، ٹاٹ پہنا، بت پرستی چھوڑی اور جنابت سے غسل کیا، ان شریف خصلتوں کے بعد نصرا نیت کا خیال ہوا تھا، لیکن فطرت نے خلیل بت شکن کے آستانہ پر پہنچا دیا، اور دین حنیفی میں داخل ہو گئے، اسلام سے قبل ایک عبادت گاہ بھی بنائی اور فرماتے تھے ”میں ابراہیمؑ کے خدا کی پرستش کرتا ہوں“۔

اس معبد میں ناپاک مرد اور عورت کو جانے کی اجازت نہ تھی، حضرت صرمہ خود بھی ایسے گھروں میں جہاں جب اور حائضہ عورت ہونہیں جاتے تھے۔

عالم پیری تھا کہ سرزمین یشرب میں اسلام کا غلغلہ بلند ہوا اور آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے، انہوں نے نہایت جوش سے خیر مقدم کیا اور اسلام کے شرف سے مشرف ہوئے۔



حضرت اصیرمؓ کا قبول اسلام

حضرت اصیرمؓ ابتداء اسلام سے برگشتہ تھے، ان کے قبیلہ کے تمام مرد و عورت حضرت سعد بن معاذؓ کے اشارہ سے مسلمان ہو گئے تھے لیکن یہ اپنے قدیم مذہب پر قائم تھے۔

لیکن غزوہ احد میں جب آنحضرت ﷺ نے میدان جنگ کی تیاریاں کیں، تو ان کے دل میں یکا یک حق و صداقت کا جوش پیدا ہوا، سنن ابو داؤد میں ہے کہ ایام جاہلیت میں ان کا سودی لین دین تھا اور قرض داروں کے ذمہ قرض بہت باقی تھا، یہ اپنا روپیہ وصول کر کے مسلمان ہونا چاہتے تھے کیونکہ اسلام میں سود کی ممانعت تھی، احد کے موقع پر غالباً روپیہ وصول ہو چکا تھا اس لیے مسلمان ہونے کا عزم کر لیا۔

احد کی روانگی کے وقت تمام صحابہؓ آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے جن میں اصیرمؓ کے خاندان عبدالاشہل کے لوگ بھی تھے، اصیرمؓ اپنے محلہ میں ہر طرف سناٹا دیکھ کر گھر آئے پوچھا: ”میرے خاندان کے لوگ کہاں گئے؟“ جواب ملا: ”احد!“۔

گو اس وقت تک انھوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا، پھر بھی زرہ اور خود پہنی اور گھوڑے پر سوار ہو کر احد کی طرف روانہ ہو گئے۔

آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ کر پوچھا: ”لڑو یا مسلمان ہوں؟“ ارشاد ہوا: ”دونوں کام کرو، پہلے مسلمان ہو پھر لڑائی میں شرکت کرو“، عرض کی ”یا رسول اللہ ﷺ! میں نے ایک رکعت نماز بھی نہیں پڑھی ایسی صورت میں اگر مارا گیا تو کیا میرے لیے بہتر ہوگا“، فرمایا: ”ہاں“، چنانچہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے اور تلوار لے کر

میدان کی طرف روانہ ہوئے مسلمانوں کو اس کا بالکل علم نہیں تھا، ان کو دیکھ کر کہا: ”تم یہاں سے واپس جاؤ“، جواب دیا: ”میں بھی مسلمان ہوں“۔

لڑائی شروع ہوئی تو نہایت بہادری سے مقابلہ کیا اور کفار کی صف میں کھڑے بہت سے زخم کھائے، زخم اتنے کاری تھے کہ اٹھنے کی بھی تاب نہ تھی، قبیلہ عبدالاشہل کے لوگ شہداء کی تلاش میں نکلے تو دیکھا کہ اصیرمؓ بھی مردوں میں پڑے ہیں، ابھی تک کچھ کچھ سانس آرہی تھی، پوچھا: ”تم کہاں؟ شاید قومی حمیت یہاں کھینچ لائی“، بولے: ”نہیں، میں مسلمان ہو کر خدا اور رسول کی طرف سے شریک ہوا ہوں“۔

میدان سے اٹھا کر گھر لائے گئے، تمام خاندان میں یہ خبر مشہور ہو گئی، قبیلہ اشہل کے سردار حضرت سعد بن معاذؓ نے سنا تو ان کے گھر تشریف لائے اور ان کی بہن سے واقعہ دریافت کیا، ابھی یہ جمع منتشر نہیں ہوا تھا کہ روح مطہر جسم سے پرواز کر گئی۔ آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو فرمایا: ”اس نے عمل تھوڑا کیا لیکن اجر بہت پایا“، بعض روایتوں میں ہے کہ ”وہ یقیناً جنتی ہے“۔

چونکہ واقعہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے عجیب تھا، اس لیے لوگوں نے اس کو یاد رکھنے میں خاص اہتمام کیا، حضرت ابو ہریرہؓ اپنے شاگردوں سے دریافت فرماتے کہ ”کوئی ایسا شخص بتاؤ جس نے ایک وقت میں بھی نماز نہ پڑھی ہو اور سیدھا جنت میں داخل ہو گیا ہو“، جب لوگ جواب نہ دیتے تو فرماتے ”اصیرم رضی اللہ عنہ“۔



حضرت براء بن معرور کا قبول اسلام

عقبہ کبیرہ سے قبل مشرف بہ اسلام ہوئے، جس زمانہ میں انہوں نے اسلام قبول کیا تھا اس وقت تک بیت المقدس قبلہ تھا اور مسلمان اسی کی سمت رخ کر کے نماز پڑھتے تھے لیکن براء کعبہ کی طرف نماز پڑھتے تھے کہ میں اس کی طرف پشت نہیں کرنا چاہتا، اس بنا پر جب عقبہ ثانیہ کی شرکت کے لیے مکہ روانہ ہوئے تو آنحضرت ﷺ سے سوال کیا کہ ”یا نبی اللہ ﷺ! مجھ کو خدا نے اسلام کی ہدایت دی اور میں سفر کر کے یہاں آیا ہوں، میری خواہش ہے کہ نماز میں کعبہ کی طرف پشت کر کے نہ پڑھوں، میرے ساتھی اس کے خلاف ہیں، اب آپ ﷺ کیا فرماتے ہیں؟“ ارشاد ہوا: ”اگر کچھ دنوں صبر کرو تو امید ہے کہ یہی قبلہ قرار پا جائے“، اس وقت حضرت براء نے فرمان نبوی کے مطابق بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز ادا کی۔

ایام تشریق میں بیعت کا وعدہ ہوا، آنحضرت ﷺ حضرت عباسؓ کے ہمراہ عقبہ تشریف لائے اور فرمایا: ”تم سے اس شرط پر بیعت لیتا ہوں کہ میری اس طرح حفاظت کرو گے جس طرح اپنی عورتوں اور بچوں کی حفاظت کرتے ہو، براء نے آنحضرت ﷺ کا ہاتھ پکڑا اور کہا: ”اس ذات پاک کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق و صداقت کے ساتھ مبعوث کیا، ہم اپنی جانوں کی طرح آپ ﷺ کی حفاظت کریں گے، یا رسول اللہ ﷺ! آپ ہم سے بیعت لے لیجئے، خدا کی قسم ہم ایک مسلح جماعت ہیں اور ہم نے ہتھیار اپنے باپ دادا سے وراثت میں پائے ہیں“، یہ کہہ کر آنحضرت ﷺ سے بیعت کی پھر تمام صحیح بیعت کے لیے بڑھا۔

حضرت حنظلہؓ بن ابی عامر کا قبول اسلام

ابو عامر (حضرت حنظلہ کا باپ) قبیلہ اوس میں نہایت شریف اور بااثر شخص تھا، بعثت نبوی کا قائل تھا، اسی جذبہ مذہبی نے رہبانیت کی طرف مائل کیا، ریاست دنیوی سے دست کش ہو کر مذہبی سیادت حاصل کی اور پلاس پہن کر گوشہ عزلت اختیار کیا اسی وجہ سے راہب لقب پڑا۔

لیکن جب آنحضرت ﷺ مبعوث ہوئے اور مدینہ میں خلافت الہی کی بنا ڈالی، تو ابو عامر اور عبداللہ ابن ابی دونوں کی سیادت میں رخنہ پڑا تو ابن ابی نے منافقانہ طرز عمل اختیار کیا اور مدینہ میں مقیم رہا، ابو عامر کا پیمانہ صبر زیادہ لبریز تھا وہ مدینہ میں ٹھہر نہ سکا اور مکہ کی سکونت اختیار کی، غزوہ احد میں قریش مکہ نہایت سر و سامان سے اٹھے اور ابو عامر بھی جوش حسد میں ان کے ساتھ آیا، آنحضرت ﷺ نے اس کے لیے ”فاسق“ کا لقب تجویز کیا، جس سے تاریخ اسلام میں وہ آج تک مشہور ہے۔

ابو عامر کے شدت کفر کا تو یہ عالم تھا اس کے بیٹے (حنظلہ) کی حرارت ایمانی کا یہ حال تھا کہ انہوں نے اسلام قبول کیا اور آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ ”حکم ہو تو اپنے باپ کا خاتمہ کر دوں“، لیکن آنحضرت ﷺ نے منظور نہیں کیا، عبداللہ بن ابی کے فرزند حضرت عبداللہ نے بھی یہی درخواست کی تھی، ان کو بھی یہ جواب عنایت ہوا تھا۔



حضرت رافع بن مالک کا قبول اسلام

انصار میں بنو نجار اور قبیلہ خزرج سبقت ایمانی میں سب سے پیش تھا، لیکن اس کا یہ تمام تقدس یہ تمام شرف اور یہ تمام فضیلت صرف دو ہستیوں کے شرف و عظمت پر منحصر ہے اور یہ دونوں بزرگ حضرت معاذ بن عفرأ اور حضرت رافع بن مالکؓ ہیں۔

قبیلہ خزرج کے ۶/ آدمی جن میں یہ دونوں آدمی بھی تھے، عمرہ کی غرض سے مکہ گئے تھے، آنحضرت ﷺ ان کے قیام گاہ پر تشریف لائے، اور اسلام کی تبلیغ کی، تو سب سے پہلے اس دعوت کو انہی دونوں نے لبیک کہا، یہ اسد الغابہ کی روایت ہے۔

طبقات میں ہے کہ صرف دو شخص گئے تھے، ان کو آنحضرت ﷺ کی خبر ملی تو خدمت میں حاضر ہو کر مذہب اسلام اختیار کرنے کا شرف حاصل کیا۔

ان دونوں بزرگوں میں حضرت رافع نے پہلے بیعت کی تھی، اسلام قبول کر کے پلٹے تو مدینہ میں نہایت سرگرمی سے اشاعت اسلام کی خدمت انجام دی۔

مصنف اسد الغابہ لکھتے ہیں کہ ”جب یہ لوگ مدینہ آئے اور اپنی قوم میں اسلام کا چرچا کیا، اس کی دعوت دی، تو اسلام تمام انصار میں پھیل گیا اب کوئی گھر نہ تھا جہاں رسول اللہ ﷺ کا ذکر خیر نہ ہوتا ہو، دوسرے سال حضرت رافعؓ ۱۲/ آدمیوں کے ساتھ اور تیسرے سال ۶/ آدمیوں کے ساتھ مکہ گئے اور اس اخیر بیعت میں بنو زریق کے نقیب منتخب ہوئے۔“

حضرت رفاعہؓ بن رافع کا قبول اسلام

حضرت رفاعہؓ کے پدر بزرگوار حضرت رافعؓ قبیلہ خزرج کے سب سے پہلے مسلمان تھے، بیعت عقبہ سے دو سال پیشتر ۵-۶/ آدمیوں کے ساتھ مکہ جا کر آنحضرت ﷺ سے بیعت کی تھی، ماں بھی مسلمان ہو چکی تھیں، ان کا اخیافی بھائی عبد اللہ بن ابی مرجم کفر و نفاق تھا، لیکن بہن صداقت و راستی کا سراج منیر بنی ہوئی تھیں، حضرت رفاعہؓ اسی مبارک خاندان میں پلے تھے، عقبہ ثانیہ میں اپنے باپ کے ساتھ مکہ جا کر آنحضرت ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی اور دولت ایمان سے بہرہ یاب ہو کر مدینہ واپس ہوئے۔



حضرت زید بن ثابتؓ کا قبول اسلام

حضرت زیدؓ اپنی والدہ کے محل عاطفت میں پرورش پا رہے تھے، ۱۱ برس کے ہوئے تو اسلام کی آواز کان میں پڑی، اس زمانہ میں اسلام مدینہ میں مسافر کی حیثیت سے مقیم تھا، حضرت مصعب بن عمیر مبلغ اسلام تو حیدر و رسالت کا وعظ کہہ رہے تھے حضرت زیدؓ نے اسی صغرتی میں اسلام قبول کیا، کسی انسان کا اگر بلوغ سے قبل ایمان لانا باعثِ فخر و مباہات ہو سکتا ہے، تو حضرت زیدؓ نے گیارہ سال کی عمر میں یہ فخر حاصل کیا اور ابتدا ہی سے ان کا دامن شرک کے داغ سے پاک تھا۔

حضرت زیدؓ نے مسلمان ہوتے ہی قرآن پڑھنا شروع کیا، اسی بناء پر لوگ ان کو نہایت عزت کی نظر سے دیکھتے تھے، جب آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے تو یہ ۱۷ سورتوں کے حافظ ہو چکے تھے، لوگ ان کو آپ ﷺ کی خدمت میں لے گئے اور کہا کہ ”یہ بنی نجار سے ہیں اور ۱۷ سورتیں پڑھ چکے ہیں“، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”یہ بہت خوش ہوئے اور زیدؓ نے قرآن سنایا تو آپ ﷺ کو بڑا تعجب ہوا۔“



حضرت سعد بن عبادہؓ کا قبول اسلام

عقبہ ثانیہ میں اسلام قبول کیا اور ان کا شمار بلند پایہ صحابہ میں کیا گیا، چنانچہ بخاری میں ہے کہ ”وہ بڑے پایہ کے مسلمان تھے“۔

بیعت عقبہ جس شان سے ہوئی انصار کے جس قدر آدمی اس میں شامل ہوئے جن اہم شرائط پر بیعت کا انعقاد ہوا، یہ کام اگرچہ خفیہ اور نہایت خفیہ تھا لیکن پوشیدہ نہیں رہ سکتا تھا، قریش کو ہر وقت آنحضرت ﷺ کی فکر لاحق رہتی تھی، چنانچہ جس وقت آپ ﷺ رات کے وقت مکہ سے باہر انصار سے بیعت لے رہے تھے، جبل ابوقیس پر کوئی شخص چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ ”دیکھنا! سعد مسلمان ہوئے تو محمد (ﷺ) بالکل نڈر ہو جائیں گے“۔

قریش کے کان میں اگرچہ یہ آواز پہنچ گئی، تاہم ان کا خیال ادھر منتقل نہ ہوا، وہ قضاہ اور تمیم کے سعد نامی اشخاص کو سمجھے، اس وجہ سے بیعت میں مزاحمت نہ کی۔

دوسری رات کو پھر اسی پہاڑ سے چند شعر سنے گئے، جن میں صاف صاف ان کا نام و نشان موجود تھا، قریش کو سخت حیرت ہوئی اور تحقیق واقعہ کے لیے انصار کے قیام گاہ پر آئے، عبداللہ بن ابی بن سلول سے کہ قبیلہ خزرج کا رئیس تھا گفتگو ہوئی، اس نے اس واقعہ سے بالکل لاعلمی ظاہر کی، یہ لوگ چلے گئے تو مسلمانوں نے یانج کا راستہ لیا، قریش نے ہر طرف نا کہ بندی کرادی تھی، سعد بن عبادہ اتفاق سے ہاتھ لگ گئے، کافروں نے ان کو پکڑ کر ہاتھ گردن سے باندھ دیئے اور بال کھینچ کھینچ کر زد و کوب کرتے ہوئے مکہ لائے، مکہ میں لا کر انہیں مارتے، حضرت سعدؓ کا اپنا بیان ہے کہ

جب قریش انھیں زد و کوب کر رہے تھے تو ایک سرخ و سفید شیریں شاکل شخص انھیں اپنی طرف آتا ہوا نظر آیا، میں نے اپنے دل میں کہا کہ ”اگر اس قوم میں کسی سے مجھے بھلائی حاصل ہو سکتی ہے تو وہ یہی ہوگا، جب وہ میرے پاس آگیا تو اس نے نہایت زور سے منہ پر طمانچہ لگایا، اس وقت مجھے یقین آگیا کہ ان میں کوئی بھی ایسا شخص نہیں جس سے خیر کی امید کی جاسکے، اتنے میں ایک اور شخص آیا، اس نے میرے حال پر ترس کھایا اور کہا: کیا قریش کے کسی بھی شخص کے ساتھ تجھے حق ہمسائیگی حاصل نہیں اور کسی سے بھی تیرا عہد و پیمانہ نہیں؟ میں نے کہا: ہاں، جبیر بن مطعم اور حارث بن حرب جو عہد مناف کے پوتے ہیں وہ تجارت کے لیے ہمارے یہاں جایا کرتے ہیں اور میں نے بارہا ان کی حفاظت کی ہے، اس نے کہا کہ پھر انہی دونوں کے نام کی دہائی تجھے دینی اور اپنے تعلقات کا اظہار کرنا چاہیے، میں نے ایسا ہی کیا، پھر وہی شخص ان دونوں کے پاس پہنچا اور انھیں بتایا کہ خزرج کا ایک آدمی پٹ رہا ہے اور وہ تمہارا نام لے کر تمہیں پکار رہا ہے، ان دونوں نے پوچھا وہ کون ہے؟ اس نے بتایا کہ سعد بن عبادہ، وہ بولے: ہاں، اس کا ہم پر احسان بھی ہے، انہوں نے حارث بن امیہ بن عبد شمس کو ساتھ لیا اور ان کو پہچان کر قریش کے بچہ ظلم و ستم سے نجات دلائی۔

اوسہ انصار میں بڑی کھلی پڑی تھی مجلس شوریٰ قائم ہوئی، جس میں طے پایا کہ چاہے جانیں خطرہ میں کیوں نہ پڑ جائیں، مکہ واپس چل کر سعد کا پتہ لگانا چاہیے، ان کا یہ ارادہ ابھی قوت سے فعل میں نہ آیا تھا کہ سعد آتے ہوئے نظر آئے اور وہ ان کو لے کر سیدھے مدینہ روانہ ہو گئے۔



حضرت عبادہؓ بن صامت کا قبول اسلام

ابھی عنقوان شباب تھا کہ مکہ سے اسلام کی صدا بلند ہوئی، جن خوش نصیب لوگوں نے اس کی پہلی آواز کو رغبت کے کانوں سے سنا، حضرت عبادہؓ انھیں میں سے ہیں، انصار کے وفد ۳/ سال تک مدینہ سے مکہ آئے تھے وہ سب میں شامل تھے۔

حضرت عبادہؓ کی زندگی ابتدا ہی سے ولولہ انگیز ہے، مکہ سے مسلمان ہو کر پلٹے تو مکان پہنچتے ہی والدہ کو مشرف بہ اسلام کیا، کعب بن عجرہ ایک دوست تھے اور ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے، ان کے گھر میں ایک بڑا سابت رکھا تھا، حضرت عبادہؓ کو فکر تھی کہ کسی صورت سے یہ گھر بھی شرک سے پاک ہو، موقع پا کر اندر گئے اور بت کو بسولے سے توڑ ڈالا، کعب کو ہدایت فیی ہوئی اور وہ جمعیت اسلام میں آئے۔



حضرت عبداللہ بن عبداللہ کا قبول اسلام

عبداللہ بن ابی بن سلول قبیلہ خزرج کے ممتاز ترین افراد میں تھا، اس کے اثر اور زور و قوت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اسلام سے قبل مدینہ کا تخت و تاج اسی کے سپرد ہونے کی تجویز تھی، حضرت عبداللہ اسی عبداللہ کے فرزند ارجمند تھے۔

یہ عجیب بات ہے کہ ابن ابی عقیل دور اندیش اور صاحب تدبیر ہونے کے باوجود شرف ایمان سے محروم رہا، آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے اور خلافتِ الہی کی بنیاد قائم کی، تو رشک و منافست کا عجیب منظر درپیش تھا، ابن ابی اور اس کے چند ہم خیال اسلام کی اس ترقی کو حسد کی نگاہ سے دیکھتے تھے، جوں جوں رسول اللہ ﷺ کا اقتدار بڑھتا تھا، یہ گروہ اس کو صدمہ پہنچانے کی کوشش کرتا تھا۔

آخر مسلمانوں کے غلبہ اور زور کی وجہ سے ابن ابی کو سر اطاعت خم کرنا پڑا اور اپنی جماعت کے ساتھ منافقانہ مسلمانوں کے زمرے میں داخل ہو گیا اور منافقین کا سرغنہ بنا، لیکن ابن ابی کا اثر ان کے کے بیٹے پر بالکل نہیں پڑا، وہ ہجرت سے قبل مسلمان ہو چکے تھے۔

غزوہ تبوک میں ایک انصاری اور مہاجر کے جھگڑے میں ابن ابی نے کہا تھا:

﴿لَئِنْ رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ﴾ (یعنی مدینہ

پہنچ کر بلند پایہ لوگ، ذلیل لوگوں کو نکال دیں گے)

آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو حضرت عمرؓ نے اٹھ کر کہا: ”اگر اجازت ہو تو اس

منافق کا سراڑ ادوں“، آنحضرت ﷺ نے ممانعت فرمائی، حضرت عبداللہ آئے اور

کہا کہ ”میرے باپ نے آپ ﷺ کو ذلیل کہا، خدا کی قسم وہ خود ذلیل ہے“، اس کے بعد کہا کہ ”اگرچہ تمام خنزرج میں مجھ سے زیادہ اپنے باپ کا کوئی مطیع نہیں، تاہم اگر آپ ﷺ انہیں قتل کرانا چاہتے ہیں تو مجھے حکم دیجئے، میں قتل کئے دیتا ہوں، لیکن اگر کسی دوسرے مسلمان نے ان کو قتل کیا تو اپنے باپ کے قاتل کو میں دیکھ نہیں سکتا، لامحالہ اس کو قتل کر دوں گا اور ایک مسلمان کے مارنے سے جہنم کا مستوجب ہوں گا“، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”میرا قتل کرانے کا بالکل ارادہ نہیں“، لوگ کہیں گے کہ ”محمد (ﷺ) اپنے اصحاب کو قتل کراتے ہیں“۔

حضرت عبداللہ آنحضرت ﷺ سے گفتگو کر کے سڑک پر آ کر کھڑے ہو گئے، ابن ابی نکلا تو اونٹ سے اتر پڑے اور کہا: ”تم اقرار کرو کہ میں ذلیل ہوں اور محمد ﷺ عزیز ہیں، ورنہ میں آگے نہ بڑھنے دوں گا“، پیچھے آنحضرت ﷺ تشریف لارہے تھے باپ بیٹے کی گفتگو سن کر فرمایا: ”ان کو چھوڑ دو، خدا کی قسم! یہ جب تک ہم میں موجود ہیں، ہم ان سے اچھا برتاؤ کریں گے“۔



حضرت عباسؓ بن عبادہ کا قبول اسلام

بیعت عقبہ میں شریک تھے، انصار بیعت کے لیے مجتمع ہوئے تو انہوں نے کہا: ”بھائیو! جانتے ہو تم رسول اللہ ﷺ سے کس چیز پر بیعت کر رہے ہو؟ یہ عرب و عجم سے اعلان جنگ ہے، اس میں تم کو بہت سے خطروں کا سامنا ہوگا، ذی اثر لوگ مارے جائیں گے، مال تلف ہوگا، پس اگر ان مشکلات کا مقابلہ کر سکو تو بسم اللہ بیعت کر لو، ورنہ بے کار دین و دنیا کی ندامت سر پر لینے سے کیا فائدہ؟“

انصار نے پوچھا: ”یا رسول اللہ ﷺ! بیعت کر کے اگر ہم وعدہ وفا کریں تو کیا اجر ملے گا؟“ ارشاد ہوا کہ ”جنت“، سب نے کہا تو پھر ہاتھ پھیلائیے، بیعت ختم ہوئی، تو حضرت عباس بن عبادہؓ نے کہا: ”آپ ﷺ پسند فرمائیں تو ہم یہیں میدان جنگ گرم کر دیں“، فرمایا: ”ابھی اس کی اجازت نہیں۔“

حضرت عباس بن عبادہؓ بیعت کر کے مکہ میں مقیم ہو گئے، لیکن جب ہجرت کا حکم ہوا تو مہاجرین مکہ کے ہمراہ مدینہ آئے، اس بناء پر وہ مہاجرین انصاری ہیں، وہ رسول اللہ ﷺ کے مہمان یعنی اصحاب صفہ میں داخل تھے۔



حضرت عمرو بن جموح کا قبول اسلام

حضرت عمرو بن جموحؓ بنو سلمہ کے رئیس تھے اس کے علاوہ مذہبی عزت بھی حاصل تھی یعنی بت خانہ کے متولی تھے۔

لکڑی کا ایک بت بنا کر گھر میں رکھ لیا تھا، جس کا نام ”مناۃ“ تھا، وہ اس کی بیحد تعظیم کرتے تھے، اسی زمانہ میں سرزمین مکہ سے اسلام کا غلغلہ بلند ہوا تو مدینہ کے کچھ لوگ اس کو لبیک کہنے کے لیے مکہ پہنچے اور عقبہ ثانیہ میں مسلمان ہو کر واپس آئے، اس جماعت میں عمروؓ کے ایک لڑکے معاذ بھی شامل تھے۔

یہ لوگ مکہ سے واپس آئے تو شہر یثرب کا ہر گوشہ تکبیر کے نعروں سے گونج اٹھا، بنو سلمہ کے چند نوجوانوں نے جو مسلمان ہو چکے تھے، باہم مشورہ سے یہ طے کیا کہ کسی صورت سے عمروؓ کو بھی مسلمان بنایا جائے، ان کے بیٹے نے اس میں خاص کوشش کی، چنانچہ کچھ دنوں تک ان کا یہ مشغلہ رہا کہ معاذ بن جبلؓ وغیرہ کو ساتھ لے کر مکان آتے اور گھر والوں کو سوتا پا کر بت کو اٹھالاتے اور باہر کسی گڑھے میں پھینک دیتے تھے، صبح کو اٹھ کر عمر و سخت برہم ہوتے اور اپنے خدا کو اٹھا کر اندر لے جاتے، نہلاتے اور خوشبو مل کر پھر وہیں رکھ دیتے، آخر عاجز آ کر ایک دن بت کی گردن میں تلوار لٹکائی اور کہا کہ ”مجھے پتہ نہیں، ورنہ ان لوگوں کی خود خبر لیتا، اگر تم کچھ کر سکتے ہو تو کرو یہ تلوار موجود ہے“، ان لڑکوں کو اب ایک چال اور سوچھی، رات کو آ کر بت کو اٹھایا، گردن سے تلوار علاحدہ کی اور اس میں ایک مرے ہوئے کتے کو باندھ کر کنوے پر لٹکا دیا، عمرو نے یہ کیفیت دیکھی تو بجائے اس کے کہ اپنے معبود کی توہین پر غصہ ہوتے، راہ راست پر

آگے، چشم ہدایت روشن ہو گئی، اور اسی وقت مذہب اسلام قبول کیا، عمرو بن جموح ایک خوش گو شاعر تھے، انہوں نے اپنے بت کی ہجو میں اشعار کہے، جن کا ترجمہ یہ ہے:

(خدا کی قسم! اگر تو معبود ہوتا تو اور مرا ہوا کتنا کنویں کے اندر ایک رسی کے ساتھ بندھے ہوئے نہ ہوتے، لعنت ہو تیرے اس جگہ پڑے ہوئے پر، وہ کیسی ذلیل جگہ تھی اگر میں تجھے اس ذلیل جگہ سے تلاش کر کے نہ لاتا تو تو وہیں اوندھا پڑا رہتا، اللہ پاک نے مجھے اس سے پہلے بچا لیا کہ قبر کی تاریکی میں رہن رکھا جاتا، ساری تعریف اس خدائے بزرگ و برتر کی جو احسان کرنے والا، رزق دینے والا، اور بدلہ کے دن کا مالک ہے)



حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

حضرت معاذؓ کی طبیعت فطرۃً اثر پذیر واقع ہوئی تھی، چنانچہ نبوت کے بارہویں سال مدینہ میں اسلام کی دعوت شروع ہوئی تو حضرت معاذؓ نے اس کے قبول کرنے میں ذرا بھی پس و پیش نہ کیا، حضرت مصعب بن عمیرؓ داعی اسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صدق دل سے توحید کا اقرار کیا، اس وقت ان کی عمر ۱۸ سال کی تھی، حج کا موسم قریب آیا تو حضرت مصعبؓ مکہ روانہ ہوئے، اہل مدینہ کی ایک جماعت جس میں مسلم اور مشرک دونوں شامل تھے، ان کے ہمراہ ہوئی، حضرت معاذؓ بھی ساتھ تھے، مکہ پہنچ کر عقبہ میں وہ نورانی منظر سامنے آیا، جو حضرت معاذؓ کی آنکھوں نے کبھی نہ دیکھا تھا، یعنی رسول اللہ ﷺ اترتے کے وقت تشریف لائے اور اس جماعت سے بیعت لی۔ یہ جماعت مکہ سے مدینہ واپس ہوئی، تو آفتاب اسلام کی روشنی گھر گھر پھیل گئی، بیٹرب تمام مطلع انوار ہو گیا، حضرت معاذؓ کسمن تھے، مگر جوش ایمان کا یہ عالم تھا کہ بنو سلمہ کے بت توڑے جانے لگے، تو بت شکنوں کی جماعت میں وہ سب سے پیش پیش تھے، بت کا کسی کے گھر میں موجود ہونا اب ان کے لیے سخت تکلیف دہ تھا، بنو سلمہ کے اکثر گھر ایمان کی روشنی سے منور ہو چکے تھے، لیکن اب بھی کچھ لوگ ایسے باقی تھے، جن کا نفس آبائی مذہب چھوڑنے سے انکار کرتا تھا، عمرو بن جموح بھی انہیں لوگوں میں تھے جن کا قصہ گزر چکا ہے۔

حضرت زید بن سعنه کا قبول اسلام

زید بنی اسرائیل سے تھے، اور یہود میں بہت بڑے عالم شمار ہوتے تھے، آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے تو آپ ﷺ کی صورت دیکھتے ہی ان کو آپ ﷺ کی نبوت کا یقین ہو گیا، توراہ میں نبوت کی جو علامات مذکور ہیں ان سے تطبیق دی تو صرف دو باتوں کی کمی محسوس ہوئی جن کا تعلق اخلاق سے تھا، اور انہیں کی تحقیق پر ان کا ایمان لانا موقوف تھا۔

چنانچہ ایسا اتفاق ہوا کہ ایک روز دربار نبوی میں ایک سوار پہنچا کہ فلاں گاؤں کے لوگ مسلمان ہو گئے ہیں، لیکن قحط زدہ ہیں، آپ سے کچھ امداد ہو سکے تو در بلیغ نہ کیجئے، شہنشاہ مدینہ کے پاس نام خدا کے سوا اور کیا تھا، زید کو اب آزمائش کا موقع ملا، توراہ میں پیغمبر کی دو علامتیں مذکور ہیں، ایک یہ کہ اس کا حلم اس کے غیظ و غضب پر سبقت کرتا ہے، اور دوسری یہ کہ جاہلانہ حرکتوں کا جواب تحمل سے دیتا ہے، زید علم کے ساتھ مال و دولت سے بھی بہرہ مند تھے، حضور ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہا محمد ﷺ اگر چاہو تو فلاں باغ کے چھوہارے اتنی مدت کے لیے میرے ہاتھ رہن کر دو، آپ نے ۸۰ دینار (۴۰۰ روپے) پر چھوہاروں کی ایک معین مقدار رہن کر دی اور روپیہ سوار کے حوالہ کیا، ایک روز آنحضرت ﷺ ایک انصاری کے جنازہ پر تشریف لائے، حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ بھی ساتھ تھے، نماز سے فارغ ہوئے تو زید نے میعاد ختم ہونے سے پہلے ہی تقاضا شروع کیا اور نہایت سختی کی، چادر اور قمیص کا دامن پکڑا، پھر آپ کی طرف گھور کر دیکھا اور کہا: ”محمد ﷺ میرا حق نہ دو گے؟ خدا کی قسم عبدالمطلب

کی اولاد ہمیشہ کی نادر ہندہ ہے، یہ جملہ سن کر حضرت عمر کو پیش آگیا، بولے ”خدا کے دشمن! میرے سامنے رسول اللہ ﷺ کو یہ باتیں کہتا ہے، خدا کی قسم وار خالی جانے کا احتمال نہ ہوتا تو ابھی تیرا سراڑا دیتا“، آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا: ”یہ بات زیبا نہیں، تم ان کا قرض ادا کرنے کی فکر کرو، ان کو لے جا کر روپے دو، ۲۰/صاع اور زیادہ دینا جو اس خفگی کا جرمانہ ہے، زید نے حضرت عمر سے روپیہ لیا اور چونکہ ان دونوں وصفوں کی اب تصدیق ہو گئی تھی، اس لیے کلمہ توحید پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔



حضرت عبداللہ بن سلام کا قبول اسلام

ایام جاہلیت میں ان کا نام حصین تھا، لیکن آنحضرت ﷺ نے عبداللہ نام رکھا۔ عبداللہ بن سلام اپنے بچوں کے لیے باغ میں پھل چننے گئے تھے کہ آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے اور مالک بن نجار کے محلہ میں فروکش ہوئے، اس کی خبر عبداللہ بن سلام کو ہوئی، تو پھل لے کر دوڑے ہوئے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور زیارت سے شرف اندوز ہو کر واپس گئے، آنحضرت ﷺ نے پوچھا: ”ہمارے اعزہ (انصار) میں سب سے قریب تر کس کا مکان ہے؟“ حضرت ابوالیوب انصاریؓ نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ ﷺ! میں سب سے قریب رہتا ہوں، یہ میرا گھر ہے اور یہ دروازہ ہے،“ آنحضرت ﷺ نے ان کے مکان کو اپنا مسکن بنایا، جب آپ ﷺ کا مستقر متعین ہو گیا تو عبداللہ بن سلام دوبارہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ”آپ ﷺ سے تین باتیں دریافت کرتا ہوں جو انبیاء کے سوا کسی کو معلوم نہیں،“ آنحضرت ﷺ نے ان کا جواب دیا تو فوراً پکارا ٹھے ”أشهد أن لا اله الا الله وأشهد أنك رسول الله“ اس کے بعد کہا کہ ”یہود ایک افترا پرداز قوم ہے اور میں عالم بن عالم اور رئیس ابن رئیس ہوں، آپ ﷺ ان کو بلا کر میری نسبت دریافت کیجئے لیکن میرے مسلمان ہو جانے کی خبر نہ دیجئے گا،“ آنحضرت ﷺ نے یہود کو طلب فرما کر اسلام کی دعوت دی اور کہا: ”عبداللہ بن سلامؓ کون شخص ہیں؟“ بولے ”ہمارے سردار ہمارے سردار کے بیٹے ہیں،“ فرمایا: ”وہ مسلمان ہو سکتے ہیں؟“ جواب ملا ”کبھی نہیں،“ حضرت عبداللہ بن سلامؓ مکان کے ایک گوشہ میں چھپے ہوئے تھے، آنحضرت ﷺ

نے آواز دی تو کلمہ پڑھتے ہوئے باہر نکل آئے، اور یہودیوں سے کہا: ”ذرا خدا سے ڈرو، تمہیں خوب معلوم ہے کہ یہ رسول ہیں اور ان کا مذہب بالکل سچا ہے، اس کے باوجود ایمان لانے پر آمادہ نہیں ہوتے“، یہود کو خلاف توقع جو سخت نصیب ہوئی اس نے ان کو مشتعل کر دیا انہوں نے غصہ میں کہا کہ ”تم جھوٹے ہو اور ہماری جماعت کے بدترین شخص ہو اور تمہارا باپ بھی بدتر تھا“، حضرت عبداللہؓ نے کہا: ”یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے دیکھا مجھ کو اسی کا خوف تھا“۔



حضرت ابو جابر عبد اللہ کا قبول اسلام

انصار میں اسلام کی ابتداء بیعت عقبہ سے ہوئی، اللہ نبوت میں چھ انصاری مکہ جا کر شرف اسلام اور حضور ﷺ کی بیعت سے بہرہ ور یاب ہوئے، دوسرے سال مدینہ کے بارہ اشخاص نے یہ سعادت حاصل کی اور اسی سال ان کی درخواست پر جب حضور ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو اسلام کا مبلغ اول بنا کر مدینہ منورہ روانہ کیا تو ان کی تبلیغی مساعی کے نتیجہ میں انصار کے گھر گھر میں اسلام کا چرچا پھیل گیا۔

معلوم نہیں کیا چیز مانع ہوئی کہ حضرت عبد اللہ اس زمانہ میں اسلام قبول نہ کر سکے، البتہ ۱۳ نبوت کے موسم حج میں جب اہل مدینہ کا ایک قافلہ حج کے لیے مکہ جانے کے لیے تیار ہوا تو وہ بھی اس میں شامل ہو گئے، ابن جریر طبری نے حضرت کعب بن مالکؓ سے روایت کی ہے کہ سفر کے درمیان میں ہم نے عبد اللہ سے کہا: ”اے ابو جابر! آپ بھی ہماری قوم کے ایک سردار ہیں، اور آپ کو بڑی عزت اور مرتبہ حاصل ہے، لیکن ہمیں یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ آپ ابھی تک کفر و شرک کی بھول بھلیوں میں بھٹک رہے ہیں، اگر آپ اپنی روش پر قائم رہے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ آپ کو دوزخ میں پھینک دے گا، ہم نہیں چاہتے کہ آپ جیسے ذی فہم آدمی کا یہ انجام ہو، کیا ہی خوب ہو کہ آپ ہمارا ساتھ دیں اور دین حق قبول کرنے میں تاخیر نہ کریں، رسول اللہ ﷺ نے ہم سے ملاقات کا وعدہ فرما رکھا ہے، ہم حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کریں گے۔“

غرض ہم نے ایسے دل نشین پیرائے میں عبد اللہ کو اسلام کی دعوت دی کہ وہ فی الفور ہمارے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے، ان کے نوجوان فرزند جابرؓ بھی اس قافلے میں شامل تھے وہ بھی ان کے ساتھ ہی مشرف باسلام ہوئے۔

حضرت صرمہ بن ابی انس کا قبول اسلام

حضور ﷺ کی بعثت سے پہلے اگرچہ تمام اہل عرب مجموعی طور پر کفر و شرک کی دلدل میں دھنسے ہوئے تھے، تاہم ان میں کچھ ایسے لوگ بھی موجود تھے جو موحد اور مسلک ابراہیمی کے پیرو تھے، اور بعض ایسے بھی تھے جو غیر اللہ کی عبادت سے تو مجتنب تھے لیکن کسی شریعت میں داخل نہ تھے، اور توحید و عبادت الہی کی طلب میں حضرت خاتم المرسلین ﷺ کے ظہور کے منتظر تھے، ایسے اصحاب نہ صرف مکہ اور عرب کے بعض دوسرے علاقوں میں موجود تھے بلکہ یثرب (مدینہ) بھی ان کے وجود سے خالی نہ تھا، یثرب میں ابو قیس صرمہ بن ابی انس اپنی کبر سنی اور پاکبازی کی بناء پر امتیازی حیثیت کے مالک تھے، حضرت صرمہ کو اللہ تعالیٰ نے فطرت سعید سے نوازا تھا، وہ جوانی ہی میں بت پرستی سے متنفر ہو گئے اور دنیا ترک کر کے رہبانیت اختیار کر لی، اس زمانے میں وہ ٹاٹ کا لباس پہنتے تھے اور گوشہ عزلت میں بیٹھ کر غور و تفکر میں مشغول رہتے تھے، ایک مرتبہ انہوں نے ارادہ کیا کہ راج الوقت ادیان میں سے جو دین صحیح معنوں میں سعادت و فلاح ابدی کی طرف رہنمائی کرتا ہو اس کو اختیار کر لیں، چنانچہ اس اشتیاق نے انہیں دین مسیحی کی طرف مائل کیا، لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ اس زمانے کے مسیحیوں نے اپنے دین میں تحریف کر ڈالی ہے اور اس میں بت پرستی کو شامل کر لیا ہے تو وہ قبول مسیحیت کے ارادہ سے دست بردار ہو گئے، اور دین ابراہیمی اختیار کر لیا، گورہنمائی کرنے والا کوئی نہ تھا لیکن وہ اپنی بصیرت اور اپنے شعور کے مطابق خدائے واحد کی عبادت میں مشغول رہنے لگے، وہ اپنی عبادت کے بارے میں فرمایا کرتے تھے:

”اعبد رب ابراہیم“ (میں ابراہیم کے رب کی عبادت کرتا ہوں)
 ہجرت نبوی سے کچھ مدت پہلے یثرب میں اسلام کا چرچا پھیلا اور لوگ نبی آخر
 الزماں کا ذکر کرنے لگے تو حضرت صرمہؓ کے دل نے گواہی دی کہ مکہ میں جس ذات
 اقدس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے وہ خدا کے سچے رسول ہیں، اور دین حق کی تبلیغ و ترویج
 کے لیے مبعوث ہوئے ہیں، بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر قبول اسلام کے لیے بیتاب
 ہو گئے لیکن بڑھاپے نے مکہ معظمہ کا سفر اختیار کرنے کی طاقت نہ چھوڑی تھی، نہایت
 بے قراری سے مدینہ میں حضور ﷺ کی آمد کا انتظار کرنے لگے۔

بالآخر وہ ساعت آ پہنچی جب سرور عالم ﷺ نے سرزمین یثرب کو اپنی تشریف
 آوری سے مشرف فرمایا اس وقت یثرب مدینۃ النبی بن گیا۔

حضرت صرمہؓ مسرت سے بے خود ہو گئے، نہایت جوش سے سرکارِ دو عالم
 ﷺ کا استقبال کیا، قبول اسلام اور بیعت کے شرف سے مشرف ہوئے اور اس
 دولت لازوال کے حصول پر سجدہ شکر بجالائے، قبول اسلام کے وقت حضرت صرمہؓ کی
 عمر ایک سو آٹھ برس کے لگ بھگ تھی۔



حضرت امیر معاویہؓ کا قبول اسلام

حضرت امیر معاویہ کا خاندان بنو امیہ زمانہ جاہلیت سے قریش میں معزز و ممتاز چلا آتا تھا، ان کے والد ابوسفیان قریش کے قومی نظام میں عقاب یعنی علمبرداری کے عہدہ پر ممتاز تھے، ابوسفیان آغاز بعثت سے فتح مکہ تک اسلام کے سخت دشمن رہے، اور آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کی ایذا رسانی اور اسلام کی بیخ کنی میں کوئی امکائی کوشش باقی نہیں رکھی، اس زمانہ میں اسلام کے خلاف جو بھی تحریکیں ہوئیں، ان سب میں علانیہ یا در پردہ ان کا ہاتھ ضرور ہوتا تھا، فتح مکہ کے دن ابوسفیان اور امیر معاویہ دونوں مشرف بہ اسلام ہوئے، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ معاویہ صلح حدیبیہ کے زمانہ میں دولت اسلام سے بہرہ ور ہو چکے تھے، لیکن باپ کے خوف سے اس کا اظہار نہیں کیا تھا، لیکن یہ روایت مسلمہ روایات کے بالکل خلاف ہے، اور اس کی تائید میں اور کوئی روایت نہیں ملتی، اس لیے ناقابل اعتبار ہے، تاہم اس قدر یقینی ہے کہ ابوسفیان کی اسلام سے دشمنی کے باوجود معاویہ کو مسلمانوں سے کوئی خاص عناد نہ تھا، چنانچہ ان کے اسلام لانے سے پہلے بدر اور احد وغیرہ بڑے بڑے معرکے ہوئے، مگر ان میں سے کسی میں مشرکین کے ساتھ معاویہ کی شرکت کا پتہ نہیں چلتا۔

ان کے مشرف بہ اسلام ہونے کی خوشی میں آنحضرت ﷺ نے انہیں مبارکباد دی، قبول اسلام کے بعد معاویہ حنین اور طائف کے غزوات میں شریک ہوئے، حنین کے مال غنیمت میں سے آنحضرت ﷺ نے ان کو سواونٹ اور چالیس اوقیہ سونا یا چاندی مرحمت فرمایا تھا، اسی زمانہ میں معاویہ کے خاندانی وقار کے لحاظ سے ان کو کتابت وحی کا جلیل القدر منصب ملا۔

حضرت اقرع بن حابس کا قبول اسلام

اقرع باضابطہ اسلام قبول کرنے سے بہت پہلے اسلام سے متاثر تھے، چنانچہ فتح مکہ، حنین اور طائف میں کفر کی حالت میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے۔

فتح مکہ کے بعد جب رؤسائے تمیم مدینہ آئے تو اقرع بھی تھے، روسائے عرب کی طرح بنی تمیم کے عمائد میں بھی عالی نسبی کا بڑا غرور اور دولت کا بڑا نشہ تھا، فخر و تعلیٰ کی مجلسیں ہوتی تھیں، جن میں روساء و عمائد اپنے اپنے فخریہ سناتے تھے، مدینہ آئے تو یہ تمام لوازم ساتھ تھے، کاشانہ نبوی پر پہنچ کر ارکان وفد نے آواز دی ”محمد ﷺ باہر نکلو“ آپ کو ناگوار ہوا تاہم حجرہ اقدس سے باہر تشریف لائے اور رؤسائے تمیم نے کہا: ”ہم لوگ فحاری کے لیے آئے ہیں، اجازت دو کہ ہمارے شعراء بلغاء اپنی سحر بیانی کے جوہر دکھائیں“، ابن ہشام کی روایت ہے کہ آپ نے ان کی درخواست قبول کر لی، لیکن صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”میں شعر بازی اور فحاری کے لیے نہیں مبعوث ہوا ہوں، لیکن تم اگر اسی کے لیے آئے ہو تو ہم بھی اس سے باہر نہیں ہیں“، اجازت ملنے کے بعد عطار وین حاجب کھڑے ہوئے اور نہایت فخر و مباہات کے ساتھ بنی تمیم کے تمول، ثروت، اثر و اقتدار، عالی نسبی، شجاعت و بہادری اور مہمان نوازی کی جاہلانہ داستان سنائی ان کی تقریر ختم ہونے کے بعد مسلمانوں کی جانب سے جواب کے لیے حضرت ثابت بن قیس کھڑے ہوئے، لیکن یہ جواب کیا تھا؟ تمول و ثروت کی فحاری نہ تھی، عالی نسبی کا غرور نہ تھا، شجاعت و بہادری کی داستان سرائی نہ تھی، بلکہ آنحضرت ﷺ کی بعثت، قرآن کا نزول، اسلام کی تبلیغ، انصار کی

حمایت اور اعلائے کلمۃ اللہ کی تاریخ، اور اسلام کی دعوت تھی، ثابت کے بعد بنی تمیم کے معزز رکن زیرقان بن بدر اٹھے اور اسی جاہلیت کی غرور آمیز داستان کو اشعار میں دہرایا، ان کے مقابلہ میں دربار رسالت کے ملک الشعراء اور طوطی اسلام حضرت حسان بن ثابتؓ کو جواب کا حکم ہوا، انہوں نے جواب دیا، رؤسائے تمیم کی فخاری اور مسلمانوں کے تبلیغی جواب کا یہ اثر ہوا کہ بنی تمیم کے معزز رکن اقرع بن حابس نے اٹھ کر اپنے ارکان سے کہا: ”محمد ﷺ کے خطیب ہمارے خطیبوں اور ان کے شعراء ہمارے شعراء سے بہتر ہیں، ان کی آوازیں ہماری آوازوں سے زیادہ شیریں اور دلاویز ہیں، میں شہادت دیتا ہوں کہ خدا کے علاوہ کوئی معبود نہیں، آپ خدا کے رسول ہیں، اس کے قبل جو کچھ ہو چکا وہ آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا“، قبول اسلام کے بعد انہیں کسی غزوہ میں شرکت کا موقع نہیں ملا، مگر آنحضرت ﷺ نے بعض سرایا کے مال غنیمت میں ان کا حصہ بھی لگایا۔



حضرت امرؤ القیسؓ کا قبول اسلام

۱۰ھ میں کندہ (حضرت موت) کے وفد کے ساتھ مدینہ آ کر آنحضرت ﷺ کے دست حق پرست پر مشرف بہ اسلام ہوئے، قبول اسلام کے بعد پھر وطن واپس چلے گئے، حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں جب عرب کے قبائل میں ارتداد کی وبا پھیلی تو امرؤ القیسؓ کا پورا قبیلہ مرتد ہو گیا، لیکن ان کے پائے ایمان میں لغزش نہ آئی، اور انہوں نے اپنے قبیلہ کو دوبارہ دائرۃ اسلام میں واپس لانے کی پوری کوشش کی، اور اس کے لیے افہام و تفہیم، زجر و توبیح وغیرہ تمام امکانی ذرائع صرف کر دیئے، کندہ کے رئیس اشعث بن قیس بھی جو حضرت حسنؓ کے خسر تھے، مرتد ہو گئے تھے، امرؤ القیسؓ نے انہیں بہت سمجھایا کہ ”اس فتنہ سے خدا ابو بکرؓ کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا، مخالفوں کو ناکامی ہوگی، اور ان کا سر قلم کر دیا جائے گا تم اپنے اوپر رحم کرو، اور اس فتنہ سے بچو، اگر تم اس کا رخیر کی طرف قدم بڑھاؤ گے تو سب تمہاری پیروی کریں گے، اور پیچھے رہو گے تو ان میں اختلاف پیدا ہوگا“، اشعث نے جواب دیا: ”عرب اپنے آبائی مذہب پر لوٹ رہے ہیں“، امرؤ القیسؓ نے کہا: ”خیر تو تم کو بہت جلد اس کا تجربہ ہو جائے گا، رسول اللہ ﷺ کے عمال تم کو کبھی ارتداد کی حالت میں نہیں چھوڑ سکتے۔“

ارباب سیر لکھتے ہیں کہ فتنہ ارتداد کو ختم کرنے میں انہوں نے بڑی انتھک کوشش کی، ان کی مخلصانہ کوششیں بار آور ہوئیں اور کندہ کے بہت سے گھرانے ارتداد سے بچ گئے، اور انہوں نے حضرت ابو بکرؓ کے پاس اس کی اطلاع بھیجی۔

امرؤ القیسؓ کا دل جوش ایمانی سے اس قدر معمور تھا کہ ارتداد کے سلسلہ میں

انہوں نے اپنے خاص اعزہ کی محبت بھی دل سے نکال دی تھی، اور ان کی تلوار ان کے مرتد اعزہ کے مقابلہ میں بھی بے نیام ہوئی، فتنہ ارتداد ختم ہونے کے بعد جو باغی مرتد قتل کرنے کے لیے لائے گئے ان میں امرؤ القیسؓ کے چچا بھی تھے، امرؤ القیسؓ خود انہیں قتل کرنے کے لیے بڑھے، چچا نے کہا: ”کیا تم چچا کو بھی قتل کر دو گے؟“ امرؤ القیسؓ نے کہا: ”پیشک آپ میرے چچا ہیں، لیکن اللہ میرا رب ہے۔“



حضرت بدیل بن ورقاء کا قبول اسلام

فتح مکہ کے بعد بدیل مشرف بہ اسلام ہوئے، بعض ارباب سیران کے اسلام کا زمانہ فتح مکہ سے پہلے بتاتے ہیں، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، ان کو آنحضرت ﷺ کے پاس بدیل کی آمد و رفت کے واقعات سے التباس ہوا ہے، لیکن یہ آمد و رفت اسلام کی وجہ سے نہ تھی، بلکہ معاہدہ کی وجہ سے تھی، قبول اسلام کے وقت بدیل کی عمر ۹۷ سال کی تھی، مگر داڑھی کے سب بال سیاہ تھے، آنحضرت ﷺ نے پوچھا: ”عمر کیا ہے؟“ عرض کی: ”۹۷ برس“، فرمایا: ”خدا تمہارے جمال اور بالوں کی سیاہی میں اور ترقی دے۔“



حضرت تمیم بن اسد کا قبول اسلام

فتح مکہ کے قبل مشرف بہ اسلام ہوئے، فتح مکہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے، تطہیر حرم کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا، چنانچہ روایت کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن جب آنحضرت ﷺ مکہ میں داخل ہوئے، تو خانہ کعبہ کے گرد تین سو سے اوپر بت رانگے سے جڑے ہوئے نصب تھے، آپ ﷺ

﴿جاء الحق وزهق الباطل﴾

پڑھ پڑھ کر بتوں کی طرف اشارہ کرتے جاتے تھے اور بت گرتے جاتے تھے۔



حضرت ثمامہ بن اثال کا قبول اسلام

ثمامہ یمامہ کے سرداروں میں سے تھے۔ فتح مکہ کے کچھ دنوں پہلے آنحضرت ﷺ نے یمامہ کی طرف ایک مختصر سریہ جس میں چند سوار تھے بھیجا تھا، ان لوگوں نے لوٹتے وقت ثمامہ کو گرفتار کر لیا اور وہ لا کر مسجد نبوی کے ستون میں باندھ دیئے گئے، آنحضرت ﷺ نے ان کے پاس آ کر پوچھا: ”کیوں ثمامہ کیا ہوا؟“ کہا: ”محمد ﷺ بہت اچھا ہوا، اگر تم مجھ کو قتل کرو گے تو ایک چاندرا کو قتل کرو گے، اور اگر احسان کر کے چھوڑ دو گے تو ایک احسان شناس پر احسان کرو گے، دوسرے دن پھر یہی سوال وجواب ہوا، تیسرے دن بھی یہی واقعہ پیش آیا، تیسری مرتبہ سوال وجواب کے بعد آنحضرت ﷺ نے انہیں رہا کر دیا، ثمامہ پر اس رحم و کرم کا یہ اثر ہوا کہ رہائی پانے کے بعد اسلام کے اسیر ہو گئے، مسجد نبوی کے قریب ایک نخلستان میں گئے، اور نہا دھو کر مسجد میں آئے اور کلمہ شہادت پڑھ کر آنحضرت ﷺ سے کہا: ”خدا کی قسم آپ کی ذات، آپ کے مذہب اور آپ کے شہر سے زیادہ روئے زمین پر مجھے کسی سے بغض نہیں تھا، لیکن اب آپ کی ذات، آپ کے مذہب اور آپ کے شہر سے زیادہ کوئی ذات، کوئی مذہب اور کوئی شہر محبوب نہیں ہے، میں عمرہ کا قصد کر رہا تھا کہ آپ کے سواروں نے مجھے پکڑ لیا، اب کیا حکم ہوتا ہے؟“ آپ نے بشارت دی اور عمرہ پورا کرنے کا حکم دیا چنانچہ وہ عمرہ کے لیے مکہ گئے، کسی نے پوچھا: ”تم بے دین ہو گئے؟“ کہا: ”نہیں، بلکہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اسلام لایا، یاد رکھو اب بغیر رسول اللہ ﷺ کی اجازت کے گیاروں کا ایک دانہ بھی یمامہ سے مکہ نہیں آسکتا۔“

عمرہ پورا کرنے کے بعد یمامہ جا کر غلہ رکوا دیا، مکہ والوں کا دار و مدار یمامہ کے غلہ پر تھا، اس لیے وہاں آفت پیا ہو گئی، اہل مکہ نے آنحضرت ﷺ کے پاس لکھ بھیجا کہ تم صلہ رحمی کی تعلیم دیتے ہو، لیکن تمہارا عمل اس کے برعکس ہے، تم نے سن رسیدہ لوگوں کو تلوار سے اور بچوں کو بھوک سے مار ڈالا، ان کی اس تحریر پر آپ ﷺ نے حکم دیا کہ غلہ نہ روکا جائے مشہور مدعی نبوت مسیلمہ کذاب، شمامہ کا ہم وطن تھا، اس نے حیات نبوی ہی میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا لیکن آفتاب حقیقت پر اس کی تاریکی غالب نہ آسکی، آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد مسیلمہ بڑے زور و شور کے ساتھ اٹھا، اہل یمن اس کے دام تزویر میں پھنس کر مرتد ہو گئے، اور مسیلمہ نے یمن پر قبضہ کر لیا، اس زمانہ میں شمامہ وطن ہی میں موجود تھے، انہوں نے اہل یمامہ کو ارتداد سے بچانے کی بہت کوشش کی، ہر شخص کے کانوں تک یہ آواز پہنچاتے تھے کہ ”لوگو! اس تاریکی سے بچو جس میں نور کی کوئی کرن نہیں“؛ لیکن مسیلمہ کی آواز کے سامنے ان کی آواز صدا بصر ا ثابت ہوئی، جب انہوں نے دیکھا کہ ان کے پند و نصائح کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا، اور لوگ مسیلمہ کے دام میں پھنس چکے ہیں، تو خود یمامہ چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لیا۔

اسی دوران میں علاءِ حضرمی جو مرتدین کے استیصال پر مامور ہوئے تھے، یمامہ کی طرف سے گذرے، شمامہ کو خبر ہوئی تو انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ”بنی حنیفہ کے ارتداد کے بعد میں ان کے ساتھ نہیں رہ سکتا، عنقریب خدا ان پر ایسی مصیبت نازل کرے گا کہ ان سے اٹھتے بیٹھتے نہ بنے گا، مسلمان اس فتنہ کو ختم کرنے کے لیے آئے ہیں، ان سے نہ بچھڑنا چاہیے، تم میں سے جس کو چلنا ہو وہ فوراً تیار ہو جائے“، غرض اپنے ہم خیال اشخاص کو ساتھ لیکر علاء کی مدد کو پہنچے، جب مرتدین کو یہ معلوم ہوا کہ کچھ بنی حنیفہ بھی علاء کی امداد پر آمادہ ہیں، تو وہ کمزور پڑ گئے، یمامہ کی مہم حضرت خالد کے سپرد تھی، اور علاء بحرین کے مرتدین پر مامور تھے، چنانچہ شمامہ بھی علاء کے ساتھ بحرین چلے گئے، اور مرتدین کے استیصال میں برابر کے شریک رہے۔

حضرت جابر بن مسلم کا قبول اسلام

حضرت جابر اپنے اسلام کا یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ لوگ ایک شخص کی رائے کو قبول کرتے جا رہے ہیں، میں نے پوچھا: ”یہ کون ہیں؟“ معلوم ہوا رسول اللہ ﷺ ہیں، میں نے آپ کے پاس جا کر کہا: ”علیک السلام یا رسول اللہ!“ یہ سلام سن کر آپ نے فرمایا: ”علیک السلام مردوں کا سلام ہے، السلام علیک یا رسول اللہ کہا کرو،“ اس تعلیم کے بعد انہوں نے کہا: ”السلام علیک یا رسول اللہ! آپ اللہ کے رسول ہیں؟“ فرمایا: ”ہاں میں خدا کا رسول ہوں، میری دعا قبول ہوتی ہے، اگر میں تمہارے لیے دعا کروں تو قبول ہوگی، اگر تمہارے یہاں قحط سالی ہو تو میری دعا سے تم سیراب ہو گے اور تمہارے لیے پیداوار ہوگی، اگر تم بے آب و گیاہ میدان میں ہو، اور تمہاری سواری گم ہو جائے تو میری دعا سے تمہارے پاس واپس آ جائے گی،“ یہ سن کر میں نے کہا: ”یا رسول اللہ! خدا نے آپ کو جو کچھ سکھایا ہے، وہ مجھے بھی سکھائیے،“ فرمایا: ”نیکی کو حقیر نہ سمجھو اگر چہ وہ اسی قدر ہو کہ اپنے بھائی سے خندہ روئی سے گفتگو کرو یا اپنے ڈول سے پیاسے کے برتن میں پانی ڈال دو، اگر کوئی شخص تمہارے راز سے واقف ہو اور وہ تم کو کسی بات پر شرم دلائے، تم اس کے راز کا حوالہ دیکر اس کو شرم نہ دلاؤ، تاکہ اس کا وبال تمہارے اوپر نہ ہو، لٹکے ہوئے ازار (پاجامہ) سے پرہیز کرو، کیونکہ یہ غرور کی نشانی ہے اور غرور خدا کو ناپسند ہے، کسی کو گالی نہ دو،“ آپ ﷺ کے ارشاد کے بعد سے انہوں نے کسی انسان بلکہ اونٹ اور بکری تک کو گالی نہیں دی۔

حضرت چاروڈ بن عمرو کا قبول اسلام

چاروڈ مذہباً عیسائی تھے، قبیلہ عبد قیس کے وفد کے ساتھ ۱۰ھ میں مدینہ آئے، آنحضرت ﷺ نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا، انہوں نے کہا: ”محمد ﷺ میں ایک مذہب پر تھا، اب تمہارے مذہب کے لیے اپنا مذہب چھوڑنے والا ہوں، کیا میرے تبدیل مذہب کے بعد تم میرے ضامن ہو گے؟“ فرمایا: ”ہاں میں ضامن ہوں، خدا نے تم کو تمہارے مذہب سے بہتر مذہب کی ہدایت کی“، اس مختصر سوال و جواب کے بعد چاروڈ اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے، اور ان کے ساتھ ان کے اور ساتھی مشرف پہ اسلام ہوئے، آنحضرت ﷺ کو ان کے اسلام لانے پر بڑی مسرت ہوئی اور ان کی بڑی عزت و توقیر کی، قبول اسلام کے بعد وطن لوٹنے کے لیے آنحضرت ﷺ سے سواری مانگی، لیکن سواری کا انتظام نہ ہو سکا، تو چاروڈ نے اجازت مانگی کہ یا رسول اللہ ﷺ! راستے میں ہم کو دوسروں کی بہت سی سواریاں ملیں گی، ان کو کام میں لانے کی اجازت ہے؟ فرمایا: ”نہیں انہیں آگ سمجھو“، غرض چاروڈ خلعت اسلام سے سرفراز ہونے کے بعد وطن واپس گئے۔

فتنہ ارتداد میں ان کے قبیلہ کے بہت سے آدمی مرتد ہو گئے، لیکن ان کی استقامت ایمانی میں کوئی تزلزل نہ آیا، اور اپنے اسلام کا اعلان کر کے دوسروں کو ارتداد سے روکتے تھے۔

حضرت جبیر بن مطعم کا قبول اسلام

جبیر کے والد مطعم قریش کے نرم دل اور خدا ترس بزرگوں میں تھے، ان کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کو مکہ کی ابتدائی زندگی میں جبکہ آپ پر چاروں طرف سے مصائب و آلام کا ہجوم تھا، بڑی امداد ملی، غالباً ناظرین کو معلوم ہوگا کہ مکہ میں جب آنحضرت ﷺ کی تبلیغی کوششیں بار آور ہونے لگیں اور قریش کو آنحضرت ﷺ کو فریضہ تبلیغ سے روکنے کی کوئی صورت نظر نہ آئی، تو آپس میں معاہدہ کر کے بنو ہاشم کا مقاطعہ (بایکاٹ) کر دیا جس کی رو سے بنی ہاشم میں شادی بیاہ اور خرید و فروخت جملہ معاشرتی تعلقات ناجائز قرار پائے اور یہ عہد نامہ خانہ کعبہ میں آویزاں کر دیا گیا، اس معاہدہ کی رو سے چونکہ قریش کی دوسری شاخوں کا میل جول بنی ہاشم کے ساتھ ممنوع ہو گیا تھا، اس لیے بنی ہاشم شعب ابی طالب میں چلے گئے، اور تین سال تک اس قید میں زندگی بسر کرتے رہے، اس طویل مدت میں شعب ابی طالب پر برابر قریش کا برابر پہرہ قائم رہا، اور کھانے پینے کی کوئی چیز شعب ابی طالب میں نہ جانے پاتی تھی، لیکن اس گروہ اشقیاء میں کچھ نرم دل بھی تھے، جو کھانے پینے کی چیزیں چراچھپا کر پہنچا دیا کرتے تھے، آخر میں بعض منصف مزاجوں نے اس ظالمانہ معاہدہ کے خلاف صدا بلند کی اور کوشش کر کے اسے چاک کر دیا، ان احتجاج کرنے والوں میں ایک جبیر بن مطعم بھی تھے۔

حضرت خدیجہؓ اور ابو طالب کے بعد جب مکہ میں آنحضرت ﷺ کا کوئی ظاہری سہارا باقی نہ رہا، اور تبلیغ کے لیے آپ طائف تشریف لے گئے، اور وہاں سے ناکام لوٹے تو اس وقت مکہ کا ذرہ ذرہ آپ کا دشمن ہو رہا تھا، اور بظاہر کوئی جائے پناہ باقی نہ

تھی، مطعم کی نرم دلی سے آپ واقف تھے، اس لیے مکہ کے پاس پہنچ کر ان سے پناہ طلب کی، مطعم گو اس وقت کافر تھے، لیکن آنحضرت ﷺ کی درخواست پر آپ کو اپنی حمایت میں لے لیا، مطعم کو معلوم تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو اپنی حمایت میں لینا تمام مشرکین مکہ کو مقابلہ کی دعوت دینا ہے، اسی لیے حمایت میں لینے کے بعد ہی اپنے لڑکوں کو حکم دیا کہ ہتھیار لگا کر حرم میں آئیں، اور خود حرم میں جا کر بیاگک دہل اعلان کیا کہ ”میں نے محمد ﷺ کو اپنی پناہ میں لے لیا ہے“، جبیر اسی منصف مزاج اور نرم دل باپ کے فرزند تھے، لیکن قومی عصبیت قبول حق سے مانع آتی تھی، مشرکین مکہ اور مسلمانوں کے درمیان سب سے پہلا معرکہ بدر ہوا، اس میں جبیر شریک نہ ہو سکے تھے، لیکن اپنے قیدیوں کو فدیہ دے کر چھڑانے آئے تھے، جس وقت یہ پہنچے اس وقت آنحضرت ﷺ نماز میں مصروف تھے، اور سورہ طور کی آیات تلاوت فرما رہے تھے، جبیر مسجد میں داخل ہوئے تو کلام اللہ کی سحر انگیز آیتیں کانوں میں پڑیں، انہیں سن کر جبیر اس درجہ متاثر ہوئے کہ وہ بیان کرتے تھے کہ ”معلوم ہوتا تھا کہ میرا قلب پھٹ جائے گا“، آنحضرت ﷺ کے نماز پوری کرنے کے بعد انہوں نے آپ ﷺ سے بدر کے قیدیوں کے بارے میں گفتگو کی، آپ ﷺ نے ان کے باپ کے احسانات کو یاد کر کے فرمایا کہ ”اگر تمہارے باپ زندہ ہوتے اور وہ سفارش کرتے تو میں چھوڑ دیتا“۔

بدر کے مقتولین کا انتقام احد کی صورت میں ظاہر ہوا، اس میں تمام مشرکین نے بقدر استطاعت حصہ لیا، جبیر نے اپنے غلام وحشی کو بھیجا اور کہا: ”اگر تم حمزہؓ کو قتل کر دو گے تو تم کو آزاد کر دیا جائے گا“، چنانچہ حضرت حمزہؓ اسی غلام کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

جبیر میں اثر پذیری کا مادہ پہلے سے موجود تھا، حالت کفر میں آیات قرآنی سے تاثر اس کا بین ثبوت ہے، لیکن قومی عصبیت مانع آتی تھی، لیکن بالآخر قبول حق کا مادہ جذبہ عصبیت پر غالب آ گیا، اور بروایت صحیح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیانی زمانہ میں وہ مسلمان ہو گئے۔

حضرت جریر بن عبد اللہ بجلي کا قبول اسلام

حضرت جریر یمن کے شاہی خاندان کے رکن اور قبیلہ بجیلہ کے سردار تھے۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جریر وفات نبوی کے کل چالیس روز پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے، لیکن یہ صحیح نہیں، بروایت صحیح وہ حجۃ الوداع میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے، اس لیے وفات سے کم از کم چار پانچ مہینہ پہلے ان کا اسلام ماننا پڑے گا۔ اور واقدی کے بیان کے مطابق رمضان ۱۰ھ میں اسلام لائے، اس روایت کی رو سے آنحضرت ﷺ کی وفات کے سات مہینہ پہلے ان کا اسلام لانا ثابت ہوتا ہے، بہر حال اس قدر یقینی ہے کہ وہ وفات نبوی سے کئی مہینہ پہلے اسلام لائے تھے۔

جب یہ قبول اسلام کے لیے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے پوچھا: ”کیسے آنا ہوا؟“ عرض کیا: ”اسلام قبول کرنے کے لیے“، آپ ﷺ نے ان کے بیٹھنے کے لیے اپنی چادر بچھادی اور مسلمانوں سے فرمایا: ”جب تمہارے پاس کسی قوم کا معزز آدمی آئے تو اس کی عزت کیا کرو“، اس کے بعد جریر نے اسلام کے لیے ہاتھ بڑھایا، اور کہا کہ ”میں اسلام پر بیعت کرتا ہوں“، آنحضرت ﷺ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: ”ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنا“، پھر فرمایا: ”جو شخص انسانوں پر رحم نہیں کرتا اس پر خدا رحم نہیں کرتا“، اور بلا شرکت غیرے خدائے واحد کی پرستش، فرض نمازوں کی پابندی، مفروضہ زکوٰۃ کی ادائیگی، مسلمانوں کو نصیحت اور خیر خواہی، اور کافروں سے برأت پر بیعت لی۔

قبول اسلام کے بعد سب سے اول آنحضرت ﷺ کے ساتھ حجۃ الوداع میں

شریک ہوئے، اس میں مجمع کو خاموش کرنے کی خدمت ان کے سپرد تھی۔

فتح مکہ کے بعد قریب قریب عرب کے تمام قبیلے اسلام کے حلقہ اثر میں آ گئے تھے، لیکن بعضوں میں صدیوں کے اعتقاد کی وجہ سے تو ہم پرستی باقی تھی، اور صنم کدوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے ڈرتے تھے، اس وہم کو دور کرنے کے لیے آنحضرت ﷺ نے کئی صنم کدے گروائے، یمن کے صنم کدہ ذی الحلیفہ کو جو کعبہ یمانی کے نام سے مشہور تھا ڈھانے کی خدمت جریرؓ کے سپرد ہوئی، ایک دن آپ نے جریرؓ سے فرمایا: ”کیا تم ذی الحلیفہ کو ڈھا کر مجھے مطمئن نہ کرو گے؟“ عرض کیا: ”بسر و چشم حاضر ہوں لیکن گھوڑے کی پیٹھ پر جم کے نہیں بیٹھ سکتا“، یہ عذر سن کر آپ نے ان کے سینہ پر ہاتھ مارا اور دعا دی کہ ”خدا یا ان کو (گھوڑے کی پیٹھ پر) جمادے، اور ہادی و مہدی بنا“، جریرؓ رسول اللہ ﷺ کی ان دعاؤں کو لے کر ۱۵۰/سواروں کے دستہ کے ساتھ یمن پہنچے، اور ذی الحلیفہ کے صنم کدہ کو جلا کر خاکستر کر دیا، اور ابوار طاة کو اطلاع کے لیے مدینہ بھیجا، انہوں نے آ کر آنحضرت ﷺ کو مشرودہ سنایا کہ ”یا رسول اللہ ﷺ! ہم نے ذی الحلیفہ کو جلا کر خارشتی اونٹ بنا دیا“، یہ خبر سن کر آپ نے اس سر یہ کے سوار اور پیدل کے لیے برکت کی دعا فرمائی۔



حضرت جمیل بن معمر کا قبول اسلام

جمیل پیٹ کے بڑے ہلکے تھے، کوئی بات چھپا نہ سکتے تھے، ادھر سنا اور ادھر مشہور کر دیا، حضرت عمرؓ جب اسلام لائے تو بیاگنگ وائل اس کا اعلان کرنا چاہا، چنانچہ لوگوں سے پوچھا کہ ”مکہ میں سب سے زیادہ اشتہاری کون ہے؟“ معلوم ہوا جمیل، آپ سیدھے ان کے پاس پہنچے، اور کہا: ”جمیل! تم کو معلوم ہے میں مسلمان ہو گیا“، جمیل یہ سنتے ہی بغیر مزید استفسار کے مسجد کعبہ کے دروازہ پر پہنچے اور باواز بلند اعلان کیا کہ ”مشرق قریش! عمرؓ بے دین ہو گیا“، حضرت عمرؓ نے فرمایا: ”تم جھوٹ کہتے ہو، میں بے دین نہیں ہوا بلکہ اسلام قبول کیا“۔

لیکن یہی مسلمانوں کو بے دین کہنے والا فتح مکہ میں خود دین والا ہو گیا، قبول اسلام کے بعد سب سے اول غزوہ حنین میں ان کی تلوار بے نیام ہوئی، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ فتح مکہ سے پہلے ہی مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے۔



حضرت حارثؓ بن ہشام کا قبول اسلام

حارث مشہور دشمن اسلام ابو جہل کے حقیقی بھائی تھے، حارث مکہ کے رئیس اور بڑے مخیر اور فیاض آدمی تھے، صد ہا غریبوں کی روٹی ان کی ذات سے چلتی تھی، آنحضرت ﷺ کو ان کے اسلام کی بڑی خواہش تھی، ایک مرتبہ ان کا ذکر آیا، تو فرمایا: ”حارث سردار ہیں، کیوں نہ ہو ان کے باپ بھی سردار تھے، کاش خدا انہیں اسلام کی ہدایت دیتا“، بدر میں ابو جہل کے ساتھ تھے، لیکن میدان جنگ سے بھاگ نکلے، اور ابو جہل مارا گیا، ان کی اس بزدلی پر حضرت حسان بن ثابتؓ نے اشعار میں غیرت دلائی، انہوں نے اشعار ہی میں اس کی توجیہ کی، احد میں بھی مشرکین کے ہمراہ تھے۔ فتح مکہ میں دوسرے سردار ان قریش کی طرح مشرف بہ اسلام ہوئے، اسلام کے بعد سب سے پہلے غزوہ حنین میں شریک ہوئے، آنحضرت ﷺ نے اس کے مال غنیمت میں سے ۱۰۰ اونٹ مرحمت فرمائے۔



حضرت حکم بن کیسان کا قبول اسلام

حکم ابو جہل کے والد مغیرہ کے غلام تھے، بدر سے واپسی کے بعد آنحضرت ﷺ نے قریش کے کاروان تجارت کے نقل و حرکت کا پتہ چلانے کے لیے عبد اللہ بن جحش کی سرکردگی میں ایک دستہ بھیجا تھا، کھجور کے ایک باغ کے پاس دونوں میں ٹڈ بھڑ ہوئی، حکم قریش کے قافلہ کے ساتھ تھے، آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لائے گئے، قریش نے ان کے چھڑانے کے لیے فدیہ بھیجا، لیکن حضرت سعد بن ابی وقاص قریش کے ہاتھوں میں قید تھے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے یہ فدیہ قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور حکم سے فرمایا: ”جب تک سعد بن ابی وقاص واپس نہ آئیں گے، اس وقت تک تم نہیں چھوٹ سکتے۔“

اس گفتگو کے دوسرے دن سعد بن ابی وقاص آ گئے، اب حکم کی رہائی میں کوئی رکاوٹ باقی نہ تھی، لیکن جب آزادی کا موقع آیا تو اسلام کی غلامی کا طوق گردن میں ڈال کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں رہنے لگے۔



حضرت حنظلہ بن ربیع کا قبول اسلام

ان کے اسلام کا زمانہ متعین طور پر نہیں بتایا جاسکتا، لیکن قیاس یہ ہے کہ آغاز دعوت اسلام میں اس شرف سے مشرف ہوئے ہوں گے، اس لیے کہ اسی زمانہ میں ان کے گھرانے میں اسلام کا اثر ہوا تھا، ان کے چچا اشم بن صیفی عرب کے مشہور حکیم تھے، آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے وہ آپ ﷺ کے ظہور کی خبر دیتے تھے، بعثت نبوی کے وقت ان کی عمر ۱۹۰ سال کی تھی، جب انہیں بعثت کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے آنحضرت ﷺ کو ایک خط لکھا، آپ ﷺ نے اس کا جواب مرحمت فرمایا، اشم اس جواب سے بہت مسرور ہوئے اور اپنے قبیلہ کو جمع کر کے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے اور آپ ﷺ پر ایمان لانے کی ترغیب دی، لیکن مالک بن نویرہ نے درمیان میں پڑ کر سب کو منتشر کر دیا، مگر اشم نے اپنے لڑکے اور جن جن لوگوں نے ان کا کہنا مانا سب کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا، لیکن سوئے اتفاق سے آپ ﷺ تک کوئی نہ پہنچ سکا، قیاس یہ ہے کہ اسی زمانہ میں حنظلہ بھی ایمان لائے ہوئے ہوں گے، اسلام کے بعد مراسلات نبوی کی کتابت کا عہدہ سپرد ہوا۔



حضرت حویطبؓ بن عبد العزیٰ کا قبول اسلام

ظہور اسلام کے وقت حویطبؓ کی عمر ۶۰/ برس تھی، دعوت اسلام کے آغاز ہی سے حویطبؓ اسلام کی طرف مائل تھے، کئی مرتبہ قبول اسلام کا قصد کیا، مگر ہر مرتبہ مشہور دشمن اسلام ابو الحکم بن امیہ نے غیرت دلا کر روکا کہ نیا مذہب قبول کر کے اپنے قومی وقار اور آبائی مذہب سے دستبردار ہو جاؤ گے۔

بدر میں مشرکین کے ساتھ تھے، صلح حدیبیہ کی کارروائی میں شروع سے آخر تک شریک رہے، معاہدہ حدیبیہ میں شاہد تھے، یہ سب کچھ تھا، لیکن حویطبؓ کو اس کا پورا یقین تھا کہ قریش کبھی آنحضرت ﷺ کے مقابلہ میں کامیاب نہ ہوں گے، صلح حدیبیہ میں اس کا اظہار بھی کیا کہ قریش کو محمد ﷺ سے برا ہی دیکھنا نصیب ہوگا، عمرۃ القضاء کے موقع پر جب قریش نے حدیبیہ کے معاہدہ کے مطابق ۳/ دن کے لیے مکہ خالی کر دیا، اس وقت حویطبؓ اور سہیل بن عمروؓ مکہ ہی میں رہ گئے تھے، تاکہ تین دن کے بعد مسلمانوں سے مکہ خالی کرائیں، چنانچہ تین دن کے بعد رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ ”ازروئے معاہدہ تمہارے معاہدہ کی مدت ختم ہو چلی اس لیے اب تم کو مکہ خالی کر دینا چاہیے“، ان کے کہنے پر آنحضرت ﷺ نے اعلان فرمایا کہ ”غروب آفتاب تک کوئی مسلمان مکہ میں باقی نہ رہے۔“

فتح مکہ کے بعد جب مشرکین کی قوتیں ٹوٹ گئیں، تو حویطبؓ بہت گھبرائے اور اپنے اہل و عیال کو محفوظ مقامات میں پہنچا دیا، انہیں پہنچا کر واپس ہو رہے تھے کہ عوف کے باغ کے پاس ان کے پرانے رفیق اور یار غارتخ الاسلام حضرت ابوذر غفاری

آتے ہوئے دکھائی دیئے، حویطبؓ انہیں دیکھ کر خوف سے بھاگے، حضرت ابوذرؓ نے آواز دی، حویطبؓ نے کہا: ”تمہارے نبی آگئے“، حضرت ابوذرؓ نے فرمایا: ”تو کیا ہوا؟“ حویطبؓ نے کہا: ”خوف و ہراس“، حضرت ابوذرؓ نے کہا: ”خوف دل سے نکال دو، تم خدا کی امان میں مامون ہو“، ان تشریحی آمیز کلمات سے حویطبؓ کو اطمینان ہوا اور ابوذرؓ کے پاس جا کر اطمینان کے ساتھ سلام کیا، ابوذرؓ نے کہا: ”اپنے گھر چلو“، حویطبؓ نے کہا: ”گھر تک پہنچ بھی سکتا ہوں؟ مجھ کو ڈر ہے کہ گھر پہنچنے سے پہلے ہی کوئی مسلمان میرا کام تمام کر دے گا یا گھر میں گھس کر مار ڈالے گا، اس وقت میرے اہل و عیال مختلف مقاموں پر ہیں“، ابوذرؓ نے کہا: ”انہیں اکٹھا کر لو، میں تم کو گھر تک پہنچا دوں گا“، چنانچہ حویطبؓ حضرت ابوذرؓ کے ساتھ ہو گئے، حضرت ابوذرؓ اعلان کرتے جاتے تھے کہ ”حویطبؓ مامون ہیں، انہیں کوئی شخص ستانے کا ارادہ نہ کرے“، اس طرح اعلان کرتے ہوئے حویطبؓ کو بحفاظت تمام ان کے گھر پہنچا کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور پورا واقعہ بیان کیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”تم کو یہ نہیں معلوم کہ ان چند اشتہاری مجرموں کو چھوڑ کر جن کے قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے، باقی سب مامون ہیں“، اس ارشاد کے بعد حویطبؓ کو پورا اطمینان ہو گیا، اور اپنے اہل و عیال کو اکٹھا کر کے گھر پہنچا دیا۔

حویطبؓ کے اطمینان کے بعد حضرت ابوذرؓ نے ان سے کہا: ”ابو محمد! یہ لیت و لعل کب تک، تم تمام معاملات میں پیش پیش رہے، بھلائی کے بہت سے مواقع کھو چکے، اب بھی وقت نہیں گیا ہے، بہت کچھ باقی ہے، چلو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لو، آپ ﷺ بڑے نیک، بڑے صلہ رحمی کرنے والے، اور بڑے حلیم ہیں، ان کا شرف و اعزاز عین تمہارا شرف و اعزاز ہے“، ابوذرؓ کے اس وعظ سے متاثر ہو کر حویطبؓ ان کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بطحاء آئے، حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ بھی موجود تھے، حویطبؓ نے ابوذرؓ سے اسلامی سلام کا طریقہ پوچھا، انہوں

نے بتایا کہ ”السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ“ جو یہ طیبؓ نے اسی طرح سلام کیا، آنحضرت ﷺ نے جواب مرحمت فرمایا، سلام و جواب کے بعد جو یہ طیبؓ نے کہا: ”أشهد أن لا اله الا الله وأنک رسول الله“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”خدا کا شکر ہے کہ اس نے تم کو اسلام کی ہدایت دی“، آپ ان کے اسلام سے بہت مسرور ہوئے، جو یہ طیبؓ مکہ کے رؤساء میں تھے، آنحضرت ﷺ نے ان سے قرض مانگا، انہوں نے ۴۰/ ہزار درہم قرض دیا، قبول اسلام کے بعد حنین اور طائف کے غزوات میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ شریک ہوئے، آپ ﷺ نے حنین کے مال غنیمت میں سے ۱۰۰/ اونٹ ان کو مرحمت فرمائے۔



حضرت خرم بن فاتک کا قبول اسلام

خرم آنحضرت ﷺ کے مدینہ تشریف لے جانے کے بعد ہی مشرف بہ اسلام ہوئے، ان کے اسلام کا دلچسپ واقعہ خود ان کی زبان سے سنو، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ اپنے اونٹوں کو لے کر نکلا ان پر عراقہ کی وحشت طاری ہو گئی، میں نے ان کے چھندان ڈال دیا، اور ایک کے بازو سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا، یہ آنحضرت ﷺ کے آغاز ظہور (مدینہ میں) کا واقعہ ہے، پھر میں نے کہا اس وادی کے آسیب سے پناہ مانگتا ہوں، زمانہ جاہلیت میں ایسے مواقع پر ایسا ہی کہا کرتے تھے، اتنے میں ایک آواز نے مجھے آنحضرت ﷺ کے ظہور اور آپ ﷺ کی تعلیمات کی اطلاع دی، میں نے یہ آواز سن کر پوچھا خدا تم پر رحمت نازل فرمائے تم کون ہو؟ جواب ملا: مالک بن مالک، مجھ کو رسول اللہ ﷺ نے نچر بھیجا تھا، میں نے کہا: اگر میرے اونٹوں کی حفاظت کی کوئی ذمہ داری لے لیتا تو میں اس شخص (رسول اللہ ﷺ) کے پاس جا کر اس پر ایمان لاتا، مالک نے کہا: میں ذمہ دار ہوں، ان کو بحفاظت تمہارے گھر پہنچا دوں گا، چنانچہ میں نے ان میں سے ایک اونٹ کھولا اور مدینہ آیا، اور ایسے وقت مدینہ پہنچا جب لوگ نماز جمعہ میں مشغول تھے، میں نے خیال کیا کہ لوگ نماز سے فارغ ہو جائیں تب میں مسجد میں جاؤں، یہ خیال کر کے اپنا اونٹ باندھنے جا رہا تھا کہ ابو ذر آئے اور کہا کہ تم کو رسول اللہ ﷺ بلا تے ہیں، میں مسجد میں داخل ہوا، مجھ کو دیکھتے ہی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم کو معلوم ہے اس شیخ نے جس نے تمہارے اونٹوں کو تمہارے گھر پہنچانے کی ذمہ داری لی تھی، کیا کیا، اس نے بحفاظت اونٹوں کو پہنچا دیا، میں نے کہا: خدا اس پر رحمت نازل فرمائے، آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں ان پر خدا رحمت نازل فرمائے، اس کے بعد خرمؓ کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔

حضرت خفافؓ بن ایماء کا قبول اسلام

خفاف کے والد ایماء بنی غفار کے سرداروں میں تھے، خفاف کے گھر میں بہت ابتدا میں اسلام کی روشنی پھیلی، چنانچہ ہجرت سے بہت پہلے حضرت ابوذر غفاریؓ کی دعوت پر خفاف اور ان کے والد ایماء مشرف بہ اسلام ہوئے اور وہ غفار کے مسلمانوں کی امامت کرتے تھے، مشہور دشمن اسلام ابوسفیان کو خفافؓ کے اسلام کی خبر ہوئی تو بولا:

”رات بنی کنانہ کا سردار بے دین ہو گیا۔“

خفافؓ اور ان کے والد ایماءؓ مقام عقیقہ میں رہتے تھے اور قربت کی وجہ سے بکثرت مدینہ آیا جایا کرتے تھے اس لیے خفافؓ کا شمار مدنی صحابہ میں ہے، (۶ھ) میں جب آنحضرت ﷺ عمرہ القضاء کے لیے نکلے، اور مقام ابواء میں قیام فرمایا تو ایماءؓ نے خفافؓ کے ہاتھ ۱۰۰ بکریاں اور دو بار شتر دودھ نذر بھیجا، آپ ﷺ نے شکر یہ کے ساتھ قبول فرمایا اور برکت کی دعا دی۔



حضرت رفاعہؓ بن زید کا قبول اسلام

رفاعہ قبیلہ جذام سے تعلق رکھتے تھے، خیبر سے کچھ دنوں پہلے صلح حدیبیہ کے موقع پر اپنے قبیلہ کے چند آدمیوں کے ساتھ مدینہ آ کر مشرف بہ اسلام ہوئے، اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک غلام پیش کیا۔

قبول اسلام کے بعد کچھ دنوں تک قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرتے رہے، حصول تعلیم کے بعد آنحضرت ﷺ نے ایک نامہ مبارک دیکر انہیں ان کے قبیلہ میں تبلیغ کے لیے بھیجا، نامہ مبارک کا مضمون یہ تھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ خط محمد رسول اللہ ﷺ کی جانب سے رفاعہ بن زید کو دیا جاتا ہے، میں ان کو ان کے قبیلہ میں اور جو اس میں داخل ہوں ان کی طرف بھیجتا ہوں تاکہ وہ انہیں خدا اور رسول کی طرف بلائیں، جو پیش قدمی کرے گا وہ حزب اللہ کا ایک فرد ہوگا، اور جو لوگ پیچھے ہٹیں گے ان کے لیے دو مہینہ کی مہلت ہے۔

رفاعہؓ یہ خط لے کر وطن پہنچے اور چند دنوں میں ان کی کوششوں سے ان کا پورا قبیلہ مشرف بہ اسلام ہو گیا۔

ابھی ان کا قبیلہ مسلمان ہوا تھا کہ دوسری طرف سے زید بن حارثہؓ نے جو دوسری مہم پر بھیجے گئے تھے پہنچ کر اس پر غلطی سے حملہ کر دیا، کچھ لوگ قتل ہوئے اور کچھ گرفتار، رفاعہؓ اپنے قبیلہ کے وفد کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں فریاد لے کر آئے اور وہ خط پیش کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ”جو ہونا تھا وہ ہو چکا، اب مقتولین

کے بارے میں کیا کیا جائے؟“ اس وفد کے ایک رکن ابو زید نے کہا: ”قیدیوں کو رہائی کا حکم صادر فرمایا جائے، باقی جو لوگ قتل ہوئے ان کا خون معاف کرتے ہیں“، اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”ابو زید کی رائے بہتر ہے“، اور حضرت علیؓ کو زید بن حارثہ کے پاس بھیجا کہ وہ سب قیدیوں کو رہا کر دیں، چنانچہ تمام قیدی رہا کر دیئے گئے اور جس قدر مال لوٹا گیا تھا سب واپس کر دیا گیا۔



حضرت زبرقان بن بدر کا قبول اسلام

زبرقان تمیم کے شاہی خاندان کے رکن اور اپنے قبیلہ کے سردار تھے، اسلام کے بعد بھی ان کا یہ اعزاز اور مرتبہ برقرار رہا۔

(۹ھ) میں وفد تمیم کے ساتھ مدینہ آئے، وفد کے تمام ارکان شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے، اسی لیے مدینہ میں بھی جاہلی ٹھاٹھ کے ساتھ آئے، بڑائی اور فخر کے لیے آتش بیان خطیب اور سحر بیان شعراء ساتھ تھے، آستان نبوی پر پہنچ کر رسول اللہ ﷺ سے اجازت مانگی کہ ہم تم سے مفاخرہ کے لیے آئے ہیں، ہمارے شاعروں کو اجازت دو، آپ ﷺ سے اجازت لے کر مجلس مفاخرہ منعقد کی، اور بنی تمیم کے شعراء اور خطباء نے ان کی عالی نسبی، بادشاہی، اور اثر و اقتدار کے ترانے گائے، زبرقان بن بدر نے بھی ایک پر زور قصیدہ جو تمام تر بڑائی، تکبر، اور خود ستائی پر مشتمل تھا سنایا، طوطی اسلام حضرت حسان بن ثابتؓ نے اسکا جواب دیا، ان کی فصاحت و بلاغت اور شاعرانہ عظمت کو دیکھ کر ارکان وفد دنگ رہ گئے، اور اقرع بن حابسؓ کی تحریک سے سب نے اسلام قبول کیا، اقرع بن حابسؓ کے حالات میں اس مجلس مفاخرہ کے تفصیلی حالات لکھے جا چکے ہیں، قبول اسلام کے بعد آنحضرت ﷺ نے زبرقان کو بنی سعد کا امیر مقرر فرمایا، آپ ﷺ کی وفات کے وقت وہ اس عہدہ پر تھے۔



حضرت زید بن مہلہل کا قبول اسلام

جب نبی کریم ﷺ کی بعثت کی خبر زید کے کانوں میں پہنچی اور وہ ان کی دعوت سے کسی قدر آگاہ ہوئے تو انہوں نے اپنی سواری کو سفر کے لیے تیار کیا۔

زید (۹ھ) میں طے کے وفد کے ساتھ مدینہ آئے، جب یہ لوگ مدینہ پہنچے تو سب سے پہلے مسجد نبوی کا رخ کیا اور اس کے دروازہ پر پہنچ کر اپنی اپنی سواریوں سے اتر پڑے، اس وقت نبی کریم ﷺ پر تشریف فرما تھے اور مسلمانوں کو وعظ و نصیحت فرما رہے تھے، حضور ﷺ نے جیسے ہی اپنا خطبہ ختم کیا، زید مسلمانوں کے مجمع میں کھڑے ہو گئے، اور اونچی اور بلند آواز میں کہا: ”یا محمد! أشهد أن لا إله إلا الله و أنك رسول الله“ انہوں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ ﷺ! میں نودن کی دشوار گزار مسافت سے آیا ہوں، اس سفر میں میری سواری تھک گئی، میری راتیں آنکھوں میں کٹھنیں، میرے دن تشنہ لہی میں بسر ہوئے، اور یہ ساری مشقت صرف دو باتیں پوچھنے کے لیے اٹھائی ہیں، رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: ”تمہارا کیا نام ہے؟“ عرض کی: ”زید الخیل“ فرمایا: ”نہیں، تم زید الخیر ہو“، پوچھا: ”کیا پوچھنا چاہتے ہو؟“ عرض کی ”جو شخص خدا کو چاہتا ہے اور جو نہیں چاہتا ہے، دونوں میں کیا علامت ہوتی ہے؟“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم کیسے زندگی بسر کرتے تھے؟“ عرض کی ”خیر اور اہل خیر اور عامل خیر کو دوست رکھتا تھا، اگر میں اس پر عمل کرتا تھا تو اس کا ثواب ملتا تھا، اور جب یہ عمل چھوٹ جاتا تھا تو رنجیدہ ہوتا تھا“، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو خدا کو چاہتا ہے، اور جو نہیں چاہتا اس کی یہی علامت ہے، اگر خدا اس کے خلاف تمہارے لیے کچھ چاہتا تم کو اس کے لیے تیار

کرتا، اور پھر اس کو اس کی پرواہ نہ ہوتی کہ تم کس وادی میں ہلاک ہو گے۔“

مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد اپنے وطن نجد لوٹنے کا ارادہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں رخصت کرتے ہوئے فرمایا: ”یہ شخص کتنا عظیم ہے، اگر یہ مدینہ کی وبائی سے محفوظ رہ گیا تو آئندہ زبردست کارنامے انجام دے گا“، (اس زمانہ میں مدینہ منورہ میں وبائی بخار پھیلا ہوا تھا) مدینہ منورہ سے روانگی کے قبل ہی حضرت زید الخیرؓ اس وبائی بخار سے متاثر ہو چکے تھے، حضرت زید شدید بخار کے باوجود مسلسل سفر کرتے رہے، ان کا بخار ہر آن بڑھتا جا رہا تھا، ان کی شدید خواہش تھی کہ وہ اپنے قبیلہ میں پہنچ جائیں اور قبیلہ والے ان کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوں، راستہ بھران کے اور موت کے درمیان کشمکش جاری، آخر کار موت نے اس جواں حوصلہ اور پر عزم انسان کو مغلوب کر لیا، انہوں نے راستہ ہی میں اپنی زندگی کی آخری سانس لی اور خدمت اسلام کی تمام حسین آرزوں کو سینے سے لگائے ہوئے اپنے مالک حقیقی کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔

اس طرح دنیا سے بالکل پاک و صاف اٹھے، اور اسلام کے بعد دنیا میں آلودہ ہونے کا موقع ہی نہ ملا ایمان لانے کے بعد کسی ادنیٰ ترین گناہ کے بھی مرتکب نہ ہوئے۔



حضرت سراقہ بن مالک کا قبول اسلام

ہجرت میں مکہ سے نکلنے کے بعد رسول اللہ ﷺ کا تعاقب سراقہ نے کیا تھا، شب ہجرت میں جب آنحضرت ﷺ مشرکین کو غافل پا کر مدینہ سے نکل گئے اور مشرکین کو اپنے مقصد میں ناکامی ہوئی، تو انہوں نے اعلان کیا کہ ”جو شخص محمد ﷺ اور ابو بکر کو قتل کر دے گا یا ان کو زندہ پکڑ لائے گا، اس کو گراں قدر انعام دیا جائے گا“، سراقہ اپنے قبیلہ بنی مدلج میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص نے آکر ان سے کہا کہ ”میں نے ابھی ساحل کی طرف کچھ سیاہی دیکھی ہے، میرا خیال ہے کہ وہ محمد ﷺ اور ان کے ساتھی تھے“، سراقہ کو یقین ہو گیا، لیکن انعام کی لالچ میں انہوں نے تردید کی کہ ”نہیں وہ لوگ نہیں ہیں، تم نے فلاں فلاں شخص کو دیکھا ہوگا، جو ابھی ہمارے سامنے گئے تھے“، تھوڑی دیر کے بعد سراقہ اٹھ کر گھر گئے، اور لوٹتی سے کہا کہ ”وہ گھوڑا تیار کر کے انہیں آ کے ایک مقام پر دے“، اور نیزہ سنبھال کر چپکے سے گھر کی پشت سے نکلے، لوٹتی سے گھوڑا لیا، اور لوگوں کی نظر بچا کر نکل گئے، اور گھوڑا دوڑاتے ہوئے آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ گئے، جیسے ہی قریب پہنچے گھوڑے نے ٹھوکر لی اور یہ نیچے گر گئے، اسے انہوں نے بدشگونی پر محمول کیا، استخارہ کے تیر ساتھ تھے، فوراً انہوں نے ترشش سے نکال کر استخارہ دیکھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو تکلیف پہنچا سکتے ہیں یا نہیں؟ استخارہ خلاف نکلا، لیکن انعام کی لالچ میں انہوں نے استخارہ کی پرواہ نہ کی اور گھوڑے پر سوار ہو کر پھر آگے بڑھے، اب اتنے قریب پہنچ گئے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کی تلاوت کی آواز انہیں سنائی دینے لگی، رسول اللہ ﷺ ہمہ تن تلاوت میں مصروف

تھے، لیکن حضرت ابو بکرؓ بار بار مڑ مڑ کے دیکھتے جاتے تھے، اتنے میں سراقہ کے اگلے پاؤں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے، اور وہ گر پڑے، پھر گھوڑے کو ڈانٹ کر اٹھایا، جب اس نے اپنے پاؤں زمین سے نکالے تو بڑا غبار بلند ہوا، اس دوسری بد شگون پر انہوں نے پھر تیروں سے استخارہ کیا، اس مرتبہ بھی مخالف جواب ملا، اب انہیں اپنی ناکامی کا پورا یقین ہو گیا، اور ان کے دل میں بیٹھ گیا کہ رسول اللہ ﷺ کو ضرور کامیابی ہوگی، چنانچہ انہوں نے آواز دے کر روکا، آپ رک گئے، اور سراقہ نے پاس جا کر کہا کہ ”آپ کی قوم نے آپ کی گرفتاری پر انعام مقرر کیا ہے“، اور ان کے ارادوں سے آپ کو خبردار کیا، اور جو کچھ زاد راہ ساتھ تھا، اسے آپ کے سامنے پیش کیا، آپ نے اسے قبول نہیں فرمایا، البتہ یہ خواہش کی کہ وہ کسی کو آپ کی اطلاع نہ دیں، اس کے بعد سراقہ نے درخواست کی کہ ”انہیں ایک امان نامہ مرحمت فرمایا جائے“، آپ نے عامر بن فہیرہ کو حکم دیا، انہوں نے چڑے کے ٹکڑے پر امان نامہ لکھ کر دیا، اور جب وہ واپس جانے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ”سراقہ! اس وقت تم کیسا محسوس کرو گے جب تم کسریٰ کے کنگن پہنو گے“؟ انھوں نے حیرت سے پوچھا: ”کسریٰ ابن ہرمز کے کنگن“؟ آپ ﷺ نے جواب دیا: ”ہاں! ہاں! کسریٰ ابن ہرمز کے“، اس کے بعد سراقہ لوٹ گئے۔

اس واقعہ کے آٹھ سال بعد جب مکہ فتح ہو چکا اور مشرکین کی قوتیں ٹوٹ چلیں، اور حنین و طائف کی لڑائیاں ختم ہوئیں، اس وقت سراقہ رسول اللہ ﷺ سے جب کہ آپ حنین اور طائف کے معرکوں سے واپس آ رہے تھے، راستہ میں مقام جعرانہ میں ملے، اور رسول اللہ ﷺ کا عطا کیا ہوا امان نامہ پیش کر کے اپنا تعارف کرایا کہ یہ تحریر آپ نے مجھے دی تھی اور میں سراقہ ہوں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”أدن منى ياسراقه هذا يوم برووفاء“ (سراقہ میرے قریب آؤ، آج

ایفائے عہد اور نیکی کا دن ہے)

سراقہ اسی وقت مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حضرت سراقہؓ کی اس ملاقات کو ابھی چند ہی مہینے گزرے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو اپنے جوار رحمت میں بلا لیا، حضرت سراقہؓ رسول اللہ ﷺ کی وفات پر بے حد غمگین ہوئے اور ان کی آنکھوں کے سامنے اس روز کا منظر گردش کرنے لگا جب انھوں نے سو اونٹوں کے لالچ میں آ کر آپ ﷺ کو گرفتار کرنے کا ارادہ کر لیا تھا، اور آج یہ حال ہے کہ دنیا کے سارے اونٹوں کی حیثیت ان کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے ناخن کے ایک تراشے کے برابر بھی نہیں تھی، وہ بار بار حضور ﷺ کی اس بات کو دہرا رہے تھے،

”کیف بك یا سراقہ اذا لبست سواری کسری“ (سراقہ! اس

وقت تمہاری کیا کیفیت ہوگی جب تم کسری کے کنگن پہنو گے)

اور ان کو اس بات میں ذرہ برابر شک و شبہ نہیں تھا کہ وہ ایک دن انہیں ضرور پہنیں گے۔

بالآخر حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں ایران فتح ہوا اس موقع پر حضرت عمرؓ نے سراقہ کو طلب فرمایا، ان کو کسری کی قمیص اور اس کا پاجامہ، اس کی قباء اور اس کے موزے پہنائے، اس کی تلوار اور پٹکا ان کی کمر میں باندھا اور اس کا تاج ان کے سر پر رکھا، پھر دونوں کنگن ان کے ہاتھوں میں پہنائے، اس وقت مسلمانوں نے بلند آواز سے نعرہ لگایا، پھر حضرت عمرؓ نے ان کی طرف رخ کرتے ہوئے فرمایا: ”واہ واہ! خدا کی شان، بنی مدینہ کا ایک معمولی بدو اور اس کے سر پر کسری کا تاج اور ہاتھوں میں اس کے کنگن“، اس طرح سے رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئی سچ ثابت ہوئی۔

حضرت سعدؓ الاسود کا قبول اسلام

سعد بہت سیاہ اور کم رو تھے اس لیے اسود سیاہ کہلاتے تھے، ان کے اسلام کا زمانہ متعین نہیں ہے، اسلام کا واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: ”یا رسول اللہ ﷺ! کیا میری سیاہ روئی اور بد صورتی مجھ کو جنت کے داخلہ سے روکے گی؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے نہیں روکے گی، بشرطیکہ خدا سے ڈرو، اور اس چیز پر جسے رسول اللہ (ﷺ) لائے ہیں ایمان لاؤ“، یہ خوشخبری سن کر انہوں نے کہا: ”أشهد أن لا اله الا الله وأشهد أن محمدا عبده ورسوله“ کلمہ شہادت پڑھ کر پوچھا: ”میرے کیا حقوق ہیں؟“ فرمایا: ”وہی حقوق ہیں جو اور مسلمانوں کے ہیں اور تم پر وہی فرائض ہیں جو دوسرے مسلمانوں پر ہیں، اور تم ان کے بھائی ہو۔“

سعدؓ ظاہری شکل و صورت سے محروم تھے، اس لیے کوئی ان کے ساتھ عقد نکاح پر تیار نہ ہوتا تھا، قبول اسلام کے بعد رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا ”جو لوگ یہاں موجود ہیں اور جو نہیں ہیں، میں نے سب کو شادی کا پیام دیا لیکن میری سیاہی اور بد روئی کی وجہ سے کوئی اس رشتہ پر آمادہ نہیں ہوتا“، گو سعد ظاہری آب و رنگ سے محروم تھے، لیکن دل نور ایمان سے منور ہو چکا تھا، اس کے بعد ظاہری حسن و جمال کی ضرورت نہ تھی، اس لیے ان کی درخواست پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”عمریا عمرو بن وہب (عمرو بن وہب قبیلہ ثقیف کے ایک سخت مزاج نو مسلم تھے) کے پاس جا کر ان کا دروازہ کھٹکھاؤ، اور سلام کے بعد ان سے کہو کہ اللہ کے نبی نے تمہاری لڑکی میرے ساتھ بیاہ دی“، عمرو بن وہب کے نو خیز حسین و جمیل اور ذکی و ذہین لڑکی تھی، سعد نے ان کے گھر جا کر دروازہ کھٹکھٹایا، گھر والوں نے دروازہ کھولا تو سعد نے انہیں رسول اللہ ﷺ کا فرمان سنایا، ان

لوگوں نے سعد کی صورت دیکھ کر انہیں سختی سے واپس کر دیا، اتنے میں لڑکی آواز سن کر خود نکل آئی، اور سعد کو آواز دی کہ ”بندۂ خدا لوٹ آؤ، اگر رسول اللہ ﷺ نے تمہارے ساتھ میری شادی کر دی ہے، تو میں اسے منظور کرتی ہوں، اور اس چیز پر رضامند ہوں جس پر خدا اور اس کا رسول ﷺ راضی ہے“، پھر اپنے باپ سے کہا کہ ”قبل اس کے کہ وحی الہی آپ کو رسوا کرے، آپ اپنی نجات کی کوشش کیجئے“، یہ فوراً دوڑے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گئے، آپ ﷺ نے پوچھا: ”تم ہی نے میرے قاصد کو لوٹایا تھا؟“ عرض کی: ”ہاں! لیکن یہ غلطی لاعلمی میں ہوئی ہم کو اس شخص کی بات کا اعتبار نہ تھا، اب آپ ﷺ سے مغفرت چاہتے ہیں، ہم نے لڑکی بیاہ دی۔“

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے سعد سے فرمایا: ”اب اپنی بیوی کے پاس جاؤ، وہ یہاں سے اٹھ کر بیوی کے واسطے تحائف خریدنے کے لیے بازار گئے، یہاں انہوں نے ایک منادی کی آواز سنی

”یا خیل اللہ! ارکبى وبالجنة أبشرى“ (خدا کے شہ سوار و جہاد کے

لیے سوار ہو جاؤ اور جنت کی بشارت لو)

اس آواز کا سننا تھا کہ سارے ولولے اور جذبات سرد پڑ گئے اور جہاد فی سبیل اللہ کا خون رگوں میں دوڑنے لگا، نئی نویلی دلہن کے لیے تحفہ و تحائف کا خیال چھوڑ دیا، اور جہاد کے لیے تلوار، نیزہ اور گھوڑا خریدا اور عمامہ باندھ کر مہاجرین کی جماعت میں پہنچے، کسی نے ان کو نہ پہچانا، رسول اللہ ﷺ نے بھی دیکھا مگر نہ پہچان سکے، میدان جنگ میں نہایت جوش و خروش کے ساتھ لڑے گھوڑا اڑا تو پیدل آستین چڑھا کر لڑنے لگے، اس وقت آنحضرت ﷺ نے ہاتھوں کی سیاہی سے پہچان کر آواز دی ”سعد!“ مگر یہ وارفتگی کے عالم میں تھے کوئی خبر نہ ہوئی، اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے، اور نئی دلہن کے آغوش کے بجائے تلوار سے گلے مل کر ابدی زندگی حاصل کی، آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو ان کی لاش کے پاس تشریف لا کر ان کا سر گود میں رکھ لیا اور ان کے اسلحہ اور گھوڑا ان کی بیوہ نو عروس کے پاس بھجوا دیا اور ان کے سسرال والوں کے پاس کہلا بھیجا کہ ”خدا نے تمہاری لڑکیوں سے بہتر لڑکی کے ساتھ ان کی شادی کر دی۔“

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہا کا قبول اسلام

سفینہ کے نام میں بڑا اختلاف ہے، بعض مہران، بعض رومان اور بعض عبس بتاتے ہیں، سفینہ رسول اللہ ﷺ کا عطا کردہ لقب ہے، نسب کے لیے یہ شرف کافی ہے کہ مہرکار دو عالم ﷺ کے غلام تھے۔

سفینہ کے اسلام کا زمانہ متعین طور سے نہیں بتایا جاسکتا، لیکن قیاس یہ ہے کہ بہت ابتدا میں اس شرف سے مشرف ہوئے ہوں گے، اس لیے کہ باختلاف روایت حضرت ام سلمہؓ یا آنحضرت ﷺ کے غلام تھے، اور خود حضور ﷺ نے بلا شرط یا حضرت ام سلمہؓ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت گزاری کی شرط پر آزاد کر دیا۔

چنانچہ آزادی کے بعد آنحضرت ﷺ کی خدمت گزاری میں رہتے تھے، اس لیے سفر میں بھی مشایعت کا شرف حاصل ہوتا تھا، ایک مرتبہ کسی سفر میں ہمراہ تھے راستے میں جو جو ہمراہی تھکتے جاتے تھے وہ اپنے اسلحہ، ڈھال، تلوار اور نیزہ وغیرہ ان پر لاتے جاتے تھے، اس لیے ان پر بڑا بوجھ لگ گیا، آنحضرت ﷺ نے دیکھ کر فرمایا: ”تم سفینہ کشتی ہو“، اس وقت سے سفینہ ان کا لقب ہو گیا، یہ بھی اس لقب کو اس قدر محبوب رکھتے تھے کہ اس کے مقابلہ میں اپنا نام چھوڑ دیا تھا، اسی لیے ان کا صحیح نام متعین نہیں، اگر کوئی نام پوچھتا تو کہتے ”نہ بتاؤں گا“، حضور ﷺ نے سفینہ نام رکھا ہے اور یہی میرے لیے کافی ہے۔

حضرت سواد بن قارب کا قبول اسلام

سواد زمانہ جاہلیت میں بہت ممتاز حیثیت رکھتے تھے اور کہانت کا پیشہ کرتے تھے، شاعر بھی تھے، یمن کے مشہور قبیلہ دوس سے نسبی تعلق تھا، ہجرت مدینہ کے زمانہ میں خواب میں ظہور نبوی کی بشارت ملی، رویائے صادقہ دل میں اثر کر گیا، فوراً وطن سے مکہ روانہ ہو گئے، راستہ میں خبر ملی کہ جس گوہر مقصود کی تلاش میں نکلے ہیں وہ مدینہ جا چکا، یعنی آنحضرت ﷺ ہجرت فرما چکے، یہ خبر سن کر راستہ ہی سے مدینہ لوٹ پڑے، وہاں پہنچ کر آنحضرت ﷺ کو پوچھا، معلوم ہوا کہ مسجد میں تشریف فرما ہیں، اونٹ بٹھا کر مسجد پہنچے، آنحضرت ﷺ کے گرد صحابہ کا مجمع تھا، عرض کی ”یا رسول اللہ ﷺ! کچھ میری داستان بھی سنی جائے“، حضرت ابو بکرؓ نے کہا: ”قریب آ کر بیان کرو“، چنانچہ پاس جا کر انھوں نے پوری سرگذشت سنائی، اور اسی وقت خلعت اسلام سے سرفراز ہو گئے، ان کے اسلام سے آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام کو اتنی مسرت ہوئی کہ ان کے چہروں پر خوشی کا رنگ دوڑ گیا، اس غیر معمولی مسرت کا سبب یہ تھا کہ عربوں میں کاہنوں کی بڑی وقعت تھی، اور انہیں ایک طرح کی مذہبی سیادت حاصل تھی، اس لیے عوام پر ان کے اسلام کا اثر بہت اچھا پڑتا تھا۔ حضرت عمرؓ ان کا خواب بڑے ذوق و شوق سے سنا کرتے تھے، ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کی خواہش پر انہوں نے خواب کا پورا واقعہ نظم میں سنایا۔

حضرت سہیل بن عمرو کا قبول اسلام

سہیل رؤساء قریش میں سے تھے، اس لیے دوسرے رؤساء کی طرح اسلام اور پیغمبر اسلام کے سخت دشمن تھے، لیکن قدرت کی کرشمہ سازی دیکھو کہ اسی دشمن اسلام کے گھر میں عبد اللہ بن سہیل اور ابو جندل بن سہیل جیسے اسلام کے فدائی پیدا ہوئے، یہ دونوں دعوت اسلام کے آغاز ہی میں مشرف بہ اسلام ہوئے، اور اسلام کے جرم میں باپ کے ہاتھوں طرح طرح کی سختیاں جھیلتے رہے، عبد اللہ موقع پا کر حبشہ ہجرت کر گئے، لیکن وہاں سے واپسی کے بعد پھر ظالم باپ کے پنجہ میں اسیر ہو گئے، اور جنگ بدر کے موقع پر رہائی پائی، دوسرے بھائی ابو جندل حدیبیہ کے زمانہ تک مشق ستم رہے۔

سہیل اسلام کے ان دشمنوں میں تھے جو دوسروں کا اسلام گوارا نہ کر سکتے تھے، تو گھر میں یہ بدعت کس طرح دیکھ سکتے تھے، چنانچہ اشاعت اسلام نے انہیں اور زیادہ اسلام کا دشمن بنا دیا، اور وہ اس کی تیخ کنی میں ہر امکانی کوشش کرنے لگے، عام جمعوں میں اسلام کے خلاف تقریریں کرتے اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف زہرا گلتے، شیدایان اسلام یہ معاندانہ رویہ برداشت نہ کر سکے، حضرت عمر کا غصہ قابو سے باہر ہو گیا، انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اجازت مانگی کہ ”ارشاد ہو تو سہیل کے دوا گلے و انت توڑ ڈالوں، تاکہ آپ ﷺ کے خلاف تقریر نہ کر سکے“، لیکن رحمت عالم ﷺ نے جواب دیا ”جانے دو ممکن ہے کبھی وہ خوش بھی کر دیں۔“

اسلام کی ہر مخالفت میں سہیل پیش پیش رہتے تھے، چنانچہ غزوہ بدر میں بھی آگے آگے تھے، لیکن جب شکست ہوئی تو مالک بن خشم نے گرفتار کر لیا لیکن یہ فدیہ دے کر

آزاد ہو گئے۔

صلح حدیبیہ میں قریش کی طرف سے معاہدہ لکھانے کی خدمت ان ہی کے سپرد ہوئی تھی چنانچہ معاہدہ کی کتابت کے وقت ”بسم اللہ“ پر اور ”محمد رسول اللہ“ پر انہوں نے اعتراض کیا تھا، اور جب (۸ھ) میں آنحضرت ﷺ نے مکہ پر چڑھائی کی تو کسی خونریزی کی نوبت نہیں آئی، لیکن چند متعصب قریشیوں نے خالد بن ولید کی مزاحمت کی، ان مزاحمت کرنے والوں میں سہیل بھی تھے، اس مزاحمت میں کچھ آدمی مارے گئے اور مکہ فتح ہو گیا۔

فتح مکہ کے بعد سرداران قریش کی قوتیں پارہ پارہ ہو گئیں، اور ان کے لیے دامن رحمت کے علاوہ کوئی جائے پناہ باقی نہ رہی، اس وقت وہی سہیل جنہوں نے دو سال پہلے من مانی اور فاقہ نامہ شرائط پر صلح کی تھی، بے بس اور لاچار ہو کر گھر کے اندر کواڑے بند کر کے چھپ رہے، اور اپنے لڑکے ابو جندل کے پاس جن پر اسلام کے جرم میں طرح طرح کی سختیاں کی تھیں، پیام کہلا بھیجا کہ ”مارے جانے سے پہلے میری جان بخشی کر او“، ابو جندل لاکھ مشق ستم رہ چکے تھے پھر بھی بیٹے تھے اور اسلام نے اس مقدس رشتہ کی اہمیت اور زیادہ کر دی تھی، اس لیے بلا تامل اس حکم کی تعمیل کے لیے سرخم کر دیا اور خدمت نبوی میں حاضر ہو کر عرض کیا: ”یا رسول اللہ ﷺ! والد کو امان مرحمت فرمائیے“، ان کی سفارش پر رحمت عالم ﷺ نے سہیل کی تمام خطاؤں سے درگزر فرمایا، اور ارشاد ہوا کہ ”وہ خدا کی امان میں مامون ہیں، بلا خوف و خطر گھر سے نکلیں“، اور گرد و پیش کے لوگوں کو ہدایت فرمائی کہ ”جو شخص سہیل سے ملے خبردار وہ ان کی طرف نہ لپکے، میری عمر کی قسم! سہیل صاحب عقل و شرف ہیں، ان کے جیسا شخص اسلام سے ناواقف نہیں رہ سکتا“، بیٹے نے جا کر باپ کو رسول اللہ ﷺ کا ارشاد سنایا، یہ شان کرم دیکھ کر سہیل کی زبان سے بے اختیار یہ کلمات نکل گئے کہ ”واللہ وہ بچپن میں بھی نیک تھے اور بڑی عمر میں بھی نیک ہیں“۔

بالآخر آنحضرت ﷺ کے اس عفو و کرم نے یہ معجزہ دکھایا کہ سہیل حنین کی واپسی کے وقت آپ ﷺ کے ساتھ ہو گئے اور مقام جحرانہ پہنچ کر خلعت اسلام سے سرفراز ہوئے، آنحضرت ﷺ نے ازراہ مرحمت حنین کے مال غنیمت میں سے سواونٹ عطا فرمائے، گو فتح مکہ کے بعد کے مسلمانوں کا شمار مؤلفۃ القلوب میں ہے، لیکن سہیل اس زمرہ میں اس حیثیت سے ممتاز ہیں کہ اسلام کے بعد ان سے کوئی بات اسلام کے خلاف ظہور پذیر نہیں ہوئی۔

چنانچہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد جب ارتداد کا فتنہ اٹھا تو بہت سے مؤلفۃ القلوب ڈگمگائے، لیکن سہیل کے ایمان میں ذرہ برابر بھی تذبذب نہ پیدا ہوا، اور انہوں نے قبائل مکہ کو اسلام پر قائم رکھنے کی بڑی کوشش کی، چنانچہ جب انہوں نے قبائل مکہ میں اسلام سے برکشتگی کے آثار دیکھے تو تمام قبیلہ والوں کو جمع کر کے تقریر کی کہ:

”برادران اسلام! اگر تم لوگ محمد ﷺ کی پرستش کرتے تھے تو وہ دوسرے عالم کو سدھار گئے، اور اگر محمد ﷺ کے خدا کی پرستش کرتے تھے تو وہ حی و قیوم اور موت کی گرفت سے بالا ہے، برادران قریش! تم سب سے اخیر میں اسلام لائے ہو، اس لیے سب سے پہلے اس کو چھوڑنے والے نہ بنو، محمد ﷺ کی موت سے اسلام کو کوئی صدمہ نہیں پہنچ سکتا، بلکہ وہ اور زیادہ قوی ہوگا، مجھ کو یقین کامل ہے کہ اسلام آفتاب و ماہتاب کی طرح ساری دنیا میں پھیلے گا، اور سارے عالم کو منور کر دے گا، یاد رکھو جس شخص نے دائرہ اسلام سے باہر قدم رکھنے کا ارادہ کیا اس کی گردن اڑا دوں گا۔“

سہیل کی اس موثر، دل پذیر اور پر جوش تقریر نے مذہب بین کے دلوں کو پھر اسلام پر راسخ کر دیا، اور مرکز اسلام مکہ فتنہ ارتداد کی دبا سے بچ گیا، اس طرح آنحضرت ﷺ کی اس پیشین گوئی کی تصدیق ہو گئی کہ ممکن ہے سہیل سے کبھی پسندیدہ فعل کا ظہور ہو۔

حضرت شیبہ بن عثمان کا قبول اسلام

خانہ کعبہ کی کلید برداری انہیں کے گھر میں تھی ان کے والد عثمان جنگ احد میں حضرت علیؑ کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔

ان کے اسلام کے بارے میں دو روایتیں ہیں، ایک یہ کہ فتح مکہ میں مشرف باسلام ہوئے، دوسری یہ کہ غزوہ حنین میں، لیکن پہلی روایت زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے، اس کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ خانہ کعبہ کی تطہیر کے بعد آنحضرت ﷺ نے اس کی کنجی عثمان بن طلحہ اور شیبہ کو واپس کی اور فرمایا کہ ”یہ کنجی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قیامت تک تمہارے پاس رہے گی، جو شخص اس کو تم سے چھینے گا وہ ظالم ہوگا۔“

جب کہ اس کے پہلے جب آنحضرت ﷺ نے مدینہ ہجرت سے قبل ایک دن یہ کنجی طلب فرمائی تھی تو عثمان بن طلحہ نے سخت جواب دیا تھا، اور آپ ﷺ سے اہانت آمیز گفتگو کی تھی، اور آپ ﷺ نے حلم اور بردباری سے کام لیتے ہوئے یہ فرمایا تھا: ”عثمان! تم کنجی کسی وقت میرے ہاتھ میں دیکھو گے، اس وقت میں جسے چاہوں گا اسے یہ دوں گا“، اس کے جواب میں انھوں نے کہا تھا ”اگر ایسا ہو تو وہ دن تو قریش کی بڑی ذلت و تباہی کا ہوگا“، آپ ﷺ نے فرمایا: ”نہیں اس دن وہ آباد اور باعزت ہوں گے“، یہ الفاظ عثمان بن طلحہ کے دلنشین ہو گئے اور انھوں نے محسوس کیا کہ جیسا آپ ﷺ نے فرمایا ہے ویسا ہی ہوگا۔

غزوہ حنین میں اسلام والی روایت کا واقعہ یہ ہے کہ شیبہ بھی اپنے اہل خاندان کی طرح آنحضرت ﷺ کے سخت دشمن تھے، حنین کے دن یہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ

بدنیتی سے نکلے، اور آپ ﷺ کو غافل پا کر قتل کرنا چاہا، آپ ہوشیار ہو گئے، اور انہیں قریب بلایا، اس واقعہ سے شیبہ بہت مرعوب اور خوف زدہ ہو گئے، آنحضرت ﷺ نے ان کے سینہ پر ہاتھ مار کر فرمایا: ”اب تم سے شیطان دور ہو گیا“، اسلام کی صداقت کے لیے یہ واقعہ کافی تھا کہ ایک شخص جان لینے کے لیے بڑھتا ہے اور رسول اللہ ﷺ اس کی نیت تاڑ جاتے ہیں اور نرم الفاظ میں مخاطب فرماتے ہیں چنانچہ شیبہ اسی وقت مشرف باسلام ہو گئے۔

بہر حال حنین میں شیبہ اسلام کی حالت میں شریک ہوئے اور بڑے ثبات اور استقلال سے لڑے، جب مسلمانوں کی عارضی شکست میں ان کے پاؤں اکھڑ گئے، تو اس وقت بھی شیبہ کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی۔



حضرت صعصعہ بن ناجیہ کا قبول اسلام

صعصعہ کی فطرت ابتدا سے سلیم تھی، چنانچہ زمانہ جاہلیت میں جبکہ سارے عرب میں دختر کشی عام تھی اور لوگ لڑکیوں کو تنگ قرابت بچنے کے لیے زندہ دفن کر دیا کرتے تھے، صعصعہ کی آغوش محبت لڑکیوں کی پرورش کے لیے کھلی تھی اور وہ دوسروں کی لڑکیوں کو خرید خرید کر پالتے تھے۔

صعصعہ وفد تمیم کے ساتھ مدینہ آئے آنحضرت ﷺ نے اسلام پیش کیا، صعصعہ سلیم الفطرت تھے اس لیے بلا تامل قبول کر لیا، قبول اسلام کے بعد آپ ﷺ سے کچھ آیات قرآنی حاصل کیں، پھر پوچھا: ”یا رسول اللہ ﷺ! میں نے جاہلیت میں جو اچھے کام کئے ہیں وہ قبول ہوں گے، اور مجھ کو ان کا اجر ملے گا؟“ فرمایا: ”کون سے اعمال کئے ہیں؟“ عرض کیا: ”ایک مرتبہ میری دس ماہ کی دو حاملہ اونٹنیاں گم ہو گئیں، میں ایک اونٹ پر سوار ہو کر ان کی تلاش میں نکلا، راستہ میں دو مکان دکھائی دیئے، میں ان میں گیا، ایک مکان میں ایک پیر مرد نظر آیا، اس سے مجھ سے باتیں ہونے لگیں، اتنے میں گھر سے آواز آئی کہ اس کے گھر میں ولادت ہوئی، اس نے پوچھا کون بچہ ہوا؟ معلوم ہوا لڑکی، اس نے کہا: اس کو دفن کر دو، میں نے کہا: دفن نہ کرو، میں اس کو خریدتا ہوں، چنانچہ میں نے اس کو دو اونٹنیاں بچوں سمیت اور اپنی سواری کا اونٹ دے کر لڑکی لے لی، اس طریقہ سے ظہور اسلام تک میں نے تین سو ساٹھ دفن ہونے والی لڑکیوں کو فی لڑکی دس دس مہینے کی دو دو حاملہ اونٹنیاں اور ایک ایک اونٹ دیکر خریدا، اس کا مجھے کوئی اجر ملے گا؟“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”تم کو خدا نے اسلام

کے شرف سے سرفراز کیا ہے اس لیے ان تمام ٹیکوں کا اجر ملے گا۔
 صحیحہ کے اعمال حسنہ محض لڑکیوں کو بچانے تک محدود نہ تھے بلکہ وہ غرباء پرور
 بھی تھے، اور غریبوں اور محتاجوں کے لیے ان کا دست کرم ہمیشہ دراز رہتا، ضروریات
 سے جو کچھ بچتا تھا اس کو پڑوسیوں اور مسافروں میں تقسیم کر دیتے تھے، ایک مرتبہ رسول
 اللہ ﷺ سے عرض کیا: ”یا رسول اللہ ﷺ! میرے پاس ضروریات سے جو کچھ
 بچتا ہے اس کو میں پڑوسیوں اور مسافروں کے لیے رکھ چھوڑتا ہوں،“ فرمایا: ”پہلے
 ماں، باپ، بھائی، بہن اور قریبی رشتہ داروں کو دیا کرو۔“



حضرت صفوان بن امیہ کا قبول اسلام

زمانہ جاہلیت میں صفوان کا خاندان نہایت معزز تھا، اور تیروں سے پانسہ ڈالنے کا عہدہ ان ہی کے گھر میں تھا، کوئی پبلک کام اس وقت تک نہ ہو سکتا تھا، جب تک پانسہ سے اس کا فیصلہ نہ ہو جائے۔

قریش کے دوسرے معززین کی طرح صفوان کا باپ امیہ بھی اسلام کا سخت مخالف تھا، حضرت بلالؓ اسی کی غلامی میں تھے، جن کو وہ اسلام سے پھیرنے کے لیے بڑی عبرتناک سزائیں دیتا تھا، بدر میں اس کا سارا کنبہ مسلمانوں کو ختم کرنے کے ارادہ سے نکلا تھا، حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ نے امیہ کی حفاظت کا ذمہ لیا تھا، لیکن میدان جنگ میں حضرت بلالؓ کی نظر اس پر پڑ گئی یہ چلائے کہ دشمن اسلام امیہ کو لینا، ان کی آواز پر مسلمان چاروں طرف سے امیہ پر ٹوٹ پڑے، حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ بچانے کے لیے امیہ کے اوپر لیٹ گئے، لیکن بلالؓ کی فریاد کے سامنے ان کی کسی نے نہ سنی اور تیروں سے چھید چھید کرامیہ کا کام تمام کر دیا، اس کی مدافعت میں حضرت عبدالرحمانؓ بھی زخمی ہوئے۔

بدر میں مشرکین کی شکست اور باپ کے قتل نے صفوان کو بہت زیادہ مشتعل کر دیا، ایک دن یہ اور عمیر بن وہب بیٹھے ہوئے بدر کے واقعات کا تذکرہ کر رہے تھے، صفوان نے کہا: ”مقتولین بدر کے بعد زندگی کا مزہ جاتا رہا“، عمیر نے جواب دیا: ”سچ کہتے ہو، اگر مجھ پر قرض کا بار نہ ہوتا اور بال بچوں کے مستقبل کی فکر نہ ہوتی تو محمد ﷺ کو قتل کر کے یہ قصہ ہی ختم کر دیتا“، صفوان باپ کے خون کے انتقام کے لیے بیتاب

تھے، بولے ”یہ کون سی بڑی بات ہے میں ابھی تمہارا قرض چکائے دیتا ہوں، رہا اہل و عیال کا معاملہ تو ان کے متعلق بھی یقین دلاتا ہوں کہ تمہارے بعد اپنے بال بچوں کی طرح ان کی کفالت اور خبر گیری کروں گا“، چنانچہ عمیر کو آمادہ کر کے انہیں ایک زہر میں بچھی ہوئی تلوار دے کر آنحضرت ﷺ کا قصہ چکانے کے لیے مدینہ بھیجا، مگر مدینہ پہنچنے کے بعد جب وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے تو یہ راز فاش ہو گیا اور عمیر مسلمان ہو گئے (اس کی تفصیل حضرت عمیر بن وہبؓ کے اسلام لانے میں گزر چکی ہے)

اس سازش کی ناکامی کے بعد صفوان نے جن جن کے اعزہ بدر میں مارے گئے تھے، انہیں ساتھ لے کر ابوسفیان کو بدلہ لینے پر آمادہ کیا، اس کا نتیجہ احد کی صورت میں ظاہر ہوا، ابوسفیان مسلمانوں کی عارضی شکست کے بعد مکہ واپس ہو رہا تھا، مگر پھر یہ خیال کر کے کہ اس وقت مسلمان کمزور ہیں ان سے پورا بدلہ لینا چاہا، لیکن صفوان نے کہا کہ ”اس مرتبہ ہم کامیاب ہو گئے ہیں ممکن ہے کہ آئندہ خلاف نتیجہ نکلے، اس لیے مناسب نہیں ہے“، ان کے سمجھانے پر ابوسفیان لوٹ آیا۔

(۳۷) میں بعض نو مسلم قبائل کی درخواست پر آنحضرت ﷺ نے ان کی تعلیم کے لیے قاری صحابہ کی ایک جماعت بھیجی تھی، راستہ میں بنولجیان نے ان پر حملہ کر دیا، اس حملہ میں چند صحابہ شہید ہوئے، اور چند زندہ گرفتار کئے گئے، گرفتار ہونے والوں میں ایک صحابی حضرت زید بن دسنہؓ تھے، انہیں بیچنے کے لیے مکہ لایا گیا، صفوان نے خرید کر اپنے باپ کے بدلہ میں ان کو قتل کیا۔

اس کے بعد صفوان کو اسلام سے پہلی سی پر حاش باقی نہ رہی، بلکہ اندرونی طور پر وہ متاثر ہونے لگے، چنانچہ (۳۸) میں جب غزوہ خیبر پیش آیا تو دوسرے آلات حرب تو مسلمانوں کو مہیا ہو گئے، لیکن زرہیں نہ تھیں، آنحضرت ﷺ نے صفوان سے مانگ بھیجیں، انہوں نے کہا: ”عاریۃ یا غصباً“؟ فرمایا: ”عاریۃ“ چنانچہ صفوان نے چند زرہیں عاریۃ دیں، یہ پہلا موقع تھا کہ ان کے جیسے دشمن اسلام کی جانب سے اس کی

امداد کا کوئی کام ہوا، ان زرہوں میں سے غزوہ خیبر میں چند ضائع ہو گئیں، آنحضرت ﷺ نے تاوان دینا چاہا، لیکن صفوان نے قبول نہ کیا، اور کہا: ”یا رسول اللہ ﷺ! آج اسلام کی جانب میرا میلان ہو رہا ہے“، لیکن قومی عصبیت نے اس میلان کو دبا دیا اور فتح مکہ میں مسلمانوں سے مزاحم ہوئے۔

فتح مکہ کے بعد جب رؤسائے قریش کا شیرازہ بکھر گیا، اور ان کے لیے کوئی جائے پناہ باقی نہ رہی، تو ان میں سے اکثر آنحضرت ﷺ کے لطف و کرم اور عفو و درگزر کو دیکھ کر مشرف باسلام ہو گئے، اور بعض نے اپنی گزشتہ کرتوتوں کے خوف اور بعضوں نے تعصب کی وجہ سے راہ فرار اختیار کی، صفوان نے بھی جدہ کا راستہ لیا، ان کے عزیز اور قدیم رفیق حضرت عمیر بن وہب نے جو بدر کے بعد ہی مشرف باسلام ہو گئے تھے، آنحضرت ﷺ سے عرض کیا: ”یا رسول اللہ ﷺ! سردار قوم صفوان بن امیہ آپ ﷺ کے خوف سے بھاگ گئے ہیں“، آپ ﷺ نے فرمایا: ”وہ مامون ہیں“، عمیر نے کہا: ”یا رسول اللہ ﷺ! جان بخشی کی کوئی نشانی مرحمت ہو“، آپ ﷺ نے ردائے (چادر) مبارک دی کہ یہ اسے دکھا کر صفوان کو اسلام کی دعوت دیں اور انہیں آنحضرت ﷺ کے پاس بلا لائیں، اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو فیہما، ورنہ انہیں غور کرنے کے لیے دو مہینہ کی مہلت دی جائے“، عمیر ردائے مبارک لے کر صفوان کی تلاش میں نکلے اور انہیں ردا دکھا کر مدینہ واپس لے آئے، اور وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور مجمع عام میں بلند آواز سے آپ ﷺ سے پوچھا: ”محمد ﷺ! عمیر بن وہب نے مجھ سے تمہاری چادر دکھا کر کہا ہے کہ تم نے مجھ کو بلایا ہے اور مجھے اختیار دیا ہے کہ اگر میں پسند کروں تو اسلام قبول کر لوں ورنہ دو مہینہ کی مہلت ہے“، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”ابو وہب سواری سے اترو“، انہوں نے کہا: ”جب تک صاف نہ بتاؤ گے نہ اتروں گا“، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”دو مہینہ کے بجائے تم کو چار مہینہ کی مہلت ہے“۔ اس عفو و درگزر اور نرمی و ملاحظت کے بعد بھی

صفوان اپنے مذہب پر قائم رہے، لیکن اسلام کے ساتھ کوئی پرخاش باقی نہ رہی، چنانچہ اس کے بعد ہی جنگ حنین اور طائف ہوئی، اس میں بھی انھوں نے اسلحہ سے مسلمانوں کی مدد کی اور خود بھی دونوں لڑائیوں میں شریک ہوئے، آنحضرت ﷺ نے حنین کے مال غنیمت میں سے سواونٹ انہیں مرحمت فرمائے، یہ لطف و مرحمت دیکھ کر صفوان نے کہا: ”ایسی فیاضی نبی ہی کر سکتا ہے“، آنحضرت ﷺ کے اس طرز عمل سے متاثر ہو کر غزوہ طائف کے چند دنوں بعد مشرف باسلام ہو گئے۔



حضرت ضرار بن ازور کا قبول اسلام

ضرار اپنے قبیلہ کے اصحاب ثروت میں تھے، عرب میں سب سے بڑی دولت اونٹ کے گلے تھے، ضرار کے پاس ہزار اونٹوں کا گلہ تھا، اسلام کے جذب و ولولہ میں تمام مال و دولت چھوڑ کر خالی ہاتھ آستان نبوی پر پہنچے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”تمہاری تجارت گھائے میں نہیں رہی۔“

عہد صدیقی میں فتنہ ارتداد کے فرو کرنے میں بڑی سرگرمی سے حصہ لیا، بنی تمیم کا مشہور مرتد سرغنہ مالک بن نویرہ ان ہی کے ہاتھوں مارا گیا، اس سلسلہ کی مشہور جنگ یمامہ میں بڑی شجاعت سے لڑے، واقدی کے بیان کے مطابق اس بے جگری سے لڑے کہ دونوں پاؤں پنڈلیوں سے کٹ گئے، مگر تلوار ہاتھ سے نہ چھوٹی، گھٹنوں کے بل گھسٹ گھسٹ کر لڑتے رہے اور گھوڑوں کی ٹاپوں سے مسل کر شہید ہوئے۔



حضرت ضماد بن ثعلبہ کا قبول اسلام

ضماد زمانہ جاہلیت کے آنحضرت ﷺ کے دوست تھے، اور جھاڑ پھونک ان کا پیشہ تھا، جب مکہ میں اول اول آنحضرت ﷺ نے توحید الہی کی صدا بلند کی تو اس کے جواب میں ہر طرف سے جنون اور دیوانگی کا آپ ﷺ پر فتویٰ صادر ہوا، اتفاق سے انہیں دنوں ضماد کسی کام سے مکہ آئے، انہوں نے بھی سنا کہ (نحوہ باللہ) محمد ﷺ مجنوں ہو گئے، جھاڑ پھونک پیشہ تھا، اس لیے گذشتہ تعلقات نے تقاضا کیا کہ محمد ﷺ کو ضرور دیکھنا چاہیے، ممکن ہے کہ میرے ہاتھوں سے شفا مقدر ہو، چنانچہ خدمت نبوی میں جا کر کہا: ”محمد! (ﷺ) میں آسیب کا علاج کرتا ہوں، خدا نے میرے ہاتھوں سے بہتوں کو شفا بخشی ہے، اس لیے میں تمہارا علاج کرنا چاہتا ہوں“، اس ہمدردی کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

”الحمد لله نحمده ونستعينه من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي له، وأشهد أن لا اله الا الله وحده لا شريك له وأشهد أن محمدا عبده ورسوله“ (تمام تعریفیں خدا ہی کے لیے ہیں، ہم اس کی حمد کرتے ہیں اور اس سے استعانت چاہتے ہیں جس کو خدا ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جس کو وہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں، میں گواہی دیتا ہوں خدا کے سوا کوئی معبود نہیں وہ تھا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں)

اس کے بعد آنحضرت ﷺ کچھ اور فرماتا چاہتے تھے کہ صفاؤ نے دوبارہ پڑھنے کی فرمائش کی، آپ ﷺ نے تین مرتبہ پڑھ کر سنایا، صفاؤ شہایت غور و تامل کے ساتھ سنتے جاتے تھے، اور ہر مرتبہ دل متاثر ہوتا جاتا تھا، جب سن چکے تو کہا: ”میں نے کانہوں کا صحیح سنا ہے، ساحروں کی سحر بیانی سنی ہے، شعراء کا کلام سنا ہے، لیکن یہ تو کچھ اور ہی چیز ہے، جو بات اس میں ہے وہ کسی میں نہیں پائی، اس کا عمق تو سمندر کی گہرائیوں کی تھاہ لاتا ہے، ہاتھ بڑھاؤ اور مجھے اسلام کی غلامی میں داخل کرو، اس طریقہ سے عرب کا وہ مشہور طبیب جو جنون کا علاج کرنے آیا تھا، خود اسلام کا دیوانہ بن گیا۔“



حضرت ضمام بن ثعلبہ کا قبول اسلام

ضمام فطرۃ سلیم الطبع تھے، چنانچہ زمانہ جاہلیت میں بھی جب سارا عرب طرح طرح کے فواحش میں مبتلا تھا، ضمام کا دامن اخلاق ان سے محفوظ رہا۔

(۹ھ) میں جب اسلام کا چرچا سارے عرب میں پھیل گیا، اور دور دور کے قبائل مدینہ آنے لگے، تو ضمام کے قبیلہ نے انہیں تحقیق حال کے لیے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا، جس وقت یہ پہنچے، اس وقت آپ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے، ضمام مسجد کے دروازہ پر اونٹ باندھ کر اندر داخل ہوئے، آنحضرت ﷺ کے گرد صحابہ کا مجمع تھا، ضمام سیدھے آپ ﷺ کے پاس پہنچے اور پوچھا: ”تم میں عبد المطلب کا پوتا کون ہے؟“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”میں ہوں“، ضمام نے کہا: ”محمد! (ﷺ)“، فرمایا: ”ہاں“، اس کے بعد ضمام نے کہا: ”اے ابن عبد المطلب! میں تم سے سختی کے ساتھ چند سوالات کروں گا، تم آزرده نہ ہونا“، فرمایا: ”نہیں آزرده نہ ہوں گا، جو پوچھنا چاہتے ہو پوچھو“، کہا: ”میں تم سے اس خدا کا واسطہ دلا کر پوچھتا ہوں جو تمہارا معبود، تمہارے اگلوں کا معبود اور تمہارے بعد آنے والوں کا معبود ہے، کیا خدا نے تم کو ہمارا رسول بنا کر بھیجا ہے؟“ فرمایا: ”خدا کی قسم! ہاں“، کہا: ”میں تم سے اس خدا کا واسطہ دلا کر پوچھتا ہوں جو تمہارا معبود، تمہارے اگلوں کا معبود اور تمہارے بعد آنے والوں کا معبود ہے، کیا خدا نے تم کو حکم دیا ہے کہ بلا کسی کو شریک کئے ہوئے صرف اسی کی پرستش کریں اور اس کے علاوہ ان بتوں کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے آباء و اجداد پرستش کرتے چلے آئے ہیں“، فرمایا: ”خدا کی قسم! ہاں“، پوچھا: ”میں تم سے اس خدا کا واسطہ دلا کر پوچھتا ہوں جو تمہارا معبود، تمہارے اگلوں کا معبود اور تمہارے بعد آنے والوں کا معبود ہے، کیا خدا نے تم کو حکم یہ دیا ہے کہ ہم

پانچ وقت کی نمازیں پڑھیں، آنحضرت ﷺ نے اس کا جواب میں ہاں میں دیا، ضمامؓ نے اسی طرح روزہ، حج اور زکوٰۃ اسلام کے تمام ارکان کے متعلق قسم دلا دلا کر سوالات کئے اور آپ ﷺ ہاں میں جواب دیتے رہے، یہ سوالات کرنے کے بعد ضمامؓ نے کہا: ”میں شہادت دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں، اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں، اور میں عنقریب ان تمام فرائض کو پورا کروں گا، اور جن جن چیزوں سے آپ ﷺ نے منع کیا ہے انہیں چھوڑ دوں گا، اور اس میں کسی قسم کی کمی اور زیادتی نہ کروں گا“، اس اقرار کے بعد یہ لوٹ گئے، آنحضرت ﷺ نے لوگوں سے فرمایا کہ ”اگر اس کیسوؤں والے نے سچ کہا ہے تو جنت میں جائے گا۔“

ضمامؓ فطرتاً سلیم الطبع تھے، زمانہ جاہلیت میں بھی ان کا دامن آلودگیوں سے پاک رہا، اسلام نے اس میں اور جلادے دی، چنانچہ مدینہ سے واپسی کے بعد انہیں اپنے گمراہ قبیلہ کے اسلام کی فکر ہوئی، اور وہ سیدھے بنی سعد پہنچے، اہل قبیلہ ان کی آمد کی خبر سن کر جوق در جوق حالات سننے کے لیے جمع ہوئے، یہ لوگ اس خیال میں تھے کہ ضمامؓ کوئی اچھا اثر لے کر نہ آئے ہوں گے، مگر اپنی امیدوں کے برخلاف ضمامؓ کی زبان سے پہلا جملہ یہ سنا: ”لات وعزلیٰ کا برا ہو“، محترم دیوتاؤں کی شان میں اس گستاخی پر ہر طرف سے ”ضمام خاموش، ضمام خاموش، تم کو خوف نہیں معلوم ہوتا کہ اس گستاخی کی پاداش میں تم کو جنون، برص یا جذام ہو جائے“ کی صدائیں اٹھیں، ضمامؓ نے ان تمام کا جواب یہ دیا: ”تم لوگوں کی حالت پر افسوس ہے، لات وعزلیٰ کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتے، خدا نے محمد ﷺ کو رسول بنا کر بھیجا ہے، اور ان پر ایسی کتاب اتاری ہے جو اس گمراہی سے نجات دلائے گی جس میں اب تک تم گھرے ہوئے ہو، میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد ﷺ خدا کے بندے اور اس کے رسول ہیں، میں محمد ﷺ کے پاس سے تمہارے لیے ایسا پیام لایا ہوں، جس میں انہوں نے بعض چیزوں کے کرنے کا حکم دیا ہے اور بعض چیزوں سے منع کیا ہے، ان کی اس پر جوش تقریر کا یہ اثر ہوا کہ شام تک پورا قبیلہ اسلام کے نور سے منور ہو گیا۔“

حضرت عباسؓ بن مرداس کا قبول اسلام

عباس اپنے قبیلہ کے سردار تھے، ان کی فطرت ابتدا ہی سے سلیم واقع ہوئی تھی، چنانچہ زمانہ جاہلیت میں بھی جب کہ سارے عرب میں شراب کا دور چلتا تھا، ان کی زبان شراب کے ذائقہ سے آشنا نہ ہوئی، لوگوں نے پوچھا: ”شراب کیوں نہیں پیتے؟ اس سے جرات و قوت پیدا ہوتی ہے“، کہا: ”میں قوم کا سردار ہو کر بے عقل بننا نہیں پسند کرتا، خدا کی قسم! میرے پیٹ میں کبھی وہ چیز نہیں جاسکتی جو عقل و خرد سے بیگانہ بنا دے۔“

عباسؓ کے اسلام کا واقعہ غیبی تلقین کا ایک نمونہ ہے، ان کے والد ایک بت کی پرستش کرتے تھے، ان سے کہا: ”تم بھی اسے پوجا کرو، یہ تمہارے نفع و نقصان کا مالک ہے“، چنانچہ باپ کے حکم کے مطابق یہ بھی بت کو پوجنے لگے، ایک دن دوران پرستش میں ایک منادی کی آواز سنی، جو بت کی بربادی اور رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی منادی کر رہی تھی، عباس سلیم الفطرت تھے، اتنا واقعہ تنبیہ کے لیے کافی تھا، چنانچہ فوراً پتھر کو آگ میں جھونک دیا، اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہو گئے، اسلام لانے کے کچھ دنوں بعد اپنے قبیلہ کے نوسو مسلمانوں کو لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت کے لیے آگئے، پھر فتح مکہ کی مسرت میں انہوں نے ایک پرزور قصیدہ کہا، شاعری میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے غزوات کے سلسلہ میں بڑے پرزور قصائد لکھتے تھے ان کی شاعری میں جوش شجاعت کے ساتھ نور ہدایت کی بھی جھلک ہوتی تھی۔

حضرت عبداللہ بن ابی امیہ کا قبول اسلام

ان کی ماں کا نام عاتکہ تھا، وہ عبدالمطلب کی لڑکی تھیں، اس رشتہ سے عبداللہ رسول اللہ ﷺ کے پھوپھی کے بھائی ہوئے، اس کے علاوہ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کے ماں جائے بھائی تھے، غرض عبداللہ کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ متعدد قرابتوں کا شرف حاصل تھا۔

عبداللہ کا گھرانہ زمانہ جاہلیت میں بہت معزز مانا جاتا تھا، اس کے والد ابو امیہ قریش کے مقتدر رئیس تھے، فیاضی اور سیر چشمی ان کا خاندانی شعار تھا، سفر میں اپنے تمام ہمراہیوں کے اخراجات کا بار خود اٹھاتے تھے، اسی لیے ”زاد الراکب“ مسافر کا توشہ ان کا لقب ہو گیا تھا، آنحضرت ﷺ نے جب اسلام کی دعوت دی تو سب سے زیادہ مخالفت رؤسائے قریش کی جانب سے ہوئی، ابو امیہ بھی رؤسائے قریش میں تھے، اس لیے وہ اور ان کے لڑکے عبداللہ نے بھی آنحضرت ﷺ کی بڑی مخالفت کی، عبداللہ رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں سے سخت عناد (دشمنی) رکھتے تھے، آنحضرت ﷺ نے جب اپنے چچا ابوطالب کی وفات کے وقت ان سے کلمہ شہادت پڑھنے کی درخواست کی تو عبداللہ ہی نے یہ کہہ کر روکا کہ ”کیا آخر وقت عبدالمطلب کی ملت سے پھر جاؤ گے؟“

آنحضرت ﷺ سے بطور مزاق کہا کرتے تھے کہ ”میں اس وقت تک تمہارے اوپر ایمان نہیں لاسکتا، جب تک تمہارے لیے زمین سے کوئی چشمہ نہ پھوٹے یا تمہارے لیے کوئی زر نگار محل نہ تیار ہو جائے“، سعید روایت کرتے ہیں کہ ”کلام اللہ کی یہ آیت:

﴿لن نومن لك حتى تفجر لنا من الارض ينبوعاً﴾ (ہم اس وقت

تک ہرگز تمہارے اوپر ایمان نہیں لاسکتے، جب تک ہمارے لیے زمین سے کوئی چشمہ نہ پھوٹے)

عبداللہ ہی کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔“

ایک موقع پر کہا کہ ”میں تم پر کبھی ایمان نہیں لانے کا، اگرچہ تم میرے سامنے آسمان کو زینہ لگا کر اوپر کو چڑھ جاؤ اور میرے سامنے اس زینہ سے اترو اور تمہارے ساتھ چار فرشتے بھی آئیں اور وہ تمہاری شہادت بھی دیں، میں تو تب بھی تم پر ایمان نہیں لاؤں گا۔“

لیکن بالآخر اسلام کی قوت تاثیر نے انہیں بھی کھینچ لیا، یا وہ بغض و عناد تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کا مزاق اڑایا کرتے تھے، یا فتح مکہ سے کچھ دنوں پہلے خود بخود بلا کسی تحریک کے آستان نبوی کی طرف چلے، مکہ اور مدینہ کے درمیان مقام ثنیۃ العقاب میں آنحضرت ﷺ سے ملاقات ہوئی، عبداللہ کے جرائم ان کی نگاہوں کے سامنے تھے، اس لیے بلا وسیلہ سامنے جانے کی ہمت نہ ہوتی تھی، اپنی بہن ام سلمہؓ کو درمیان میں ڈال کر باریابی کی اجازت چاہی، ان کا ایک ایک جرم آنحضرت ﷺ کی نگاہوں کے سامنے آ گیا اس لیے آپ ﷺ نے طے سے انکار کر دیا، حضرت ام سلمہؓ نے سفارش کی کہ کچھ بھی ہو بہر حال وہ آپ ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی اور سسرالی عزیز بھی ہیں، فرمایا: ”انہوں نے مکہ میں میرے لیے کیا اٹھا رکھا“، اس مایوس کن جواب کے بعد عبد اللہ نے عالم ناامیدی میں کہا: ”اگر عفو و درگزر کا دروازہ قطعاً بند ہو چکا ہے تو در بدر پھر کر بھوک اور پیاس سے تڑپ تڑپ کر جان دیدیں گے“، آنحضرت ﷺ کو اس عزم کی خبر ہوئی تو رحم و کرم کی موجوں نے غیظ و غضب کی گرمی کو ٹھنڈا کر دیا، اور عبد اللہ کو باریابی کی اجازت مل گئی، اور وہ خلعت اسلام سے سرفراز ہو گئے۔

حضرت عبداللہ بن بدر کا قبول اسلام

ان کا آبائی نام عبدالعزیٰ مشرکانہ تھا، آنحضرت ﷺ نے بدل کر عبداللہ رکھا، علامہ ابن حجر عسقلانی کے نزدیک ہجرت کے ابتدائی سنوں میں مشرف باسلام ہوئے، ان کی روایت کی رو سے ان کے اسلام کا واقعہ یہ ہے کہ ہجرت نبوی کے بعد عبداللہ اور ان کے ماں جائے بھائی ابو مروہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ ﷺ نے نام پوچھا، عرض کیا: ”عبدالعزیٰ“، عزیٰ بت کا بندہ؟ فرمایا: ”نہیں، تم عبد اللہ خدا کے بندے ہو“، خاندان پوچھا، عرض کیا: ”بنی غیان، گمراہ کی اولاد“، فرمایا: ”نہیں، تم بنی رشدان، ہدایت یاب کی اولاد ہو“، عبداللہ جس وادی میں رہتے تھے اس کا نام غویاء تھا، آنحضرت ﷺ نے اسے بھی راشد سے بدل دیا، اس طرح عبداللہ کی تمام لغو نسبتوں کو آپ ﷺ نے بابرکت نسبتوں میں بدل دیا، ان کا شمار مدنی صحابہ میں تھا، مدینہ میں انہوں نے ایک مسجد بھی تعمیر کرائی تھی، یہ مسجد نبوی کے بعد دوسری مسجد تھی۔



حضرت عبداللہ بن زبیری کا قبول اسلام

قبول اسلام سے پہلے عبداللہؓ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے سخت دشمن تھے، ان کا زرو مال، ان کی قوت و طاقت، ان کی شاعری اور زبان آوری سب مسلمانوں کی ایذا رسانی کے لیے وقف تھی، قریش کے بڑے آتش بیان شاعر تھے، اس کا مصروف آنحضرت ﷺ کی ہجو برائی تھی، احد کے مشرک مقتولین کا نہایت زبردست مرثیہ کہا تھا، حضرت حسان بن ثابتؓ نے اس کا جواب دیا۔

فتح مکہ کے بعد جب دشمنان اسلام کا جتھا ٹوٹا، تو عبداللہ اور ہمیر بن وہب نجران بھاگ گئے، عبداللہ حضرت حسان بن ثابتؓ پر بہت وار کر چکے تھے، عبداللہ کے فرار پر انہیں بدلہ لینے کا موقع ملا، چنانچہ انھوں نے شعر کہا، عبداللہ نے سنا تو نجران سے لوٹ آئے، اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہو گئے، گذشتہ خطاؤں پر سخت نادم و شرمسار تھے، آنحضرت ﷺ سے ان کی معافی چاہی، آپ ﷺ نے معاف کر دیا، اور اب وہی زبان جو کلمہ شہادت پڑھنے کے قبل تیر و نشتر کی طرح مسلمانوں کے دلوں پر ہجو اور برائی کر کے چر کے لگاتی تھی، نعت رسول کے پھول برسانے لگی، تمام ارباب سیر نے ان کے نعتیہ اشعار لکھے ہیں، ہم طوالت کے خیال سے انہیں نظر انداز کرتے ہیں، حافظ ابن حجر کے بیان کے مطابق آنحضرت ﷺ نے نعت کے صلہ میں انہیں ایک حلہ (جوڑا) بھی مرحمت فرمایا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عبدنہم کا قبول اسلام

باپ کا سایہ بچپن ہی میں سر سے اٹھ گیا، چچا نے بڑے لطف و محبت سے پرورش کی، ٹوٹے ہوئے دلوں میں قبول حق کا مادہ زیادہ ہوتا ہے، اس لیے عبداللہؓ کا دل جس میں یتیمی نے بہت گداز پیدا کر دیا تھا، ہوش سنبھالتے ہی اسلام سے متاثر ہو گیا، چچا کافر تھے، انہیں جب معلوم ہوا کہ بھتیجے نے محمد ﷺ کا مذہب اختیار کر لیا، تو ساری شفقت و محبت سرد مہری سے بدل گئی، اور عبداللہؓ سے کہا: ”اگر تم نے محمد ﷺ کا دین قبول کر لیا تو جو کچھ دیا لیا ہے سب چھین لوں گا“، مگر جس دل میں ایمان کی دولت بھر چکی تھی وہ دنیوی ساز و سامان کو کیا دھیان میں لاسکتا تھا، عبداللہؓ نے کہا: ”اگر ایسا ہے تو میں مسلمان ہوں“، یہ بے باکانہ جواب سن کر چچا نے جو کچھ دیا تھا سب واپس لے لیا حتیٰ کہ بدن کے کپڑے تک اتروا لیے، عبداللہؓ اسی حالت میں ماں کے پاس پہنچے، ماں کی ماتا سے اس حالت میں نہ دیکھا گیا، ایک چادر تھی اس کے دو ٹکڑے کر کے عبداللہؓ کے حوالہ کی، انہوں نے ایک کا تہ بند بنایا اور ایک کی چادر، اعزہ واقرباء سے ناتہ ٹوٹ چکا تھا، نماز فجر کے وقت مسجد نبویؐ پہنچے، اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی، نماز کے بعد حسب معمول رسول اللہ ﷺ کے لباس سے مصافحہ کرنے اور آنے والوں پر نظریں دوڑانے لگے، عبداللہؓ پر نظر پڑی، پوچھا: ”تم کون ہو؟“ عرض کی: ”عبدالعزیٰ“، فرمایا: ”تم عبداللہؓ ذوالسجادین (دو چادروں والے) ہو، تم میرے دروازہ پر رہا کرو“، آستانہ نبویؐ کی دربارنی سے بڑھ کر کیا شرف ہو سکتا ہے، چنانچہ عبداللہؓ باب نبویؐ پر رہنے لگے، اور جب تک زندہ رہے اس در کی دربارنی نہ چھوڑی۔

(۹ھ) میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ غزوہ تبوک میں گئے، وقت آخر ہو چکا تھا، معمولی بیمار پڑ کر تبوک کے لشکر گاہ میں وفات پا گئے، خود آقائے نامدار ﷺ نے صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کے ساتھ مل کر رات کی تاریکی میں مشعل جلا کر قبر کھودی اور اپنے دست مبارک سے عبداللہؓ کی لاش قبر میں اتار کر دعا فرمائی، ”خدا یا میں اس سے راضی تھا تو بھی رضا مندی ظاہر فرما“، غرض آستانہ نبوی کا یہ دربان اس قابل رشک طریقہ پر سرکارِ دو عالم ﷺ کے ہاتھوں پیوند خاک ہوا، اس واقعہ کے راوی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ مجھے عبداللہؓ کی موت پر اتنا رشک آیا کہ دل نے کہا ”کاش ان کے بجائے میں مرا ہوتا“۔



حضرت عتاب بن اسید کا قبول اسلام

عتاب ابتدا سے سلیم الفطرت تھے، چنانچہ قبول اسلام کے پہلے ہی سے وہ شرک سے دور اور اسلامی تعلیمات سے قریب تر تھے، فتح مکہ سے ایک دو شب پہلے آنحضرت ﷺ نے ان کی فطرت سلیم کا تذکرہ فرمایا کہ ”قریش کے چار آدمی شرک سے دور اور اسلام سے قریب تر اور اس کی طرف راغب ہیں“، لوگوں نے پوچھا: ”یا رسول اللہ ﷺ! وہ کون لوگ ہیں؟“ فرمایا: ”عتاب بن اسید، جبیر بن مطعم، حکیم بن حزام، اور سہیل بن عمرو“، فتح مکہ کے دن بلا جبر واکراہ بطیب خاطر اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے، جب آنحضرت ﷺ ان کے لیے جانے لگے، تو عتاب کو مکہ کا امیر بنایا، مکہ کی امارت پر سرفراز فرماتے وقت ان الفاظ میں عتاب کی عزت افزائی فرمائی ”عتاب! تم کو معلوم ہے کہ کن لوگوں پر میں نے تم کو عامل بنایا ہے، اہل اللہ پر، اگر مکہ والوں میں تم سے زیادہ کوئی موزوں شخص نظر آتا تو اسے بناتا۔“

پھر (۸ھ) میں حج کی امارت کا شرف حاصل ہوا، اس لحاظ سے عتاب تاریخ اسلام میں سب سے پہلے امیر الحج ہیں۔



حضرت عتبہ بن ابی لہب کا قبول اسلام

یہ ابو لہب کے بیٹے تھے اور ابو لہب آنحضرت ﷺ کا چچا تھا، اس رشتہ سے عتبہ آپ ﷺ کے چچا زاد بھائی تھے۔

عتبہ پیغمبر اسلام کے اس سب سے بڑے دشمن کے فرزند تھے جس نے پیغمبر کی تحقیر، مسلمانوں کی ایذا رسانی، اور اسلام کی بیخ کنی میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھا تھا، پھر بھی ان اور آنحضرت ﷺ کا گوشت و پوست ایک تھا، خون کا اثر کہاں سے جاتا چنانچہ جب مکہ فتح ہوا اور دشمنان اسلام کا شیرازہ بکھر چکا تو آنحضرت ﷺ کو چچیرے بھائی کا خیال آیا، حضرت عباسؓ سے پوچھا ”تمہارے دونوں بھتیجیوں (عتبہ اور معتب) کو نہیں دیکھا، معلوم نہیں کہاں ہیں؟“ عباسؓ نے کہا: ”مشرکین قریش کے ساتھ وہ بھی مکہ چھوڑ کر کہیں نکل گئے ہیں“، فرمایا: ”جاؤ جہاں کہیں ملیں لے آؤ“، اس ارشاد پر حضرت عباسؓ تلاش میں نکلے اور دونوں کو ڈھونڈ کر کہا: ”چلو تم کو رسول اللہ ﷺ نے یاد فرمایا ہے“، چنانچہ یہ دونوں چچا کے ساتھ بھائی کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ ﷺ نے اسلام پیش کیا، اب انکار و تمرد کا وقت گزر چکا تھا، اس لیے بلا تامل قبول کر لیا، قبول اسلام کے بعد آنحضرت ﷺ دونوں کا ہاتھ پکڑے ہوئے باب کعبہ اور حجر اسود کے درمیان میں لا کر کچھ دعا کی، دعا سے واپسی کے وقت چہرہ انور و نور مسرت سے چمک رہا تھا، عباسؓ نے کہا: ”خدا آپ ﷺ کو ہمیشہ خوش رکھے، آپ ﷺ کے چہرہ پر مسرت کے آثار دیکھ رہا ہوں“، فرمایا: ”میں نے اپنے دونوں بھائیوں کو خدا سے مانگا تھا، اس نے مجھے دے دیا، یہ مسرت اسی کا نتیجہ ہے۔“

حضرت عثمان بن ابی العاص کا قبول اسلام

غزوہ طائف کے بعد عثمان بنی ثقیف کے وفد کے ساتھ مدینہ آئے، یہ اس وفد کے سب سے چھوٹے رکن تھے، آنحضرت ﷺ کے دست حق پرست پر مشرف باسلام ہوئے، آپ ﷺ نے تیر کا تھوڑا سا قرآن پڑھایا، قبول اسلام کے بعد مشہور حافظ قرآن حضرت ابی بن کعبؓ سے قرآن کی تعلیم میں مصروف ہو گئے، جب ثقیف کا وفد وطن لوٹنے لگا تو آنحضرت ﷺ سے ایک ایسے صاحب علم امیر کی درخواست کی جو قبیلہ کے نو مسلموں کی امامت کرے اور انہیں مذہبی تعلیم دے سکے۔

اگرچہ عثمان جدید الاسلام تھے، لیکن ان میں تعلیم کی بڑی استعداد تھی، ان کے تعلیمی ذوق و شوق کو دیکھ کر حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا تھا کہ ”یہ لڑکا ثقہ فی الاسلام اور تعلیم قرآن کا بڑا شائق ہے“، اس لیے آنحضرت ﷺ نے بنی ثقیف کی امارت اور امامت ان ہی کو تفویض فرمادی، اور ہدایت فرمائی کہ لوگوں کی حالت کا اندازہ کر کے نماز پڑھانا، نمازیوں میں کمزور، بوڑھے، بچے اور کاروباری ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔

حضرت ابو بکرؓ کے عہد خلافت میں جب ارتداد کا فتنہ اٹھا اور قبائل عرب اس کا شکار ہونے لگے تو عثمان نے بنی ثقیف کو نہایت دانش مندی کے ساتھ اس وبا سے بچا لیا، سب کو جمع کر کے تقریر کی کہ برادران ثقیف! تم لوگ سب سے آخر میں خلعت ایمان سے سرفراز ہوئے اس لیے سب سے پہلے اسے نہ اتار پھینکو۔

حضرت عدی بن حاتم کا قبول اسلام

عدی مشہور عالم حاتم طائی کے جن کی فیاضی اور سخاوت ضرب المثل ہے بیٹے تھے۔ عدی کا خاندان مدت سے قبیلہ طے پر حکمراں چلا آتا تھا، اور ظہور اسلام کے وقت وہ خود تخت فرماں روائی پر تھے، جب آنحضرت ﷺ کو مسلسل فتوحات حاصل ہوئیں، اور اس کے ساتھ ساتھ آپ کا اثر و اقتدار اور اسلام کا دائرہ وسیع ہونے لگا، اور عدی کو نظر آیا کہ کچھ دنوں میں ان کو آنحضرت ﷺ کے سامنے سر اطاعت خم کئے بغیر چارہ کار نہیں رہے گا، تو دوسرے فرماں رواؤں کی طرح ان کی نخوت کو بھی ایک معمولی قریشی کی ماتحتی اور حکومت گوارا نہ ہوئی، لیکن ایک طرف اسلام کے بڑھتے ہوئے سیلاب کا روکنا ان کے بس سے باہر تھا، دوسری طرف حکمرانی کا غرور اسلام کے سامنے سر جھکانے کی اجازت نہ دیتا تھا، اس لیے انہوں نے ترک وطن کا فیصلہ کر لیا، اور سامان سفر درست کر کے اسلامی فوجوں کی آمد کا انتظار کرنے لگے کہ ادھر وہ ان کے حدود کی طرف بڑھیں، اور ادھر یہ اپنا وطن چھوڑ کر نکل جائیں، جب اسلامی لشکر قبیلہ طے میں پہنچے تو عدی اپنے اہل و عیال کو لے کر اپنی عیسائی برادری کے پاس ملک شام چلے گئے۔ اتفاق سے عدی کی ایک عزیزہ چھوٹ گئی تھیں، وہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں آئیں، اور عام قیدیوں کے ساتھ ایک مقام پر منتقل کر دی گئیں، آنحضرت ﷺ کا ادھر سے گذر ہوا، تو ان خاتون نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ ﷺ! باپ مر چکے ہیں، چھڑانے والا اس وقت موجود نہیں ہے مجھ پر احسان کیجئے، خدا آپ ﷺ پر احسان کرے گا“، آنحضرت ﷺ نے پوچھا: ”چھڑانے والا کون ہے؟“ عرض کیا: ”عدی

بن حاتم“ فرمایا: ”وہی حاتم جس نے خدا اور رسول سے فرار اختیار کیا“، یہ کہہ کر چلے گئے، دوسرے دن پھر گزرے، اسیر خاتون نے پھر وہی درخواست کی، اور پھر وہی جواب ملا، تیسری مرتبہ اس نے حضرت علیؑ کے مشورہ سے درخواست کی، اس مرتبہ درخواست قبول ہوئی، اور آنحضرت ﷺ نے رہا فرما دیا، لیکن بڑے گھرانے کی عورت تھیں، اس لیے ان کے رتبہ و اعزاز کا لحاظ کر کے ارشاد ہوا کہ ”ابھی جانے میں جلدی نہ کرو، جب تمہارے قبیلہ کا کوئی معتبر آدمی مل جائے تو مجھے خبر کرو“، چند دنوں کے بعد قبیلہ قضاہ کے کچھ لوگ مل گئے، طائی خاتون نے آنحضرت ﷺ کو اطلاع دی، آپ ﷺ نے ان کے شایان شان سواری، لباس، اور اخراجات سفر کا انتظام کر کے بحفاظت تمام روانہ کر دیا، یہاں سے یہ خاتون براہ راست عدی کے پاس شام پہنچیں، اور ان کی نہایت بری طرح خبر لی کہ ”تم سے زیادہ قاطع رحم کون ہوگا؟ اپنے اہل و عیال کو لے آئے اور مجھ کو تنہا چھوڑ دیا“، عدی نے ندامت اور شرمساری کے ساتھ اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور چند دنوں کے بعد عدی نے ان سے پوچھا: ”تم ہوشیار اور عاقلہ ہو، تم نے اس شخص (آنحضرت ﷺ) کے متعلق کیا رائے قائم کی؟“ انہوں نے کہا: ”میری یہ رائے ہے کہ جس قدر جلد ہو سکے تم اس سے ملو، اگر وہ نبی ہے تو اس سے ملنے میں سبقت کرنا شرف و سعادت ہے، اور اگر بادشاہ ہے تو بھی یمن کے ایک باعزت فرما روا کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا“، یہ معقول بات عدی کی سمجھ میں آگئی، چنانچہ وہ شام سے مدینہ آئے، اور مسجد نبوی میں جا کر آنحضرت ﷺ سے ملے، آپ ﷺ نے نام پوچھ کر کا شانہ اقدس کی طرف لے چلے، راستہ میں ایک بوری عورت ملی، اس نے روک لیا، آپ ﷺ دیر تک اس سے باتیں کرتے رہے، اس کا عدی کے دل پر خاص اثر ہوا، اور انہوں نے دل میں کہا کہ ”یہ طرز دنیاوی بادشاہ کا نہیں ہو سکتا“، گھر لے جا کر آنحضرت ﷺ نے عدی کو باصرہ ایک گدے پر بٹھایا اور خود زمین پر بیٹھے، اس اخلاق کا عدی کے دل پر اور زیادہ اثر ہوا، اور انہیں

یقین ہو گیا کہ آنحضرت ﷺ کسی طرح دنیاوی بادشاہ نہیں ہو سکتے، اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے عدی کے سامنے اسلام پیش کیا، انہوں نے کہا: ”میں تو ایک مذہب کا پیرو ہوں“، آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں تمہارے مذہب سے زیادہ واقف ہوں“، عدی نے تعجباً نہ پوچھا: ”تم میرے مذہب سے مجھ سے زیادہ واقف ہو؟“ فرمایا: ”بے شک کیا تم رکوسی نہیں ہو؟ (رکوسی عیسوی اور صابی مذہب کے درمیان ایک فرقہ ہے) اور مال غنیمت کا چوتھائی حصہ نہیں لیتے ہو؟“ عدی نے اقرار کیا، ان کے اقرار کے بعد آنحضرت ﷺ نے اعتراضاً فرمایا کہ ”یہ تو تمہارے مذہب میں جائز نہیں ہے، یہ حقیقت سن کر عدی کمزور پڑ گئے، پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”میں سمجھتا ہوں کیا چیز تمہارے اسلام قبول کرنے میں مانع ہو رہی ہے، اسلام کے متعلق تمہارا خیال ہو گا کہ اس کے ماننے والے کمزور و ناتواں لوگ ہیں، جن کے پاس نہ کوئی طاقت ہے اور نہ کوئی پرسان حال ہے“، پھر پوچھا: ”تم حیرہ کو جانتے ہو؟“ عدی نے کہا: ”دیکھا تو نہیں ہے لیکن نام سنا ہے“، آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ایک دن خدا اسلام کو تکمیل کے درجہ تک پہنچائے گا اور اس کی برکت سے ایک تہا عورت بلا کسی کی حفاظت کے حیرہ سے آ کر کعبہ کا طواف کرے گی، اور کسریٰ بن ہرمز کا خزانہ فتح ہو گا“، عدی نے استعجاباً پوچھا: ”کسریٰ بن ہرمز؟“ فرمایا: ”ہاں، کسریٰ بن ہرمز، اور مال کی اتنی فراوانی ہو گی کہ لوگوں کو دیا جائے گا اور وہ لینے سے انکار کریں گے“، اس گفتگو کے بعد عدی آنحضرت ﷺ کے دست حق پرست پر مسلمان ہو گئے۔

حضرت عدیؓ نے طویل عمر پائی تھی وہ کہتے ہیں کہ ”رسول اللہ ﷺ کی دو پیشین گوئیاں تو حرف بہ حرف پوری ہو چکی ہیں صرف ایک باقی رہ گئی ہے اور خدا کی قسم وہ بھی پوری ہو کر رہے گی، میں نے ایک عورت کو دیکھا کہ وہ قادیسہ سے اونٹ پر سوار ہو کر نکلی اور بلا خوف و خطر مکہ پہنچ گئی، اور میں اس فوج کے اگلے دستہ میں تھا جس

نے کسریٰ کے خزانوں پر حملہ کر کے ان پر قبضہ کیا تھا، میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تیسری پیشین گوئی بھی ضرور پوری ہوگی۔“

اللہ کی مشیت کے مطابق نبی کریم ﷺ کی بات پوری ہوئی اور تیسری پیشین گوئی بھی خلیفہ زاہد و عابد حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے دور خلافت میں پوری ہوگئی، اس وقت مسلمان مالی اعتبار سے اس قدر خوش حال ہو گئے تھے کہ خلیفہ کا منادی فقراء و مساکین کو زکوٰۃ کا مال لینے کے لیے پکارتا مگر کوئی اس کو لینے والا نہ تھا، اس طرح رسول اللہ ﷺ کی بات صحیح اور حضرت عدیؓ کی قسم پوری ہوئی۔



حضرت عروہ بن مسعود ثقفی کا قبول اسلام

(۶) میں جب آنحضرت ﷺ عمرہ کی نیت سے مکہ روانہ ہوئے، اور حدیبیہ کے قریب پہنچ کر بدیل کی زبانی معلوم ہوا کہ قریش مزاحمت کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: ”ہم کسی سے لڑنے نہیں آئے ہیں، ہمارا مقصد صرف عمرہ کرنا ہے، قریش کو پیہم لڑائیوں نے بہت خستہ اور کمزور کر دیا ہے، اس لیے ان کو لڑنا مناسب نہیں ہے، بہتر صورت یہ ہے کہ وہ ہم سے ایک معین مدت کے لیے صلح کر لیں، اور ہمارا اور قوم کا معاملہ اپنی حالت پر چھوڑ دیں، جب ہم غالب ہوں گے تو انہیں اختیار ہوگا کہ وہ ہماری جماعت میں شامل ہوں یا شامل نہ ہوں، اور اگر مصالحت منظور نہیں ہے تو اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، جب تک جان باقی ہے، اس وقت تک ان سے لڑوں گا تا آنکہ خدا اپنا فیصلہ پورا کرے۔“

آنحضرت ﷺ کی یہ گفتگو سن کر بدیل قریش کے پاس گئے، اور ان سے کہا میں محمد ﷺ کی باتیں سن کر آیا ہوں، اگر تم لوگ پسند کرو تو میں بیان کروں، پر جوش اور ناتجربہ کار لوگوں نے کہا: ”ہم کو سننے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن سنجیدہ اور سمجھ دار آدمیوں نے سننے پر آمادگی ظاہر کی“، بدیل نے پوری گفتگو سنا دی، یہ مصالحتانہ باتیں سن کر عروہ بن مسعود نے قریش سے سوال کیا: ”کیا میں تمہارا باپ اور تم میرے بچے نہیں ہو؟“ سب نے ہاں میں جواب دیا، پھر پوچھا: ”تم کو میری جانب سے کوئی بدگمانی تو نہیں ہے؟“ سب نے نہیں میں جواب دیا، پھر سوال کیا: ”تم کو یہ معلوم نہیں ہے کہ میں نے عکاظ والوں سے تمہاری مدد کے لیے کہا تھا، اور جب انہوں نے انکار کیا تو میں خود

اپنے بال بچوں سمیت اور جن جن لوگوں نے میرا کہنا مناسب کو لے کر تمہاری مدد کے لیے نہیں آیا؟“ یہ تمام باتیں تسلیم کرانے کے بعد بولے ”جب ان باتوں کو مانتے ہو تو میری بات سنو، محمد ﷺ نے نہایت معقول صورت پیش کی ہے، اس کو منظور کر لو، اور مجھے اجازت دو کہ میں جا کر ان سے گفتگو کر کے معاملات طے کر آؤں“ سب نے بالاتفاق انہیں نمائندہ بنا کر بھیجا، چنانچہ یہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچے آپ ﷺ نے ان کے سامنے بھی وہی صورت پیش کی، جو بدیل کے سامنے پیش کر چکے تھے، عروہ نے کہا: ”محمد ﷺ! ہم نے فرض کیا اگر تم نے قریش کا خاتمہ بھی کر دیا تو میں پوچھتا ہوں کہ کیا اس کی کوئی مثال مل سکتی ہے کہ کسی نے اپنی قوم کو خود برباد کر دیا ہو؟ اور اگر کچھ اور نتیجہ نکلا تو تمہارے گرد جو بھیڑ نظر آرہی ہے یہ سب چھٹ جائے گی، اور جو چہرے اس وقت دکھائی دیتے ہیں ہوا ہو جائیں گے“، حضرت ابو بکرؓ یہ بد گمانی سن کر بے تاب ہو گئے، اور سختی کے ساتھ کہا کہ ”ہم ان کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟“ عروہ نے پوچھا: ”یہ کون ہے؟“ معلوم ہوا ابو بکرؓ، ابو بکرؓ کا نام سن کر کہا: ”خدا کی قسم! اگر میں تمہارے احسان سے گراں بار نہ ہوتا تو تمہاری سخت کلامی کا جواب دیتا۔“

عروہ عربوں کی عادت کے مطابق گفتگو کے درمیان میں بار بار آنحضرت ﷺ کی ریش مبارک کی طرف ہاتھ بڑھاتے تھے، مغیرہ بن شعبہؓ جو ہتھیار لگائے آپ ﷺ کی پشت پر کھڑے تھے، یہ بے باکانہ انداز گفتگو برداشت نہ کر سکے، بار بار تلوار کے قبضہ پر ہاتھ ڈال کر رہ جاتے تھے، آخر میں عروہ کو ڈانٹا کہ ”خبردار! اب داڑھی کی طرف ہاتھ نہ بڑھنے پائے“، عروہ نے پوچھا: ”یہ کون ہے؟“ معلوم ہوا مغیرہؓ، عروہ نے کہا: ”او دغا باز! کیا میں نے ایک موقع پر تیری مدد نہیں کی تھی؟“ (مغیرہ نے جاہلیت میں چند آدمیوں کو قتل کیا تھا، عروہ نے اس کی دیت ادا کی تھی)۔

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صحابہ کرامؓ کی حیرت انگیز عقیدت کا منظر دیکھ کر عروہ کے دل پر خاص اثر ہوا، چنانچہ واپس جا کر انہوں نے قریش سے بیان کیا کہ

”میں بادشاہوں کے درباروں میں گیا ہوں، لیکن محمد ﷺ کے ساتھ ان کے ساتھیوں کو جو عقیدت ہے اور جس قدر وہ لوگ ان کا احترام کرتے ہیں، وہ کسی بادشاہ کو نصیب نہیں ہے، میں نے قیصر و کسریٰ کے دربار بھی دیکھے ہیں، لیکن عقیدت کا یہ منظر کہیں نہیں نظر آیا، محمد ﷺ تھوکتے ہیں تو ان کے ساتھی بلغم اور تھوک کو ہاتھوں اور چہرہ پر مل لیتے ہیں، وہ وضو کرتے ہیں، تو لوگ پانی پر اس طرح ٹوٹ پڑتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے لیے کشت و خون ہو جائے گا، جب وہ کوئی حکم دیتے ہیں، تو ہر شخص اس کی تعمیل کے لیے دوڑتا ہے، جب وہ بولتے ہیں، تو مجلس میں سناٹا چھا جاتا ہے، کوئی شخص ان کی طرف نظر بھر کر نہیں دیکھ سکتا، ایسے شخص نے ایک معقول صورت پیش کی ہے، تم کو اسے قبول کر لینا چاہیے۔“

(۸ھ) میں جب آنحضرت ﷺ غزوہ تبوک سے واپس ہو رہے تھے، تو واپسی میں عروہ بھی پیچھے ہو لیے، اور مدینہ پہنچنے سے قبل آپ ﷺ سے مل کر مشرف باسلام ہو گئے۔

قبول اسلام کے بعد آنحضرت ﷺ سے اپنے قبیلہ میں اشاعت اسلام کی اجازت مانگی، آپ ﷺ کو بنی ثقیف کی کچی فطرت اور ان کی رعونت کا پورا اندازہ تھا، فرمایا: ”یہ لوگ تم سے لڑیں گے“، عرض کیا: ”یا رسول اللہ ﷺ! وہ لوگ مجھے بہت مانتے اور عزیز رکھتے ہیں“، اور باصرار آپ ﷺ سے اجازت لے کر بنی ثقیف پہنچے، عروہ کو بنی ثقیف پر بڑا اعتماد تھا، اس لیے آتے ہی اپنے اسلام کا اعلان کر کے انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی، اس وقت ان کو بنی ثقیف کے متعلق اپنے غلط حسن ظن کا پورا اندازہ ہوا، ان کی دعوت کا جواب بجائے زبان کے تیروں سے ملا، ایک تیر آ کر عروہ کے لگا، جو تیر قضا ثابت ہوا، یہ ابن ہشام کی روایت ہے، مستدرک کی روایت کے مطابق واقعہ کی صورت یہ ہے کہ جب عروہ آنحضرت ﷺ سے اجازت لے کر اپنے قبیلہ پہنچے تو رات کا وقت تھا، لوگ ان کی آمد کی خبر سن کر ملنے آئے، انہوں نے

ان کے سامنے اسلام پیش کیا، انہیں اس کے جواب میں ایسی سخت باتیں سننی پڑیں جو ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھیں، رات ہو چکی تھی، اس لیے بنی ثقیف اس وقت غصہ گرمی دکھا کر لوٹ گئے، صبح کو عروہ نے فجر کی اذان دی، یہ غیر مانوس صداسن کر ان کے کسی اہل قبیلہ نے تاک کر تیر مارا۔

تیر لگنے کے بعد لوگوں نے پوچھا: ”اپنے خون کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟“ کہا: ”یہ خدا کا خاص احسان و کرم ہے جس سے اس نے مجھے نوازا ہے، میرا رتبہ ان لوگوں کے برابر ہے جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شہید ہوئے، اس لیے مجھے انہیں لوگوں کے ساتھ دفن کرنا، زخم جہلک تھا، اس لیے جانبر نہ ہو سکے اور وصیت کے مطابق مسلمانوں کے گنج شہیداں میں سپرد خاک کئے گئے۔“

آنحضرت ﷺ نے ان کی شہادت کی خبر سنی تو فرمایا: ”عروہ کی مثال حضرت عیسیٰ جیسی ہے، جنہوں نے اپنی قوم کو خدا کی طرف بلایا، اور اس نے ان کو شہید کر دیا۔“

اس اسوۂ عیسوی کو پورا کرنے والا صورتہ بھی حضرت عیسیٰ کے مثل تھا، آنحضرت ﷺ فرماتے تھے کہ ”مجھے انبیاء کی مثالی صورتیں دکھائی گئیں عیسیٰ عروہ کے ہم شکل تھے، جبریل وحیہ کلبی کے ہم شبیہ، اور ابراہیم میرے، حضرت عمرؓ کو عروہ کی شہادت کا بڑا قلق ہوا اور آپ نے ان کا مرثیہ کہا۔“



حضرت عکرمہ بن ابی جہل کا قبول اسلام

عکرمہ مشہور دشمن اسلام ابو جہل کے بیٹے تھے، باپ کی طرح یہ بھی اسلام اور مسلمانوں کے سخت دشمن تھے اور اسلام کو ختم کرنے کی ہر کوشش میں پیش پیش رہتے تھے، بدر میں مسلمانوں کے خلاف بڑی سرگرمی کے ساتھ حصہ لیا، اس معرکہ میں ان کا باپ ابو جہل دونوں جوانوں معوڈ اور معاڈ کے ہاتھوں مارا گیا، باپ کو خاک و خون میں تڑپتا دیکھ کر عکرمہ نے اس کے قاتل معاڈ پر ایسا وار کیا کہ معاڈ کا ہاتھ لٹک گیا، بدر کے بعد جن لوگوں نے ابوسفیان کو مقتولین بدر کے انتقام لینے پر آمادہ کیا تھا ان میں ایک عکرمہ بھی تھے، احد میں یہ اور خالد مشرکین کی کمان کرتے تھے۔

(۸ھ) میں جب تمام مشرکین عرب نے اپنے قبیلوں کے ساتھ مدینہ پر چڑھائی کی تو عکرمہ بھی بنی کنانہ کو لے کر مسلمانوں کو ختم کرنے کے لیے گئے، فتح مکہ میں اہل مکہ نے بغیر کسی مقابلہ کے سپر ڈال دی تھی، لیکن بعضوں نے جن میں عصبیت زیادہ تھی مزاحمت کی، ان میں ایک عکرمہ بھی تھے، غرض شروع سے آخر تک انہوں نے ہر موقع پر اپنی اسلام دشمنی کا پورا ثبوت دیا۔

فتح مکہ کے بعد جب دشمنان اسلام کی قوتیں ٹوٹ گئیں، اور مکہ اور اطراف مکہ کے قبائل جوق در جوق اسلام کے دائرہ میں داخل ہونے لگے، تو وہ دشمنان اسلام جن کی سرکشی اب بھی نہ گئی تھی، مکہ چھوڑ کر دوسرے مقاموں پر نکل گئے، عکرمہ بھی ان ہی میں تھے، چنانچہ وہ یمن کے قصد سے بھاگ گئے۔

ان کی بیوی ام حکیم اور ہند بنت عتبہ زوجہ ابوسفیان دس دوسری عورتوں کے ساتھ

نبی کریم ﷺ یا تھا اور ناک کان کاٹ کر گلے کا ہار بنایا تھا، اپنا چہرہ نقاب میں چھپا رکھا تھا، گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا: ”اے اللہ کے رسول ﷺ! اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اپنے پسندیدہ دین کو غالب کر دیا، میں آپ ﷺ کے ساتھ اپنی نسبی اور خاندانی قرابت کا واسطہ دے کر آپ ﷺ سے خیر اور حسن سلوک کی خواستگار ہوں، میں آپ ﷺ کی تصدیق کرنے والی ایک مسلمان عورت ہوں“ پھر اس نے اپنے چہرے سے نقاب کو سرکاتے ہوئے کہا: ”اللہ کے رسول ﷺ! میں عتبہ کی بیٹی ہند ہوں“، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میں تمہیں مرحبا کہتا ہوں اور تمہارا خیر مقدم کرتا ہوں“، اس نے پھر کہا: ”بخدا اے اللہ کے رسول ﷺ! آج سے پہلے روئے زمین پر کوئی ایسا گھرنہ تھا جس کی ذلت و رسوائی مجھے آپ ﷺ کے گھر کی ذلت و رسوائی سے زیادہ پسند ہو، مگر اب یہ حال ہے کہ دنیا کا کوئی گھر میرے نزدیک آپ ﷺ کے گھر سے زیادہ معزز نہیں ہے“، اس کے بعد عکرمہ کی بیوی نے پہلے اپنے اسلام کا اظہار کیا، پھر کہا: ”اے اللہ کے رسول ﷺ! عکرمہ اس خوف سے بھاگ گئے ہیں کہ آپ انہیں قتل کر دیں گے، اللہ کے رسول! آپ (ﷺ) انہیں امان بخش دیں اللہ آپ (ﷺ) کو امان دے گا“ اور آنحضرت ﷺ سے شوہر کی جان کی امان لے کر ان کی تلاش میں نکلیں۔

عکرمہ جب یمن جانے کے لیے کشتی پر بیٹھے تو سلامتی سے پار اترنے کے لیے لات و عزنی کا نعرہ لگایا، دوسرے ساتھیوں نے کہا: ”یہاں لات و عزنی کا کام نہیں ہے، یہاں صرف خدائے واحد کو پکارنا چاہیے“، یہ بات سن کر عکرمہ کے دل پر کچھ ایسا اثر کر گئی کہ انہوں نے کہا کہ ”اگر دریا میں خدائے واحد ہے تو خشکی میں بھی وہی ہے، پھر کیوں نہ مجھے محمد ﷺ کے پاس لوٹ جانا چاہیے“، چنانچہ وہ راستہ ہی سے واپس ہو گئے، واپسی میں بیوی جو ان کی تلاش میں نکلی تھیں مل گئیں، انہوں نے عکرمہ سے کہا: ”میں ایک ایسے انسان کے پاس سے آرہی ہوں، جو سب سے نیک، سب سے زیادہ بہتر اور سب سے زیادہ صلہ رحم کرنے والا ہے، میں نے اس سے تمہاری جان بخشی بھی کرالی ہے۔“

بیوی کی یہ باتیں سن کر عکرمہ ان کے ساتھ مکہ پہنچے، اس وقت آنحضرت ﷺ مکہ ہی میں تھے، آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا: ”عکرمہ بن ابی جہل بہت جلد ایک مومن و مہاجر کی حیثیت سے تمہارے پاس پہنچنے والا ہے اس کے باپ کو برامت کہنا، مردے کو برا کہنے سے زندہ کو اذیت پہنچتی ہے، اور میت کو اس کی خبر بھی نہیں ہوتی“، اس کے تھوڑی دیر بعد عکرمہ اپنی بیوی ام حکیمؓ کے ساتھ رسول اللہ کی مجلس میں پہنچ گئے، آپ ﷺ عکرمہ کو دیکھ کر فرط مسرت سے اچھل پڑے، اور

”مرحبا یا الراکب المہاجر“ (یعنی پر دیسی سوار خوش آمدید)

کہہ کر استقبال فرمایا، عکرمہ بیوی کی طرف اشارہ کر کے بولے ”ان سے معلوم ہوا ہے کہ آپ ﷺ نے مجھے امان دے دی ہے“، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”ہاں، تم مامون ہو، اس رحم و کرم اور عفو و درگزر کو دیکھ کر اس دشمن اسلام نے جس نے اپنی ساری قوتیں اسلام کے مٹانے پر صرف کر دی تھیں، فرط ندامت سے سر جھکا لیا، اور نظریں پینچی کر کے ان الفاظ میں اسلام کی حقانیت کا اعتراف کیا:

”میں شہادت دیتا ہوں کہ خدا ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، آپ ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں، آپ ﷺ سب سے زیادہ نیک، سب سے زیادہ سچے، اور سب سے زیادہ عہد کو پورا کرنے والے ہیں۔“

اسلام قبول کرنے کے بعد گذشتہ گناہوں کی پوری فہرست نگاہوں کے سامنے آگئی، اور ان الفاظ میں معافی کی درخواست کی:

”یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ ﷺ کے ساتھ بہت سے مواقع پر عداوت اور دشمنی کا ثبوت دے چکا ہوں، مخالفانہ مہموں میں شرکت کی ہے، مسلمانوں کے ساتھ لڑنے کے میدان میں گھوڑے دوڑائے

ہیں، آپ ﷺ ان گناہوں کی مغفرت کے لیے دعا فرمائیے۔“

ان کی درخواست پر رحمت عالم ﷺ نے دعائے مغفرت فرمائی:

”خدایا! ہر اس عداوت سے عکرمہ کی مغفرت فرما جو اس نے میرے ساتھ کی اور معاف فرما دے اس کی ہر اس سرگرمی کو جس کے ذریعہ اس نے تیرے نور کو بچھانے کی کوشش کی، اور درگزر فرما اس کی ہر اس حرکت کو جو اس نے میری آبرو سے کھیلنے ہوئے میرے سامنے یا میری عدم موجودگی میں کی ہو۔“

اس دعا کو سن کر عکرمہ کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا، اس کے بعد عکرمہ نے عرض کیا:

”یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ کے علم میں جو چیز میرے لیے سب سے زیادہ بہتر، باعث خیر اور سود مند ہو اس کی تلقین فرمائیے،“

آنحضرت ﷺ نے خدا کی وحدانیت اپنی عبدیت و رسالت کی تعلیم دی، ان تمام مراحل کے بعد عکرمہ کو تلافی مافات کی فکر ہوئی، عرض کیا: ”یا رسول اللہ ﷺ! جس قدر روپیہ میں خدا کی راہ میں رکاوٹیں ڈالنے کے لیے صرف کرتا تھا، خدا کی قسم! اب اس کا دونا اس کی راہ میں صرف کروں گا، اور اس کی راہ سے روکنے کے لیے جس قدر لڑائیاں لڑی ہیں، اب اس کی راہ میں اس کا دونا جہاد کروں گا۔“

اس عہد کو انھوں نے فتنہ ارتداد اور شام کی معرکہ آرائیوں میں پورا کیا، اور ان کے مضارف کے لیے ایک حب بھی بیت المال سے نہیں لیا، جب شام کی فوج کشی کے وقت حضرت صدیق اکبرؓ نے اخراجات جنگ کے لیے کچھ رقم دینی چاہی تو عکرمہؓ نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور کہا: ”مجھ کو اس کی حاجت نہیں ہے، میرے پاس دو ہزار دینار موجود ہیں،“ یہ سن کر حضرت ابو بکرؓ نے ان کے لیے دعائے خیر کی۔

جنگ یرموک میں حضرت عکرمہؓ میدان جنگ کی طرف اس طرح لپکے تھے جیسے کوئی پیاسا شدید گرمی میں ٹھنڈے پیٹھے پانی کی طرف لپکتا ہے، ایک موقع پر جب مسلمانوں پر

دشمن کا دباؤ بہت زیادہ بڑھ گیا تھا، وہ اپنے گھوڑے سے کود پڑے، تلوار کی نیام توڑ کر پھینک دی اورنگی تلوار لے کر رومیوں کی صفوں میں گھس گئے، یہ دیکھ کر حضرت خالد بن ولیدؓ نے فوراً ان کے پاس پہنچ کر کہا: ”عکرمہ! ایسا نہ کیجئے، اپنی جان کو خطرہ میں نہ ڈالیں، آپ کا قتل ہو جانا مسلمانوں کے لیے ناقابل برداشت اور ناقابل تلافی سانحہ ہوگا۔“

لیکن حضرت عکرمہؓ نے ان سے کہا: ”خالد! ہٹ جاؤ، میرا راستہ نہ روکو، صحبت رسول ﷺ سے استفادہ اور خدمت اسلام میں تم کو میرے اوپر سبقت حاصل ہے، میں اور میرا باپ رسول اللہ ﷺ کے کٹر مخالف تھے، اور میں آخر میں آخروں تک اس مخالفت پر قائم رہا اس لیے صحبت رسول ﷺ کا شرف میرے حصہ میں بڑی تاخیر سے آیا، مجھے چھوڑ دو، آج میں گزشتہ کوتاہیوں اور محرومیوں کی تلافی کر لینا چاہتا ہوں،“ پھر قدرے توقف کے بعد فرمایا: ”میں بہت سے مواقع پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جم کر لڑا، کیا آج ان رومیوں کے مقابلے میں راہ فرار اختیار کر لوں؟ ایسا کبھی نہیں ہو سکے گا،“ پھر انہوں نے مسلمانوں کو پکارا: ”موت پر کون بیعت کرتا ہے۔“

ان کی پکار پر تقریباً چار سو مسلمانوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی، ان بیعت کرنے والوں میں ان کے چچا حضرت حارث بن ہشامؓ اور حضرت ضرار بن ازور بھی شامل تھے، ان لوگوں نے سخت خونریز جنگ کی اور دشمنوں کے بڑھتے ہوئے حملوں کا بہترین انداز میں دفاع کیا، جب فضائے یرموک پر سے جنگ کے بادل چھٹے اور مسلمانوں کی عظیم الشان فتح کا آفتاب طلوع ہوا تو یرموک کی زمین پر تین مجاہد زخموں سے چور پڑے تھے، اور وہ تھے حضرت حارث بن ہشامؓ، حضرت عیاش بن ربیعہؓ اور حضرت عکرمہؓ۔

پاس کی شدت سے بے تاب حضرت حارثؓ نے پانی مانگا، جب پانی ان کو پیش کیا جا رہا تھا، حضرت عکرمہؓ نے ان کی طرف دیکھا، حضرت حارثؓ نے پہلے ان کو پانی پلانے کا اشارہ کیا، اور جب پانی ان کے پاس لے جایا گیا تو حضرت

عیاشؓ نے ان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا، حضرت عکرمہؓ نے اشارہ کیا کہ پہلے ان کی پیاس بجھائی جائے اور جب پانی پلانے والے ان کے قریب گئے تو دیکھا کہ وہ اس سے بے نیاز ہو چکے ہیں، جب وہ پلٹ کر پہلے دونوں صحابیوں کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ وہ لوگ بھی آب کوثر سے اپنی پیاس بجھا چکے ہیں۔



حضرت ہبار بن الاسود کا قبول اسلام

ہبار بن الاسود وہ شخص تھا جس کے ہاتھ سے آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کو سخت تکلیف پہنچی تھی، حضرت زینبؓ حاملہ تھیں اور مکہ سے مدینہ ہجرت کر رہی تھیں، کفار نے مزاحمت کی، ہبار بن الاسود نے جان بوجھ کر ان کو اونٹ سے گرا دیا جس سے ان کو سخت چوٹ آئی اور حمل ساقط ہو گیا، اس کے علاوہ اور بھی بعض جرائم کا وہ مرتکب تھا اور اسی بنا پر فتح مکہ کے وقت ہبار اشتہار ان قتل میں داخل تھا، چاہا کہ بھاگ کر ایران چلا جائے کہ داعی ہدایت نے خود آستانہ نبوت کی طرف جھکا دیا، آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی ”یا رسول اللہ ﷺ! میں بھاگ کر ایران جانا چاہتا تھا لیکن پھر مجھے حضور ﷺ کے احسانات اور حلم و عفو یاد آئے، میری نسبت آپ ﷺ کو جو خیر پہنچی صحیح تھیں، مجھے اپنی جہالت اور تصور کا اعتراف ہے، اب اسلام سے مشرف ہونے آیا ہوں،“ دفعۃً باب رحمت کھلا اور دوست و دشمن کی تمیز ختم ہو گئی اور آپ ﷺ نے ان کو معاف کر دیا۔



حضرت حارث بن ہشام کا قبول اسلام

فتح مکہ کے دن حارث بن ہشام اور عبد اللہ بن ابی ربیعہ حضرت ام ہانی بنت ابی طالب کے پاس آئے، ان دونوں نے ان سے پناہ مانگی اور یوں کہا: ”ہم تمہاری پناہ میں آنا چاہتے ہیں“، حضرت ام ہانی نے ان دونوں کو پناہ دے دی، پھر حضرت علیؑ وہاں آئے ان کی نظر ان دونوں پر پڑی وہ اپنی تلوار نکال کر ان پر حملہ کرنے کے لیے جھپٹ پڑے تو حضرت ام ہانی ان دونوں کو بچانے کے لیے حضرت علیؑ سے لپٹ گئیں اور کہنے لگیں ”تمام لوگوں میں سے تم ہی میرے ساتھ ایسا کرنے لگے ہو، اگر تم کو مارنا ہی ہے تو پہلے مجھے مارو“، حضرت علیؑ رک گئے اور ان کو یہ کہہ کر چلے گئے کہ ”تم مشرکوں کو پناہ دیتی ہو“، حضرت ام ہانی فرماتی ہیں: ”میں نے حضور ﷺ کی خدمت میں جا کر عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میرے ماں جائے بھائی حضرت علیؑ نے میرے ساتھ ایسا معاملہ کیا کہ میرا بچنا مشکل ہو گیا ہے، میں نے اپنے دو مشرک دیوروں کو پناہ دی تھی وہ تو قتل کرنے کے لیے ان پر جھپٹ پڑے، حضور ﷺ نے فرمایا: انہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا جس کو تم نے پناہ دی اسے ہم نے بھی پناہ دے دی، جس کو تم نے امن دیا اسے ہم نے بھی امن دیا“، حضرت ام ہانی نے واپس آ کر ان دونوں کو ساری بات بتائی وہ دونوں اپنے گھروں کو چلے گئے، لوگوں آ کر حضور ﷺ سے کہا کہ ”حارث بن ہشام اور عبد اللہ بن ابی ربیعہ تو زعفران والی چادریں پہنے ہوئے اپنی مجلس میں اطمینان سے بیٹھے ہوئے ہیں“، حضور ﷺ نے فرمایا: ”اب تم لوگ ان کا کچھ نہیں کر سکتے ہو ہم ان کو امن دے چکے ہیں“، حضرت حارث بن ہشام فرماتے

ہیں کہ ”میں بہت دیر سوچتا رہا کہ حضور ﷺ نے مجھے مشرکین کی ہر لڑائی میں دیکھا ہے اب میں ان کی خدمت میں جاؤں گا تو ان کی نگاہ مجھ پر پڑے گی تو اس سے مجھے بہت شرم آئے گی لیکن پھر مجھے خیال آیا کہ آپ ﷺ بہت نیک اور بہت رحم دل ہیں، اس لیے میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضری کے لیے چل پڑا، جب میں آپ ﷺ کے پاس پہنچا تو آپ ﷺ مسجد حرام میں داخل ہو رہے تھے مجھے دیکھ کر آپ ﷺ بہت خندہ پیشانی سے پیش آئے اور رک گئے، میں نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام کیا اور کلمہ شہادت پڑھ لیا، آپ ﷺ نے فرمایا: تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے تم کو ہدایت دی، تمہارے جیسے آدمی کو اسلام سے ناواقف نہیں رہنا چاہیے“، حضرت حارثؓ نے کہا: ”میں بھی یہی سمجھتا ہوں کہ اسلام جیسے دین سے ناواقف نہیں رہنا چاہیے“۔



حضرت نصیر بن حارث عبدری کا قبول اسلام

حضرت نصیر بن حارث لوگوں میں بڑے عالم تھے، اور کہا کرتے تھے ”تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں اسلام کی دولت سے نوازا اور محمد ﷺ کو بھیج کر ہم پر احسان فرمایا اور ہم اس دین پر نہیں مرے جس پر ہمارے آباء و اجداد مرے، میں حضور ﷺ کے خلاف قریش کے ساتھ ہر راستہ میں کوشش کرتا رہا، یہاں تک کہ مکہ فتح ہو گیا اور آپ ﷺ تشریف لے گئے ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ گئے، ہمارا ارادہ یہ تھا کہ اگر حضور ﷺ کو شکست ہوئی تو ہم آپ ﷺ کے خلاف آپ ﷺ کے دشمنوں کی مدد کریں گے، لیکن یہ ہمارے لیے ممکن نہ ہو سکا، جب آپ ﷺ ہجرانہ پہنچے تو میں اپنے اسی ارادہ پر تھا کہ اچانک حضور ﷺ سے میری ملاقات ہوئی، آپ ﷺ بڑے خوش تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: نصیر! میں نے کہا: جی حاضر ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے غزوہ حنین کے دن جو کچھ کرنے کا سوچا تھا یہ اس سے بہتر ہے، میں لپک کے ذرا آپ ﷺ کے اور قریب ہوا، آپ ﷺ نے فرمایا: اب تمہارے لیے اس بات کا وقت آ گیا ہے کہ تم اپنے دین کے بارے میں غور کرو، میں نے کہا: میں اس بارے میں پہلے سے سوچ رہا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! اس کو ثابت قدمی میں ترقی نصیب فرما، (حضور ﷺ کی اس دعا کا یہ اثر ہوا) کہ اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق دے کر بھیجا ہے دین پر چنگلی میں اور مدد کرنے میں میرا دل پتھر کی طرح مضبوط ہو گیا، پھر میں اپنے گھر واپس آیا تو وہاں اچانک میرے پاس بنو ذیل کا ایک آدمی آ کر کہنے لگا: اے ابوالحارث! حضور ﷺ نے

تمہیں سواونٹ دینے کا حکم دیا ہے، مجھے ان میں سے کچھ اونٹ دے دو کیونکہ مجھ پر بہت زیادہ قرضہ ہے، پہلے تو میرا ارادہ ہوا کہ یہ اونٹ نہ لوں اور میں نے کہا کہ حضور ﷺ صرف میری تالیف قلب کے لیے دے رہے ہیں، میں اسلام کے لیے رشوت لینا نہیں چاہتا ہوں، پھر میں نے سوچا کہ نہ تو ان اونٹوں کی میرے دل میں طلب تھی اور نہ میں نے حضور ﷺ سے مانگے (حضور ﷺ خود ہی دے رہے ہیں) اس لیے میں نے وہ اونٹ لے لیے اور ان میں سے دو بچی کو دس اونٹ دے دیئے۔



حضرت سعید بن عامرؓ کی کا قبول اسلام

نوجوان سعید بن عامر ہزاروں میں سے ایک تھا جو سرداران قریش کی دعوت پر مکہ سے باہر مقام شعیم پر صحابی رسول حضرت خبیب بن عدیؓ کے قتل کا تماشا دیکھنے کے لیے اکٹھا ہوئے تھے، جن کو کفار نے غداری سے گرفتار کر لیا تھا۔

وہ اپنی بھرپور جوانی اور پر جوش شباب کے بل پر مجمع کو ڈھکیلتا اور اس میں سے اپنے لیے راستہ بناتا ہوا ابوسفیان بن حرب اور صفوان بن امیہ جیسے رؤسائے قریش کے پہلو بہ پہلو جا کھڑا ہوا جو اس مجمع میں نمایاں مقام پر کھڑے تھے، اس طرح اسے اس بات کا موقع ملا کہ وہ قریش کے قیدی کو دیکھ سکے جو وہاں پابہ زنجیر لایا گیا تھا جس کو قریش کی عورتیں، بچے اور جوان ڈھکیلتے ہوئے موت کے میدان کی طرف لا رہے تھے، تاکہ اسے قتل کر کے محمد ﷺ سے انتقام لے سکیں اور جنگ بدر میں مارے جانے والے اپنے اعزہ و اقارب کا بدلہ چکا سکیں۔

جب یہ زبردست ہجوم اپنے قیدی کو لیے ہوئے اس جگہ پر پہنچ گیا جو اس کے قتل کے لیے بنائی گئی تھی تو نوجوان سعید بن عامر ایک جگہ رک کر ہجوم کے درمیان سے حضرت خبیب کو دیکھنے لگا، اس نے دیکھا کہ خبیب تختہ دار کی طرف لے جایا جا رہا ہے، اس نے عورتوں اور بچوں کی چیخ پکار اور شور و غل کے درمیان سے ابھرتی ہوئی خبیب کی باوقار پرسکون آواز سنی جو اس کے پردہ سماعت سے نکل رہی تھی۔

”اگر تم لوگ چاہو تو قتل سے پہلے مجھے دو رکعت نماز پڑھنے کا موقع دے دو“
پھر سعید نے دیکھا کہ خبیب بن عدیؓ نے قبلہ رو ہو کر دو رکعتیں پڑھیں۔

آہ! کیسی حسین اور کتنی مکمل تھیں وہ دور کعتیں، پھر اس نے دیکھا کہ خبیب نے زعمائے قریش کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

”واللہ اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تم میرے متعلق اس بدگمانی میں مبتلا ہو جاؤ گے کہ میں موت سے ڈر کر نماز کو طول دے رہا ہوں تو میں اور لمبی اور اطمینان کے ساتھ نماز پڑھتا۔“

پھر سعید نے بہ چشم سراپنی قوم کے لوگوں کو دیکھا کہ وہ زندہ ہی خبیبؓ کا مثلہ کر رہے ہیں، ان کے اعضاء جسم کو یکے بعد دیگرے کاٹ رہے اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہتے جاتے ہیں ”کیا تم یہ بات پسند کرو گے کہ اس وقت محمد ﷺ تمہاری جگہ یہاں ہوتے اور تم اس تکلیف سے نجات پا جاتے۔“

تو خبیبؓ نے جواب دیا اور اس وقت ان کے جسم سے بے تحاشا خون بہہ رہا تھا ”واللہ! مجھے تو اتنا بھی گوارا نہیں کہ میں امن و اطمینان کے ساتھ اپنے اہل و عیال میں رہوں اور ان کے پاؤں کے تلوے میں ایک کاٹا بھی چبھ جائے۔“

اور یہ سنتے ہی لوگوں نے اپنے ہاتھوں کو فضا میں بلند کرتے ہوئے چیخنا شروع کر دیا ”مارڈ الواسے، قتل کر دواسے۔“

پھر سعید بن عامر کی آنکھوں نے یہ منظر بھی دیکھا کہ خبیبؓ نے تختہ دار ہی سے اپنی نظریں آسمان کی طرف اٹھاتے ہوئے کہا:

”اللہم احصہم عدداً و اقتلہم بدداً و لاتغادر منهم أحداً“ (خدا یا! انہیں ایک ایک کر کے گن لے، انہیں منتشر کر کے ہلاک کر اور ان میں کسی کو نہ چھوڑ)

پھر انہوں نے آخری سانس لی اور روح پاک اپنے رب کے حضور پہنچ گئی، اس وقت ان کے جسم پر تلواروں اور نیزوں کے ان گنت زخم تھے۔

اس کے بعد قریش مکہ لوٹ آئے اور بڑے بڑے واقعات و حادثات کے ہجوم

میں خبیثؓ اور ان کے قتل کا واقعہ ان کے ذہنوں سے اوجھل ہو گیا، لیکن نوجوان سعید بن عامر خبیثؓ کی مظلومیت اور ان کے دردناک قتل کے اس دلخراش منظر کو اپنے ذہن سے ایک لمحہ کے لیے محو نہ کر سکا وہ سوتا تو خواب میں ان کو دیکھتا اور عالم بیداری میں اپنے خیالات میں ان کو موجود پاتا، پھر خبیثؓ نے سعید کو وہ باتیں بتادیں جو پہلے سے اس کے علم میں نہ تھیں، خبیثؓ نے اسے بتایا کہ حقیقی زندگی یہی ہے کہ آدمی ہمیشہ سچے عقیدے کے ساتھ چمٹا رہے اور زندگی کی آخری سانس تک خدا کی راہ میں جدوجہد کرتا رہے، خبیثؓ نے سعید کو یہ بھی بتا دیا کہ ایمان راسخ کیسے کیسے حیرت انگیز کارنامے انجام دیتا ہے اور اس سے کتنے محیر العقول افعال ظہور پذیر ہوتے ہیں، خبیثؓ نے سعید کو ایک اور بڑی اہم حقیقت سے آگاہ کیا کہ وہ شخص جس کے ساتھی اس سے اس طرح ٹوٹ کر محبت کرتے ہیں واقعی برحق رسول اور سچا نبی ہے اور اسے آسمانی مدد حاصل ہے۔ اور اس وقت اللہ تعالیٰ نے سعید بن عامر کے سینے کو اسلام کے لیے کھول دیا، وہ قریش کی ایک مجلس میں پہنچا اور وہاں کھڑے ہو کر اس نے قریش اور ان کے کالے کرتوتوں سے اپنی بے تعلقی و نفرت اور ان کے معبودان باطلہ سے اپنی بے زاری و برات اور اپنے دخول اسلام کا برملا اور کھلم کھلا اعلان کر دیا، اس کے بعد وہ ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے۔



حضرت جبار بن سلمیٰ کا قبول اسلام

ایک شخص جس کا نام ابو براء عامر تھا وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ ”ملک نجد کی تعلیم و ہدایت کے لیے کچھ منادی میرے ساتھ بھیج دیجئے“، اس کا نتیجہ نجد کا رئیس تھا، عامر نے یقین دلایا کہ منادی کرنے والوں کی حفاظت کی جائے گی، نبی ﷺ نے حضرت منذر بن عمرو انصاریؓ کو مع ستر صحابہؓ کے جو قراء و فضلاء بزرگوار تھے اس کے ساتھ کر دیا، جب وہ بئر معونہ جا پہنچے جو بنی عامر کا علاقہ تھا تو وہاں سے حضرت حرام بن ملحانؓ کو نامہ نبوی دے کر طفیل حاکم کے پاس بھیجا گیا، اس نے ان کو قتل کر دیا، جبار بن سلمیٰ ایک شخص تھا جس نے حاکم کے اشارے سے ان کی پشت میں نیزہ مارا تھا جو چھاتی سے صاف نکل گیا انہوں نے گرتے ہوئے کہا:

”فزت ورب الکعبة“ (قسم سے کہہ کے خدا کی میں اپنی مراد کو پہنچ

گیا اور کامیاب ہو گیا)

یہ جملہ سن کر جبار بن سلمیٰ حیران ہو گیا کہ کیا میں خواب دیکھ رہا ہوں یا یہ جھوٹ بول رہا ہے لیکن انسان موت کے وقت جھوٹ نہیں بولتا، مجھے یقین ہے کہ اس کی بیوی بیوہ ہو گئی، اس کے بچے یتیم ہو گئے، یہ دنیا کی تمام لذتوں سے محروم ہو گیا، نہ یہ کھا سکتا ہے، نہ پی سکتا ہے، نہ گفتگو کر سکتا ہے، پھر یہ کون سی کامیابی ہے؟ انہوں نے مسلمانوں سے اس جملہ کا مطلب پوچھا تو معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ شہادت ہی کو اپنی کامیابی سمجھتے تھے، کیونکہ جنت میں ان کے لیے جو نعمتیں تیار کی گئی ہیں وہ انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے ہیں، انہوں نے برجستہ کہا کہ ”واللہ! وہ حقیقت میں کامیاب ہو گئے“، اور اس طرح سے جبار بن سلمیٰ نے جان لیا کہ اس دنیا کے بعد دوسری دنیا ہے، ان تمام فانی لذتوں کے پیچھے ہمیشہ باقی رہنے والی لذات ہیں، چنانچہ اسی اثر سے وہ نبی ﷺ کی خدمت میں آ کر مسلمان ہو گئے۔

حضرت ذوالجوشنِ ضبابی کا قبول اسلام

غالباً یہ فتح مکہ کے موقع پر مشرف باسلام ہوئے جیسا کہ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے، حضرت ذوالجوشن فرماتے ہیں، جب حضور ﷺ غزوہ بدر سے فارغ ہوئے تو میں اپنی قرعہ نامی گھوڑی کا پچھیرالے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے کہا: ”اے محمد ﷺ! میں آپ ﷺ کے پاس قرعہ گھوڑی کا پچھیرالے کر آیا ہوں تاکہ آپ ﷺ اسے اپنے استعمال کے لیے لے لیں،“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے، ہاں اگر تم چاہو تو میں تمہیں اس کے بدلہ میں بدر کی زرہوں میں سے ایک تمہاری پسند کی ایک زرہ دے دوں،“ میں نے کہا کہ ”میں اس کو آج ایک اعلیٰ درجہ کے گھوڑے کے بدلہ میں دینے کے لیے تیار نہیں ہوں،“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”پھر مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے،“ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے ذی الجوشن! تم مسلمان کیوں نہیں ہو جاتے تاکہ شروع میں اسلام لانے والوں میں سے ہو جاؤ؟“ میں نے کہا: ”نہیں“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”کیوں؟“ میں نے کہا: ”اس لیے کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ ﷺ کی قوم نے آپ ﷺ کو جھٹلایا ہے،“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”بدر میں ان کی شکست کے بارے میں تمہیں کیسی خبر پہنچی ہے؟“ میں نے کہا: ”مجھے ساری خبر پہنچ چکی ہے،“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہمیں تو تمہیں اللہ کی سیدھی راہ بتانی ہے،“ میں نے کہا: ”مجھے منظور ہے بشرطیکہ آپ ﷺ کعبہ کو فتح کر کے وہاں رہنے لگ جائیں،“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اگر تم زندہ رہے تو اسے بھی دیکھ لو گے،“ پھر آپ ﷺ نے ایک آدمی کو فرمایا: ”اوفلانے! اس آدمی کا تھیلا لے لو اور

اس میں راستہ کے لیے بجوہ کھجوریں ڈال دو، جب میں واپس ہونے لگا تو آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: ”یہ شخص بنی عامر کے بہترین شہسواروں میں سے ہے“، حضرت ذوالجوشن فرماتے ہیں کہ ”اللہ کی قسم! میں مقام غمور میں اپنے گھر والوں میں تھا کہ اتنے میں ایک سوار آیا، میں نے اس سے پوچھا: لوگوں کا کیا بنا؟ اس نے بتایا: اللہ کی قسم! محمد ﷺ کعبہ پر غالب آچکے ہیں اور اس میں ٹھہرے ہوئے ہیں، تو میں نے یہ سن کر کہا: کاش میں پیدا ہوتے ہی مر جاتا اور میری ماں کی گود مجھ سے خالی ہو جاتی، کاش کہ جس روز آپ ﷺ نے فرمایا تھا میں اسی روز مسلمان ہو جاتا اور پھر میں آپ ﷺ سے حیرہ مقام بھی مانگتا تو آپ ﷺ مجھے بطور جاگیر ضرور دیدیتے“ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ان سے فرمایا: ”تمہیں اسلام لانے سے کون سی چیز روک رہی ہے؟“ میں نے کہا: ”میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ ﷺ کی قوم نے آپ ﷺ کو جھٹلایا ہے اور آپ ﷺ کو آپ ﷺ کے شہر سے نکال دیا ہے اور اب آپ ﷺ سے جنگ کر رہے ہیں، میں دیکھ رہا ہوں اب آپ ﷺ کیا کریں گے؟ اگر آپ ان پر غالب آگئے تو میں آپ ﷺ پر ایمان لے آؤں گا اور آپ کا اتباع کروں گا اور اگر وہ غالب آگئے تو آپ کا اتباع نہیں کروں گا۔“



حضرت بشیر بن خصاصیہ کا قبول اسلام

حضرت بشیر بن خصاصیہ فرماتے ہیں کہ ”میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ نے مجھے اسلام کی دعوت دی، پھر آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: تمہارا نام کیا ہے؟ میں نے کہا: نذیر، آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں بلکہ تمہارا نام بشیر ہے۔ ایک رات آپ ﷺ گھر سے نکلے میں بھی آپ ﷺ کے پیچھے ہولیا، آپ ﷺ جنت البقیع تشریف لے گئے اور وہاں پہنچ کر یہ دعا پڑھی:

”السلام علیکم دار قوم مومنین وانا بکم لاحقون وانا لله وانا

الیہ راجعون“

اور پھر فرمایا: تم نے بہت بڑی خیر حاصل کر لی اور بڑے شر اور فتنہ سے بچ کر تم آگے نکل گئے۔

پھر میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: یہ کون ہے؟ میں نے کہا: بشیر! آپ ﷺ نے فرمایا: تم عمدہ گھوڑوں کو کثرت سے پالنے والے قبیلہ ربیعہ میں سے ہو جو یہ کہتے ہیں کہ اگر وہ نہ ہوتے تو زمین اپنے رہنے والوں کو لے کر الٹ جاتی، کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ اس قبیلہ میں سے اللہ پاک نے تمہارے دل اور کان اور آنکھ کو اسلام کی طرف پھیر دیا؟ میں نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! بالکل راضی ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: تم یہاں کیوں آئے؟ میں نے کہا: مجھے اس بات کا ڈر ہوا کہ آپ ﷺ کو کوئی تکلیف نہ پہنچ جائے یا زمین کا کوئی زہریلا جانور نہ کاٹ لے۔“

حضرت ابو قحافہ کا قبول اسلام

یہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے والد تھے، حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ فرماتی ہیں: فتح مکہ کے دن حضور ﷺ نے حضرت ابو قحافہ سے فرمایا: ”آپ مسلمان ہو جائیں سلامتی پالیں گے“، حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں: جب حضور ﷺ مکہ میں داخل ہوئے اور اطمینان کے ساتھ مسجد میں بیٹھ گئے تو حضرت ابو بکرؓ اپنے والد ابو قحافہ کو لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، جب آپ ﷺ نے ان کو آتے دیکھا تو فرمایا: ”اے ابو بکر! بڑے میاں کو کیوں وہیں رہنے نہیں دیا میں ان کے پاس چل کر جاتا“، انہوں نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ ﷺ! ان پر زیادہ حق بنتا ہے کہ یہ آپ ﷺ کے پاس چل کر آئیں بہ نسبت اس کے کہ آپ ﷺ ان کے پاس چل کر تشریف لے جاتے“، چنانچہ حضور ﷺ نے ان کو اپنے سامنے بٹھایا اور ان کے دل پر اپنا ہاتھ رکھ کر فرمایا: ”آپ مسلمان ہو جائیں سلامتی پالیں گے“، چنانچہ حضرت ابو قحافہ مسلمان ہو گئے اور کلمہ شہادت پڑھ لیا، جب حضرت ابو قحافہ حضور ﷺ کی خدمت میں لائے گئے تو ان کے سر اور داڑھی کے بال بالکل سفید تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس سفیدی کو بدل دو لیکن کالا خضاب نہ کرنا“۔



حضرت عمرو بن مرہؓ کا قبول اسلام

عمرو صحابہ کے اس زمرہ میں ہیں جنہوں نے اس وقت اسلام کی دعوت کو لپیک کہا جب عرب کے درود یوار سے اس کی مخالفت کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں، اسلام کی دعوت سن کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ ”میں اس تمام حلال و حرام پر ایمان لاتا ہوں، جو آپ ﷺ خدا کے پاس سے لائے ہیں، اگرچہ تمام قوم کی جانب سے اس کی مخالفت کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں۔“

اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت معاذ بن جبلؓ سے قرآن کی تعلیم حاصل کی، حصول تعلیم کے بعد اشاعت اسلام کے لیے اپنے قبیلہ واپس گئے، چند دنوں میں ان کی مخلصانہ کوششوں سے ان کا پورا قبیلہ مشرف باسلام ہو گیا۔



حضرت فروہ بن مسیک کا قبول اسلام

فروہ یمن کے باشندے اور اپنے قبیلہ کے معزز اور مقتدر لوگوں میں تھے، زمانہ جاہلیت میں ان کے قبیلہ مراد اور ہمدان کے درمیان نہایت خوں ریز جنگ ہوئی تھی، جو ”یوم دارم“ کے نام سے مشہور ہے، اس جنگ میں قبیلہ مراد کو بڑا نقصان اٹھانا پڑا، فروہ اس سے سخت متاثر ہوئے اور اس تاثر میں یہ اشعار کہے:

فلو خلد الملوک اذا خلدنا

ولو بقی الکرام اذا بقینا

(اگر بادشاہ ہمیشہ رہنے والے ہوتے تو ہم بھی ہمیشہ رہتے اور اگر اچھے

لوگ ہمیشہ باقی رہنے والے ہوتے تو ہم بھی باقی رہتے)

(۱۰ھ) میں سلاطین کندہ کا دربار چھوڑ کر شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانہ پر

حاضر ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ”فروہ میں نے سنا ہے کہ تم کو اپنی قوم کی

شکست کا بڑا صدمہ ہے“، عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ کون شخص ہے جس کی قوم

مصیبت میں مبتلا ہوئی ہو اور اس کو اس سے تکلیف نہ پہنچی ہو“، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اس سے تمہارا کوئی نقصان نہیں ہوا بلکہ اس شکست نے اسلام میں تمہاری قوم کو فائدہ

ہی پہنچایا“، قبول اسلام کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مراد، زبید، اور مدح کا

عالم بنایا، اور سعید بن العاص کو ان کا شریک کا مقرر فرمایا۔

چلتے وقت فروہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی کہ ”یا رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم! میری قوم میں جو شخص قبول اسلام سے انکار کرے، اس کا میں ان لوگوں کی مدد

سے جنہوں نے اسلام قبول کیا ہے، مقابلہ کر سکتا ہوں؟“ آپ ﷺ نے اجازت مرحمت فرمائی، یہ اجازت لے کر وطن لوٹ گئے، ان کی واپسی کے بعد رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: ”فروہ کہاں ہیں؟“ معلوم ہوا جاچکے، آپ ﷺ نے فوراً آدمی دوڑا کر انہیں واپس بلوایا، اور ہدایت فرمائی کہ ”حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں جب ارتداد کا فتنہ اٹھا تو ان کے قبیلہ کا ایک مقتدر رئیس عمرو بن معدیکرب بھی اس کا شکار ہو گیا“، فروہ نے اس کی ہجو (برائی) میں اشعار کہے۔



حضرت فضالہ لیشی کا قبول اسلام

عام مشرکین کی طرح فضالہ بھی آنحضرت ﷺ کے جانی دشمن تھے فتح مکہ کے دن جب آنحضرت ﷺ خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے، فضالہ موقیع پا کر قتل کرنے کے ارادہ سے آپ ﷺ کی طرف بڑھے، قریب پہنچے تو آنحضرت ﷺ نے پوچھا: ”فضالہ ہیں؟“ کہا: ”ہاں یا رسول اللہ ﷺ“ فرمایا: ”ابھی تمہارا دل تم سے کہاں باتیں کر رہا تھا؟“ کہا: ”کچھ نہیں، اللہ کو یاد کر رہا تھا“، یہ مصنوعی جواب سن کر آنحضرت ﷺ ہنس دیئے اور استغفر اللہ کہہ کر ان کے سینہ پر ہاتھ رکھا، اس سے فضالہ کو بڑا سکون قلب محسوس ہوا، ان کا بیان ہے کہ ”ابھی آپ ﷺ نے ہاتھ نہ ہٹایا تھا کہ میرا دل آپ ﷺ کی محبت سے معمور ہو گیا، اور تمام مخلوق میں کوئی آپ ﷺ سے زیادہ محبوب باقی نہ رہا۔“

اس سعادت کے بعد گھر لوٹے، راستہ میں ایک عورت جس سے یہ باتیں کیا کرتے تھے ملی، اس نے معمول کے مطابق انہیں بلایا، مگر انہوں نے انکار کر دیا اور یہ اشعار پڑھتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔

قالت ہلم الی الحدیث فقلت لا

یأبى علیک اللہ والاسلام

(اس نے کہا آؤ بات چیت کریں، میں نے کہا نہیں خدا اور اسلام نے

تیری مخالفت کی ہے)

لومارایت محمدأوقبیلہ

بالفتح یوم تکسر الأصنام

(کاش تو محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو فتح کے دن دیکھتی جب وہ بیت
توڑ رہے تھے)

لرأيت دين الله أضحى بيننا

والشرك يغشى وجهه الأظلام

(تو تجھے نظر آتا کہ خدا کا دین ہمارے درمیان روشن ہو گیا، اور شرک کے

چہرے کو تاریکی نے چھپا لیا)

اسلام قبول کرنے کے بعد آنحضرت ﷺ نے اسلامی فرائض کی تعلیم دی اور

ہدایت فرمائی کہ نماز پنج گانہ پابندی کے ساتھ پڑھا کرو۔



حضرت فیروز یلمیٰ کا قبول اسلام

ان کے اسلام کا زمانہ متعین طور سے نہیں بتایا جاسکتا، ایک وفد میں آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے۔

قبول اسلام کے وقت دو حقیقی بہنیں ان کے عقد میں تھیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”ان میں سے ایک کو رکھو اور دوسری کو الگ کر دو“، صنعاء میں انگور کی بڑی پیداوار تھی اور اس کی شراب بنتی تھی، ان کے اسلام لانے کے وقت شراب حرام ہو چکی تھی، اس لیے آنحضرت ﷺ سے پوچھا: ”یا رسول اللہ ﷺ! ہمارے ملک میں انگور کی کثرت ہے لیکن شراب حرام ہو چکی ہے اب اس کو کس مصرف میں لایا جائے“، فرمایا: ”انہیں خشک کر لیا کرو“، عرض کیا: ”خشک کرنے کے بعد کیا کریں“؟ فرمایا: ”صبح کو بھگو دیا کرو اور شام کو پی لیا کرو، اور شام کو بھگو کر صبح کو پی لیا کرو“، انگور کا مسئلہ حل کرنے کے بعد عرض کیا: ”یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ کو معلوم ہے کہ ہم کون ہیں اور کہاں رہتے ہیں، آپ ﷺ کو ہمارا اولیٰ بناتے ہیں“، فرمایا: ”خدا اور رسول کو“، عرض کیا: ”یا رسول اللہ ﷺ! یہ ہمارے لیے کافی ہے۔“

مشہور مدعی نبوت اسود غنسی کی شورش کو دبانے کے بعد اس کے کامل استیصال کے لیے قیس بن ہبیرہ کی ماتحتی میں جوہم روانہ کی گئی تھی اس میں فیروز بھی تھے، ان کا شمار اسود غنسی کے قاتلوں میں ہے، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ قیس نے قتل کیا تھا اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ فیروز قاتل تھے کچھ روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ قتل فیروز نے کیا تھا، لیکن سر قیس نے تن سے جدا کیا تھا، حضرت عمرؓ اسود کے قتل

کا سہرا فیروز کے سر باندھتے تھے اور فرماتے تھے ”اس شیر نے قتل کیا ہے“، بہر حال اگر فیروز نے تنہا قتل نہیں کیا تو اس کے قاتلوں میں ضرور تھے۔

اسود کے قتل کی خبر آنحضرت ﷺ کی وفات سے چند روز پہلے مدینہ میں آگئی تھی، اور آپ ﷺ کو اس پر بڑی مسرت تھی، ایک دن صبح سویرے آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”کل مبارک اہل بیت کے ایک مبارک فرد (فیروز) نے اسود کو قتل کیا ہے“۔



حضرت قیس بن خرشہ کا قبول اسلام

قیس کے زمانہ اسلام کی صحیح تعیین نہیں کی جاسکتی ان کے دل میں مدت سے حق کی تلاش تھی، چنانچہ وہ آنحضرت ﷺ کے مدینہ آنے کے بعد بلا کسی خارجی تحریک کے اپنے وطن سے مدینہ آئے اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: ”یا رسول اللہ ﷺ! میں اس شے پر جو خدا کی جانب سے آپ ﷺ کے پاس آئی ہے اور حق گوئی پر آپ ﷺ کے ہاتھوں پر بیعت کرتا ہوں“، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”قیس ممکن ہے کہ آئندہ تم کو ایسے والیوں سے سابقہ پڑے جن کے مقابلہ میں تم حق گوئی سے کام نہ لے سکو“، عرض کیا: ”ایسا نہیں ہو سکتا، خدا کی قسم جس چیز پر آپ ﷺ سے بیعت کروں گا اسے ضرور پورا کروں گا“، فرمایا: ”اگر ایسا ہے تو تم کو کسی شہر سے نقصان نہیں پہنچ سکتا“۔

اس عہد پر اس سختی کے ساتھ قائم رہے کہ بنی امیہ کے زمانہ میں زیاد اور عبید اللہ بن زیاد جیسے ستم کیشوں اور ظالموں پر بر ملا نکتہ چینی کرتے تھے، عبید اللہ نے ایک مرتبہ بلا کر کہا: ”تم خدا اور رسول پر افترا پردازی کرتے ہو“، کہا: ”خدا کی قسم نہیں میں ہرگز ایسا نہیں کر سکتا، البتہ اگر تم کہو تو میں اس شخص کا نام بتا دوں جو ایسا کرتا ہے“، عبید اللہ نے پوچھا: ”بتاؤ“، قیس نے کہا: ”جس نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو پس پشت ڈال رکھا ہے“، عبید اللہ نے کہا: ”وہ کون“؟ جواب دیا: ”تم اور تمہارا باپ“۔

ان کی یہ حق گوئی صرف عبید اللہ ہی کی ذات تک محدود نہ تھی، بلکہ تمام ظالم حکام کے مقابلہ میں اسی حق گوئی سے کام لیتے تھے، قیس والیوں کے معاملہ میں نہایت سخت

اور بڑے حق گو تھے۔

ان کی اس سخت گیری اور حق گوئی پر عبید اللہ ان کا دشمن ہو گیا، اور آخر مرتبہ بلا کر کہا: ”تمہارا خیال ہے کہ تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا“، فرمایا: ”پیشک میرا یہ خیال ہے“، عبید اللہ نے کہا: ”اچھا آج ہی تمہارے اس جھوٹے خیال کی قلعی کھل جاتی ہے“، یہ کہہ کر سزا دینے والوں کو بلایا، ار پاب سیر کا متفقہ بیان ہے کہ قبل اس کے کہ سزا دینے والے پہنچیں اور ان کے جسم کو ہاتھ لگائیں، ان کی روح نفس عنصری سے پرواز کر گئی، اور وہ سزا کے ثمر سے بچ گئے۔



حضرت قیس بن عاصم کا قبول اسلام

قیس اپنے قبیلہ کے سردار تھے اور زمانہ جاہلیت میں بڑے وقار و تمکنت سے رہتے تھے، ایک مرتبہ انہوں نے اپنی جاہلی زندگی کا حال بتایا کہ میں نے اس زمانہ میں بھی کوئی برا کام نہیں کیا، اور کبھی کسی تہمت سے متہم ہوا، ہمیشہ فوجی سواروں میں یا پنچایت کی مجلسوں میں یا مجرموں کی حمایت میں رہتا تھا۔

البتہ لازمہ امارت شراب بہت پیتے تھے، ایک دن بد مستی کی حالت میں اپنی لڑکی کے پیٹ کی شکنوں پر ہاتھ ڈال دیا، اور ماں باپ کو نہایت فحش گالیاں سنائیں، شب ماہ تھی، چاند دیکھ کر اور ترنگ بڑھی، اول فول بکنے لگے، اور مدہوشی کے عالم میں ایک بڑی رقم دے ڈالی، جب نشہ ختم ہوا، تو لوگوں نے بد مستی کے واقعات سنائے، انہیں سن کر اس قدر نادام اور شرمسار ہوئے کہ اس دن سے توبہ کر لی، اور پھر کبھی شراب کو متہ نہیں لگایا، اشعار ذیل اس واقعہ کی یادگار ہیں:

رأيت الخمر صالحة وفيها

حصال تفسد الرجل الحليما

(میں شراب کو اچھی چیز سمجھتا تھا، لیکن اس میں بعض ایسے اوصاف ہیں جو

حلیم اور سچیدہ آدمی کے اخلاق بگاڑ دیتے ہیں)

فلا والله أشربها صحيحا

ولا أشفي بها أبدا سقيما

(خدا کی قسم اب کبھی نہ اس کو صحت کی حالت میں پیوں گا، اور نہ بیماری

میں دوا کے لیے استعمال کروں گا)

(۹ھ) میں تمیم کے وفد کے ساتھ مدینہ آئے، اور آنحضرت ﷺ کے دست

مبارک پر مشرف باسلام ہوئے، آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ بادیہ نشینوں کے سردار ہیں“، کچھ دنوں کے بعد امارت صدقہ کی خدمت سپرد ہوئی۔

حضرت کرز بن جابر فہری کا قبول اسلام

آغاز اسلام میں قریش کا بچہ بچہ مسلمانوں کا دشمن تھا، اور مقدور بھرا نہیں تکلیف پہنچانے کی کوشش کرتا تھا، کرز بھی اس سے الگ نہ تھے، مدینہ کے تین میل کے فاصلہ پر کوہ جماء کے قریب مسلمانوں کے اونٹ چرا کرتے تھے، کرز نے (۲ھ) میں چھاپہ مار کر انہیں لوٹ لیا، آنحضرت ﷺ بہ نفس نفیس ان کے تعاقب میں نکلے، وادی صفوان میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ کرز نکل جا چکے، اس لیے آپ ﷺ لوٹ آئے، اس واقعہ کے کچھ دن بعد کرز مسلمان ہو گئے۔

(۶ھ) میں قبیلہ عرینہ کے اٹھارہ آدمی مدینہ آ کر مشرف باسلام ہوئے، یہاں کی آپ وہوا انہیں ناموافق ہوئی، طحال ہو گیا، تھوڑے فاصلہ پر مقام ذی الحجہ میں آنحضرت ﷺ کے مویشی چرتے تھے، یہاں کی آپ وہوا اچھی تھی، آپ ﷺ نے نو مسلم عربوں کو حکم دیا کہ وہیں جا کر رہو، اور اونٹوں کا دودھ استعمال کرو، کچھ دنوں میں تو انائی آجائے گی، چنانچہ یہ لوگ وہاں جا کر رہنے لگے، جب کھاپی کر تو انا و تندرست ہو گئے، تو اونٹوں کو لے کر بھاگ گئے، آپ ﷺ کے غلام نے روکنے کی کوشش کی تو اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر آنکھوں میں کانٹے چھو دیئے، آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے کرز کو بیس سواروں کے ساتھ ان کے تعاقب میں روانہ کیا، کرز انہیں گرفتار کر کے لائے، آنحضرت ﷺ نے ان سے ان کی شقاوت کا پورا قصاص لیا۔

حضرت کعب بن زہیر و بحیرؓ کا قبول اسلام

کعب دو بھائی تھے، کعب اور بحیر، ان کے باپ زہیر جاہلیت کے مشاہیر شعراء میں تھے، اس لیے شاعری ان دونوں کو ورثہ میں ملی تھی، بلاد عامہ (یعنی کے جنوب) کے رہنے والے تھے۔

ظہور اسلام کے بعد آنحضرت ﷺ کا شہرہ سن کر دونوں کو آپ ﷺ سے ملنے اور آپ ﷺ کی باتیں سننے کی خواہش ہوئی، چنانچہ دونوں بھائی ملنے کے لیے چلے راستہ میں ایک مقام ”عزاف“ پڑتا ہے، وہاں پہنچ کر کعب کی طبیعت کچھ بدل گئی، انہوں نے اپنے بھائی سے کہا: ”پہلے تم جاؤ اور دیکھو دینہ والے کیسے پیغمبر ہیں، وہاں سے آ کر اپنی رائے دو تو پھر ہم بھی چلیں گے“ بحیر نے اپنا سفر جاری رکھا اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ ﷺ نے اسلام پیش کیا، دل میں عناد و سرکشی کا مادہ نہ تھا، اسی وقت مشرف باسلام ہو گئے، کعب کو ان کے اسلام کی خبر ہوئی تو وہ بہت برہم ہوئے اور انہوں نے جوش انتقام میں ایک قصیدہ کہہ ڈالا جس میں اپنے بھائی کو ملامت کی اور آنحضرت ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ کی شان میں گستاخانہ اشعار اور ہجو کا ارتکاب کر بیٹھے، اور اپنے بھائی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ”ایک ایسے دین کو جو خاندانی روایات کے خلاف تعلیم دیتا ہے، جس کو ہمارے آباء اجداد نے کبھی سنا بھی نہ ہو، جس کو اپنے پڑوسی اور اشراف قبائل کی حمایت حاصل نہ ہو تم نے کس طرح قبول کر لیا؟“

اشعار اس زمانہ میں آگ کی طرح پھیل جاتے تھے اور بہت جلد زبان زد ہو جایا کرتے تھے، آنحضرت ﷺ نے یہ اشعار سنے تو آپ ﷺ کو بڑی تکلیف پہنچی اور

یہ محسوس کیا گیا کہ یہ اشعار سخت فتنہ پیدا کرنے اور لوگوں کو دین سے محروم کر دینے کا سبب بنیں گے، اس سے جو فتنہ پھیلے گا وہ ایک شخص کی ہلاکت سے کہیں زیادہ خطرناک ہوگا جیسا کہ قرآن میں آیا ہے:

﴿الفتنة أشد من القتل﴾

لہذا آپ ﷺ نے اعلان کر دیا کہ ”کعب جہاں ملے اس کا کام تمام کر دیا

جائے۔“

بجیر اس اعلان سے بہت گھبرائے، اور کعب کو چند شعر لکھ کر بھیجے کہ تم جس دین پر ملامت کر رہے ہو وہی دین حق ہے، ہم نے لات و عزریٰ کا دین چھوڑ کر اللہ کا دین اختیار کیا ہے جو نجات اخروی اور دنیا میں سلامتی کا یقینی راستہ ہے، بجیر نے اس قصیدہ میں اس کا اشارہ بھی کر دیا کہ کعب نے جو راستہ اختیار کیا ہے وہ ہلاکت کا ہے اور عذاب آخرت اس کی قسمت میں لکھا جا چکا ہے، دنیا میں بھی اس کی سزا پائے گا۔

اور لکھ بھیجا کہ رسول اللہ ﷺ نے تمہارا خون ہدر کر دیا ہے، اب تمہارے بچنے کی یہی ایک صورت ہے کہ تم اسلام قبول کر لو، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جو شخص بھی آکر ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ کہہ دیتا ہے آپ ﷺ اس کی توبہ قبول کر لیتے ہیں، اس لیے میرا خط پاتے ہی تم بلا تاخیر مشرف باسلام ہو جاؤ، کعب کو بھی اس کے سوا بچنے کی کوئی صورت نظر نہ آئی، اس لیے وہ خط پاتے ہی سیدھے مدینہ پہنچے اور مسجد نبوی میں داخل ہوئے، اس وقت رسول اللہ ﷺ صحابہ کے حلقہ میں تشریف فرما ان سے گفتگو فرما رہے تھے، کعب نے آپ ﷺ کو دیکھا نہ تھا، قیاس و قرینہ سے پہچان کر آپ ﷺ کے پاس آکر بیٹھ گئے، اور ”أشهد أن لا اله الا الله وأنك رسول الله“ کہہ کر امان کے طالب ہوئے، آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم مامون ہو“ اور آپ ﷺ نے کعب کی گذشتہ خطاؤں سے درگزر فرمایا، پھر کعب نے اپنا مشہور قصیدہ ”بانت سعاد“ جو اسی وقت کے لیے کہہ کر لائے تھے، یہ قصیدہ بہت طویل ہے، قصیدہ سناتے سناتے

جب اس شعر پر پہنچے:

ان الرسول لسيف يستضاء به

مہند من سیوف اللہ مسلول

(رسول اللہ ﷺ اللہ کی ایسی کھنچی ہوئی ہندی تلوار ہیں جس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے)

شاعر نے جب یہ شعر پڑھا تو آنحضرت ﷺ نے خوش ہو کر دائے مبارک عطا فرمائی، اس قصیدہ کا اصل موضوع تو طلبِ غنوا اور معذرت پیش کرنا ہے، مدح کا مضمون ضمنی ہے، اس شعر کو حضور ﷺ نے پسند فرمایا اور اپنا پیرا، بن مبارک عطا فرما کر شاعر اور شعر دونوں کو عمر جاوید عطا فرمائی، آپ کعبؓ کی ترجمانی اردو میں اس طرح کر سکتے ہیں۔

نہ میں اچھا نہ میرے شعر اچھے بات اتنی ہے

جسے اچھا کہیں سرکار اچھا ہو ہی جاتا ہے

اس قصیدہ کی مقبولیت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ اب تک اس کی بے شمار شرحیں مختلف زبانوں میں لکھی جا چکی ہیں، اور اس کا راز صرف اس بات میں ہے کہ وہ وہاں مقبول ہو گیا تھا جہاں کی سند قبولیت کے بعد کسی چیز کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔



حضرت کہمسؓ الہلالی کا قبول اسلام

ان کے اسلام کا زمانہ متعین طور پر نہیں بتایا جاسکتا، اس سلسلہ میں صرف اس قدر معلوم ہے کہ اپنے جائے قیام پر مشرف باسلام ہوئے، اور مدینہ آ کر آنحضرت ﷺ کو اپنے اسلام کی اطلاع دی۔

اطلاع دینے کے بعد پھر وطن لوٹ گئے، اور ہمہ تن عبادت اور ریاضت میں مشغول ہو گئے، اور کمال ایک سال تک رات بھر جاگ کر عبادت کرتے، اور دن کو روزہ رکھتے رہے، دوسرے سال پھر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، شدت ریاضت سے رنگ و روپ بدل گیا تھا، بدن سوکھ کر کانٹا ہو رہا تھا، آپ ﷺ کو پہچاننے میں دشواری ہوئی، بار بار سر سے پاؤں تک ملاحظہ فرماتے تھے، مگر نہ پہچان سکے، آخر میں کہمسؓ نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ ﷺ! شاید آپ ﷺ مجھے غور کر رہے ہیں“، فرمایا: ”ہاں، تم کون ہو؟“ عرض کی: ”کہمس الہلالی، گذشتہ سال حاضر ہوا تھا، اب میں بالکل سوکھ گیا ہوں“، آپ ﷺ نے پوچھا: ”ایسی حالت کیوں ہو گئی ہے؟“ عرض کی: ”گذشتہ حاضری کے بعد سے برابر رات کو جاگتا اور دن کو روزہ رکھتا رہا“، فرمایا: ”تم کو اس قدر تکلیف اٹھانے کا کس نے حکم دیا؟“ مہینہ میں صرف ایک روزہ کافی ہے“، عرض کی: ”مجھ میں اس سے زیادہ روزہ رکھنے کی طاقت ہے“، فرمایا: ”خیر تین سہی“۔



حضرت لبید بن ربیعہ کا قبول اسلام

لبید کے والد ربیعہ اپنے قبیلہ کے بڑے فیاض، سیر چشم، اور غربا پرور لوگوں میں تھے، ان کی غربا پروری نے قوم سے ”ربیع المقتربین“ کا لقب حاصل کیا تھا۔
لبید زمانہ جاہلیت کے فحول شعراء میں تھے، ان کی سحر بیانی زمانہ جاہلیت کے مشاعروں کو گرماتی اور ارباب ذوق کو ترپاتی تھی۔

وہ ابتدا سے سلیم الفطرت تھے، اور اسلام سے پہلے بھی ان کی شاعری معارف و حقائق سے معمور ہوتی تھی، حسب ذیل شعر زمانہ جاہلیت کا بیان کیا جاتا ہے:

وکل امری یوما سیعلم سعیه

اذا کشفتم عند الالہ المحاصل

(اور ہر انسان کو اپنی کوششوں کا نتیجہ اس وقت معلوم ہوگا جب اس کے

فتاح خدا کے سامنے ظاہر ہوں گے)

اس لیے آنحضرت ﷺ بھی ان کے بعض اشعار کو پسند فرماتے تھے، چنانچہ

آپ ﷺ کو ان کا یہ مصرعہ:

”الاکل شی ما خلا اللہ باطل“ (سن لو اللہ کے سوا ہر چیز فانی ہے)

بہت پسند تھا، اس کے متعلق فرماتے تھے کہ شعراء کے کلام میں لبید کا یہ کلام بہت

اچھا ہے۔

لبید نے اسلام کا زمانہ پایا، فطرت ابتدا سے سلیم تھی، اس لیے اپنے قبیلہ بنی جعفر

بن کلاب کے وفد کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام

ہو گئے، ارباب سیر کا بیان ہے کہ اسلام کے بعد شاعری ترک کر دی تھی، اور قرآن کے پرتا شیر اور سحر آفریں کلام کے بعد وہ شاعری کرنا عبث سمجھتے تھے۔

حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں ایک مرتبہ اپنے ایک عامل کو لکھا کہ لبید سے پوچھو کہ زمانہ اسلام میں کون سے اشعار کہے، انہوں نے جواب میں کہلا بھیجا کہ ”خدا نے شعر کے عوض مجھے بقرہ اور آل عمران دی ہے“، یعنی اس سحر آفریں کلام کے بعد شاعری بے مزہ ہے، اس جواب پر حضرت عمرؓ نے ان کا وظیفہ بڑھا دیا۔



حضرت ثنیٰ بن حارثہ کا قبول اسلام

ثنیٰ اپنے قبیلہ کے ممتاز رؤساء میں تھے، دعوت اسلام کے آغاز میں جب آنحضرت ﷺ نے تبلیغ اسلام کے لیے قبائل عرب میں دورہ کیا تو حضرت ابو بکرؓ کے ہمراہ ثنیٰ کے قبیلہ بنی شیبان میں بھی تشریف لے گئے، اور کلام اللہ کی یہ آیات ﴿قل تعالوا اتل ما حرم ربکم علیکم﴾ (کہہ دو اے محمد ﷺ) آؤ میں تمہیں پڑھ کر بتاؤں جو چیزیں تمہارے رب نے تم پر حرام کی ہیں)

اور

﴿ان اللہ یأمر بالعدل والاحسان وابتاء ذی القربی﴾ (اللہ تعالیٰ تم کو انصاف، احسان، اور قرابتداروں کو داد و دہش کا حکم دیتا ہے)

پیش کر کے بنی شیبان کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی، رؤساء قبیلہ میں اس وقت ثنیٰ اور ہانی وغیرہ موجود تھے، ان سب نے بالاتفاق کلام ربانی کی سحر آفریں بلاغت اور اس کی تعلیم کی پاکیزگی کا اعتراف کیا، ثنیٰ نے کہا: ”جیسی پاکیزہ تعلیم ہے ویسا ہی پاکیزہ کلام بھی ہے“، پھر آنحضرت ﷺ سے مخاطب ہوئے کہ ”میں نے تمہاری گفتگو سنی، تمہاری باتیں خوب ہیں، اور تمہارا کلام نہایت حیرت انگیز ہے، لیکن افسوس کہ اس وقت ہم لوگ اس کو قبول کرنے سے مجبور ہیں، اس لیے کہ ہم میں اور کسریٰ میں معاہدہ ہے کہ ہم نہ کسی جدید تحریک کو قبول کریں گے اور نہ کسی مجدد کو پناہ دیں گے، ممکن ہے جس چیز کو تم پیش کر رہے ہو، وہ کسریٰ کے خلاف ہو، اس لیے اس وقت ہم اسے نہیں قبول کر سکتے، اس کے لیے البتہ ہم تیار ہیں کہ عرب کے قرب و جوار

کے فرماں رواؤں کے مقابلہ میں تمہاری حفاظت اور اعانت کریں۔“

گوٹھی کلام پاک کی سحر آفرینی اور اس کی تعلیمات سے پورے طور پر متاثر ہوئے، لیکن تقدم فی الاسلام کا شرف ان کے مقدر میں نہ تھا، اس لیے اس وقت اسلام کے شرف سے محروم ہو گئے، آنحضرت ﷺ نے ان کی کمزوری پر ان کی اخلاقی امداد قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور فرمایا: ”اعتراف حق کے بعد اس سے انکار کیسا؟ خدا کا دین محض اس کا ایک شعبہ قبول کرنے سے قبول نہیں ہوتا جب تک اسے کل نہ قبول کیا جائے“، بالآخر (۶ھ) میں اپنے قبیلہ کے ساتھ مدینہ آ کر مشرف باسلام ہوئے۔

ٹہنی نے بہت آخری زمانہ میں اسلام قبول کیا اور اس کے چند ہی دنوں کے بعد رسالت کا بابرکت زمانہ ختم ہو گیا، حضرت صدیق اکبرؓ کے زمانہ خلافت میں جب ایران میں سیاسی انقلابات ہوئے، انہوں نے حضرت ابو بکرؓ کو لکھا کہ اس وقت ایران کی حالت نہایت ابتر ہے اندرونی اختلافات اور انقلابات کی وجہ سے ان میں مدافعت کی قوت نہیں ہے اس سے بہتر فوج کشی کا موقع نہیں مل سکتا۔

یہ اطلاع بھیجنے کے بعد خود بھی مدینہ پہنچے اور حضرت ابو بکرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ”اگر اجازت ہو تو میں اپنے قبیلہ کو لے کر ایرانیوں کے مقابلہ میں نکلوں“، ان کی مستعدی دیکھ کر حضرت ابو بکرؓ نے اجازت دے دی، ٹہنی نے اجازت تو لے لی، مگر سب سے بڑی دشواری یہ تھی کہ ان کے قبیلہ کا بڑا حصہ ابھی اسلام سے بیگانہ تھا، ٹہنی نے پہلے اس کو مشرف باسلام کیا، قبیلہ کو مسلمان بنانے کے بعد اسے ساتھ لے کر ایرانیوں کے مقابلہ میں نکلے۔



حضرت مطیع بن اسود کا قبول اسلام

فتح مکہ میں مشرف باسلام ہوئے، اس وقت ان کا نام عاص ”نافرمان“ تھا، آنحضرت ﷺ نے بدل کر مطیع ”فرمانبردار“ رکھا، تبدیل نام کا یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ مسجد میں منبر پر تشریف فرما ہو کر لوگوں کو بیٹھا رہے تھے، اسی دوران میں عاص آگئے، اور آنحضرت ﷺ کا ارشاد سن کر سب سے آخر میں بیٹھ گئے، آنحضرت ﷺ کے منبر سے اترنے کے بعد عاص جا کر آپ ﷺ سے ملے، آپ ﷺ نے پوچھا: ”تم کو میں نے نماز میں نہیں دیکھا“، عرض کی: ”یا رسول اللہ ﷺ! میں جس وقت مسجد میں داخل ہو رہا تھا، اس وقت آپ ﷺ لوگوں کو بیٹھنے کا حکم دے رہے تھے، اس لیے میں سب کے آخر میں بیٹھ گیا جہاں آپ کی آواز پہنچ جاتی تھی“، یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”تم عاص نہیں بلکہ مطیع ہو، اس دن سے ان کا نام مطیع ہو گیا“۔



حضرت معاویہ بن حکم کا قبول اسلام

ہجرت کے بعد کسی سنہ میں مشرف باسلام ہوئے، قبول اسلام کے بعد مکتب نبوت میں اسلام کی تعلیم حاصل کی، اپنی تعلیم اور اسلام کے واقعات کو وہ خود بیان کرتے ہیں ”کہ جب میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، تو اسلام کے بعض احکام سیکھے، من جملہ اور تعلیمات کے مجھ کو ایک تعلیم یہ بھی ملی کہ جب کوئی چھینکے اور ”الحمد للہ“ کہو، اور جب کوئی چھینک کر ”الحمد للہ“ کہے تو ”یرحمک اللہ“ کہو، ایک دن میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا کہ کسی نے چھینکا اور الحمد للہ کہا میں نے بلند آواز میں یرحمک اللہ جواب دیا، لوگوں نے مجھ کو گھورنا شروع کیا، میں نے کہا: تم لوگ مجھے غضب آلود نگاہوں سے کیوں گھور رہے ہو؟ میرے اس سوال پر لوگوں نے ”سبحان اللہ سبحان اللہ“ کہنا شروع کیا، جب آنحضرت ﷺ نماز ختم کر چکے تو پوچھا: نماز میں کون بولا تھا؟ لوگوں نے مجھ کو بتایا کہ یہ اعرابی تھا، آپ ﷺ نے مجھ کو بلا کر فرمایا: نماز قرأت قرآن اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے ہے، جب تم نماز پڑھو تو تمہاری یہ شان ہونی چاہیے، یعنی اللہ تعالیٰ کا ذکر اور قرأت قرآن، معاویہ پر اس نرمی کا یہ اثر ہوا کہ وہ کہتے تھے کہ ”میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ نرم معلم نہیں دیکھا“۔

اسی دوران تعلیم میں انہوں نے جاہلیت کے اوہام کے متعلق چند سوالات کئے کہ ”یا رسول اللہ ﷺ! ہم لوگ ابھی زمانہ جاہلیت سے زیادہ قریب ہیں، ابھی اسلام کو آئے ہوئے زیادہ زمانہ نہیں گزرا، اس لیے ہم میں ابھی تک کچھ لوگ کاہنوں کے پاس جاتے تھے، فرمایا: ”تم ان کے پاس نہ جایا کرو“، پھر پوچھا کہ ”بعض لوگ اوہام

سے قال بدلیتے ہیں، فرمایا: ”یہ دل کے اوہام ہیں، ان سے نہ متاثر ہونا چاہیے“، پھر یہ سوال کیا: ”یا رسول اللہ ﷺ! ہم میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو خط کھینچتے ہیں“، فرمایا: ”بعض انبیاء بھی خط کھینچتے تھے، اس لیے اگر کوئی ایسا خط کھینچے تو کوئی مضائقہ نہیں“، آخر میں عرض کیا: ”یا رسول اللہ ﷺ! میری ایک لونڈی ہے جو بکریاں چرا یا کرتی تھی ایک دن وہ پہاڑ پر چڑھ گئی اور ایک بکری بھیڑیا لے گیا، میں انسان ہوں، مجھے غصہ آ گیا، میں نے لونڈی کو مارا“، آنحضرت ﷺ کو یہ ناگوار ہوا، آپ ﷺ کی ناگواری دیکھ کر میں نے کہا: ”اس کو کفارہ میں آزاد کرتا ہوں“، فرمایا: ”اس کو میرے پاس لاؤ“، میں لے آیا، آپ ﷺ نے اس سے پوچھا: ”اللہ کہاں ہے؟“ اس نے کہا: ”آسمان پر“، پوچھا: ”میں کون ہوں؟“ اس نے کہا: ”آپ اللہ کے رسول ہیں“، فرمایا: ”اس کو آزاد کر دو یہ مومنہ ہے۔“



حضرت واثلہ بن اسقع کا قبول اسلام

(۹ھ) میں غزوہ تبوک سے چند دن پہلے قبول اسلام کے ارادہ سے مدینہ آئے، اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ ﷺ نے فرمایا: ”جاؤ پانی اور پیر کی پتیوں سے نہاؤ اور زمانہ کفر کے بالوں کو صاف کراؤ“، یہ کہہ کر ان کے سر پر دست شفقت پھیرا۔

ان کے اسلام قبول کرنے کے بعد ہی غزوہ تبوک کی تیاریاں شروع ہوئیں، تمام مجاہدین اپنا اپنا سامان درست کر رہے تھے، واثلہ بھی تیاری کے لیے گھر گئے، یہاں کچھ نہ تھا، اس لیے واپس آئے، ان کی واپسی تک مجاہدین کا قافلہ روانہ ہو چکا تھا، اور ان کے شرکت کی بظاہر کوئی صورت باقی نہ تھی، لیکن ذوق جہاد بے تاب کئے ہوئے تھا، چنانچہ انہوں نے مدینہ کی گلیوں میں پھر کر صدالگانا شروع کی کہ ”کون مجھ کو میرے مال غنیمت کے بدلہ میں تبوک لے چلتا ہے؟“ اتفاق سے ایک انصاری بزرگ بھی باقی رہ گئے تھے، انہوں نے کہا: ”میں لے چلوں گا، کھانا میں دوں گا، اور اپنی سواری پر بٹھاؤں گا، خدا کی برکت پر بھروسہ کر کے تیار ہو جاؤ“، واثلہ کو تیاری ہی کیا کرنی تھی، فوراً ساتھ ہو گئے، انصاری بزرگ نے نہایت حسن سلوک اور شریفانہ طریقہ سے انہیں رکھا، اور وہ غزوہ تبوک میں شریک ہوئے، لڑائی ختم ہونے کے بعد اس کے مال غنیمت میں سے چھ اونٹنیاں واثلہ کے حصہ میں بھی آئیں، شرط کے مطابق وہ ان اونٹنیوں کو انصاری بزرگ کے پاس لائے، انہوں نے ان اونٹنیوں کی چال ڈھال دیکھنے کے بعد کہا: ”تمہاری یہ سب اونٹنیاں نہایت اچھی ہیں“، واثلہ نے کہا: ”شرط کے مطابق سب حاضر ہیں“، انصاری بزرگ نے کہا: ”بھتیجے تمہاری اونٹنیاں تمہیں مبارک ہوں، تم انہیں لے جاؤ میرا مقصد صرف ثواب آخرت تھا۔“

حضرت وائل بن حجر کا قبول اسلام

ان کے والد حجر سلاطین حضرت موت میں تھے، وائل خود حضرت موت کے رئیس تھے، فتح مکہ کے بعد جب عرب کے مختلف گوشوں کے وفود قبول اسلام کے لیے جوق در جوق مدینہ آنے لگے، تو وائل بھی اپنے قبیلہ کے ساتھ مدینہ وارد ہوئے، آنحضرت ﷺ نے ان کے ورود سے پہلے صحابہ کو ان کی آمد کی اطلاع دے دی تھی، اور ان کا تعارف بھی کرادیا تھا کہ وائل بن حجر جو سلاطین حضرت موت کی یادگار ہیں، خدا ورسول کے مطیع و فرمانبردار بن کر دور دراز کی مسافت طے کر کے حضرت موت سے آرہے ہیں، جب وائل مدینہ پہنچے تو آنحضرت ﷺ نے ان کے رتبہ کے مطابق ان کا استقبال کیا، اپنے قریب روانے مبارک بچھا کر اس پر بٹھایا، اور ان کے اور ان کی اولاد کے لیے دعا فرمائی ”خدایا! وائل، ان کی اولاد، اور اولاد کی اولاد پر برکت نازل فرما، اور ان کو سرداران حضرت موت کا حاکم بنا“۔

اسلام قبول کرنے کے بعد جب وائل واپس جانے لگے تو آنحضرت ﷺ نے ان کو حضرت موت میں زمین کا ایک قطعہ مرحمت فرمایا، اور ان کے بارے میں ایک خط مہاجرین امیہ کے اور دوسرا حضرت موت کے رؤساء اور سرداروں کے نام لکھ کر حوالہ کیا، اور چلتے وقت معاویہ کو کچھ دور مشایعت کے لیے بھیجا، وائل سوار تھے، اور معاویہ سواری کے ساتھ پیدل چل رہے تھے، گرمی کا موسم تھا، پتی ہوئی ریت پیروں کو جھلسا دیتی تھی، معاویہ نے پاؤں جلنے کی شکایت کی، وائل نے کہا: ”سواری کے سایہ میں آجاؤ“، معاویہ نے کہا: ”اس سے کچھ نہ ہوگا، اپنے ساتھ سواری پر بٹھالیجئے“، وائل

ابھی نئے نئے اسلام لائے تھے، دماغ میں نخوت و رعونت بسی ہوئی تھی، جواب دیا:
 ”خاموش! تم بادشاہ کے ساتھ بیٹھنے کے قابل نہیں ہو۔“

ایک مرتبہ امیر معاویہ کے عہد خلافت میں ان کے پاس گئے امیر معاویہ نے
 پہچان کر نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ استقبال کیا اور اپنا واقعہ یاد دلایا اور واپسی کے
 وقت کچھ نقدی اور جاگیر دینا چاہا مگر وائل نے اسے قبول نہ کیا اور کہا: ”مجھ کو اس کی
 ضرورت نہیں۔“



www.besturdubooks.net

www.besturdubooks.net

www.besturdubooks.net

حضرت وحشی بن حرب کا قبول اسلام

وحشی نسل حبشی، اور جبیر بن مطعم کے غلام تھے، جنگ بدر میں حضرت حمزہؓ نے جبیر بن مطعم کے چچا طعیمہ بن عدی کو قتل کیا تھا، اس لیے جبیر کو اس کے انتقام کی بڑی فکر تھی، جب احد کی تیاریاں شروع ہوئیں، تو جبیر نے وحشی سے کہا کہ ”اگر تم چچا کے انتقام میں حمزہؓ کو قتل کرو تو تم آزاد ہو“، آزادی کا نام سنتے ہی وحشی فوراً تیار ہو گئے، میدان جنگ میں جب صف آرائی ہوئی اور مشرکین کی طرف سے ”سباع“ نے مبارزت طلبی کی تو حضرت حمزہؓ اس کے مقابلہ کو نکلے اور ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا، وحشی ایک چٹان کی آڑ میں گھات لگائے بیٹھے ہوئے تھے، جیسے ہی حضرت حمزہؓ سباع کو قتل کر کے ادھر سے گزرے انھوں نے نیزہ سے ایسا وار کیا کہ نیزہ ناف کے پار اتر گیا، اور حضرت حمزہؓ اسی جگہ شہید ہو گئے۔

آنحضرت ﷺ کو چچا کی شہادت کا بڑا قلق تھا اس لیے وحشی اشتہاری مجرم ہو گئے، اور جب مکہ فتح ہو گیا تو انھوں نے طائف میں پناہ لی، جب طائف کا وفد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں جانے لگا تو لوگوں نے وحشی سے کہا: تم بھی وفد کے ساتھ چلے جاؤ کیونکہ رسول اللہ ﷺ اسفراء کے ساتھ برابر تاؤ نہیں کرتے، لوگوں کے کہنے سے وحشی ساتھ ہو گئے، اور مدینہ پہنچ کر معلوم ہوا کہ آپ ﷺ اس وقت مسجد میں ہیں تو ہو چکے سے مسجد میں داخل ہوئے اور احتیاط سے چلتے ہوئے آپ ﷺ کے سر پر جانچے اور بلند آواز سے پکارا ٹھے: ”أشهد أن لا اله الا الله وأشهد أن محمداً رسول الله“ حضرت حمزہؓ رسول اللہ ﷺ کے بڑے محبوب چچا تھے،

آپ ﷺ پر ان کی شہادت کا نہایت شدید اثر تھا، لیکن وحشی اولاً سفیر کی حیثیت سے اور پھر مسلمان ہو کر آئے تھے، اس لیے ان کے ساتھ کوئی برابر تاؤ نہیں ہو سکتا تھا، تاہم آپ ﷺ نے ان کے چہرہ پر نظر ڈالنا گوارا نہ کیا، وحشی سے پوچھا: ”تم ہی نے میرے چچا کو شہید کیا تھا؟“ انہوں نے مجھوب ہو کر عرض کیا: آپ ﷺ نے جو سنا صحیح ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے بتاؤ کہ تم نے حمزہؓ کو کس طرح قتل کیا تھا،“ وحشی نے شروع سے آخر تک حمزہؓ کے قتل کا واقعہ بیان کر دیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ”اگر ہو سکے تو تم اپنا چہرہ مجھے نہ دکھلاؤ،“ وحشی تعمیل ارشاد میں فوراً ہٹ گئے۔

اور اس روز کے بعد سے وہ اس بات کی پوری احتیاط کرنے لگے کہ نبی کریم ﷺ کی نظر ان کے اوپر نہ پڑ سکے، چنانچہ جہاں تمام صحابہ کرام آپ ﷺ کے روبرو بیٹھتے تھے وہ اپنی نشست ہمیشہ آپ کے پیچھے رکھتے تھے، جب تک حضور ﷺ زندہ رہے وہ اسی طریقہ پر کار بند رہے۔

حضرت حمزہؓ کی شہادت کا جرم وحشی کے دل پر ایسا زخم تھا، جو انہیں چین نہیں لینے دیتا تھا، اور وہ قبول اسلام کے بعد سے برابر اس کی تلافی کی کوشش میں لگے ہوئے تھے، خوش قسمتی سے بہت جلد ان کو اس کا موقع مل گیا، آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد جب مشہور مدعی نبوت مسیلمہ کذاب کا فتنہ اٹھا تو وحشی نے کہا: ”اب وقت ہے کہ میں مسیلمہ کو قتل کر کے حمزہؓ کے خون کا کفارہ ادا کروں،“ چنانچہ وہی نیزہ جس سے حضرت حمزہؓ کو شہید کیا تھا لے کر مسیلمہ کے مقابلہ میں جانے والی مہم کے ساتھ ہو گئے اور میدان جنگ میں پہنچ کر مسیلمہ کی تاک میں لگے رہے، وہ ایک دیوار کے سوراخ کے پار نظر آیا، انہوں نے نیزہ تان کر اس کے سینہ پر ایسا وار کیا کہ نیزہ سینہ کے پار ہو گیا، جو کچھ کمی رہ گئی اس کو ایک انصاری نے بڑھ کر پورا کر دیا، اس طرح وحشی نے اسلام کے بہت بڑے دشمن کا خاتمہ کر کے حضرت حمزہؓ کا خون بہا ادا کر دیا۔

حضرت وہب بن قباوس کا قبول اسلام

جنگ احد کے زمانہ میں اپنے بچے حارث کے ساتھ بکریاں لے کر مدینہ آئے، یہاں بالکل سناٹا تھا، پوچھا: ”سب لوگ کہاں گئے؟“ معلوم ہوا کہ احد پر آنحضرت ﷺ کے ساتھ مشرکین کے مقابلہ میں گئے ہوئے ہیں، یہ سن کر اسی وقت مشرف باسلام ہوئے، قبول اسلام کے بعد احد کی رزمگاہ میں پہنچے، ہنگامہ کارزار گرم تھا، وہب مسلمانوں کے ساتھ مل کر حملہ آور ہو گئے، اسی دوران میں مشرکین میں سے خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابی جہل پشت کی جانب سے نمودار ہوئے، اور نہایت جم کر مقابلہ کیا، ابھی یہ مقابلہ جاری تھا کہ مشرکین کا ایک اور جتھا نظر آیا آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”اس سے کون نپٹے گا؟“ وہب نے عرض کیا: ”میں یا رسول اللہ ﷺ، یہ کہہ کر اس قدر تیر برسائے کہ جتھا واپس جانے پر مجبور ہو گیا، مگر ایک دوسرا جتھا نمودار ہو گیا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”اس کے مقابلہ میں کون آتا ہے؟“ وہب نے پھر اپنے کو پیش کیا اور اس زور و شور سے حملہ آور ہوئے کہ اس جتھے کا بھی منہ پھیر دیا، اس سے فارغ ہوئے تھے کہ تیسرا جتھا دکھائی دیا، آنحضرت ﷺ نے پھر فرمایا: ”اس کے مقابلہ کے لیے کون اٹھتا ہے؟“ اس مرتبہ بھی اس سوال کے جواب میں وہب ہی کی آواز آئی، آنحضرت ﷺ نے بشارت دی جاؤ ”جا کر جنت لو“، یہ مشرکہ سن کر شاداں و فرحاں یہ کہتے ہوئے کہ ”نہ کسی کو چھوڑوں گا اور نہ اپنے بچاؤ کی کوشش کروں گا“، مشرکین کے جم غفیر میں گھس گئے، اور تلوار چمکاتے ہوئے اس پار سے اس پار نکل گئے، مسلمان یہ جرات اور بہادری دیکھ کر عیش عیش کرتے تھے، آنحضرت ﷺ دعا

فرماتے تھے کہ ”خدا یا! اس پر رحم کر“، وہبؓ دیر تک حیرت انگیز شجاعت کے ساتھ لڑتے رہے، آخر میں مشرکین چاروں طرف سے ٹوٹ پڑے اور ہر طرف سے زخم میں لے کر تیروں اور تلواروں کی بارش شروع کر دی، تن تھا اس ہجوم کا کب تک مقابلہ کرتے، بالآخر سینکڑوں زخم کھا کر خلعت شہادت سے سرفراز ہو گئے۔

شہادت کے بعد شمار کیا گیا تو بیس زخم ایسے کاری تھے کہ ان میں سے ہر ایک زخم شہادت کے لیے کافی تھا، شہید کرنے کے بعد مشرکین نے نہایت بری طرح مثلہ کیا تھا، ان کے بھتیجے حارث یہ المناک منظر دیکھ کر بے قابو ہو گئے اور بے تابانہ اٹھ کر اسی بہادری اور بے جگری سے لڑ کر جام شہادت پیا، آنحضرت ﷺ پر وہبؓ کی شہادت کا نہایت سخت اثر ہوا، چچا بھتیجے دونوں کی لاشوں پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ ”میں تم سے راضی ہوں“، مشرکوں نے وہبؓ کی لاش کا اس بری طرح مثلہ کیا تھا کہ قریب جا کر نظر ڈالنے کی ہمت نہ پڑتی تھی، آنحضرت ﷺ خود تشریف لے گئے اور دفن تک ان کے پیروں کی سمت کھڑے رہے، اور قبر میں رکھنے کے بعد اپنے ہاتھوں سے سرخ بوٹوں کی چادر کھینچ کر اڑھائی، چادر چھوٹی تھی، پاؤں کھلے رہ گئے تھے، آنحضرت ﷺ نے ان پر حرمہ (ایک گھاس) ڈلوائی، اور اپنے ہاتھوں سے سپرد خاک کر کے واپس ہوئے، اس حیثیت سے وہبؓ کی شہادت بڑی قابل رشک تھی کہ قبول اسلام کے بعد ان کا ایک لمحہ بھی دنیا سے ملوث نہ ہوا، اور سیدھے جنت الفردوس کو سدھارے، اس طیب و طاہر زندگی اور شہادت پر بڑے بڑے صحابہ رشک کرتے تھے، حضرت عمرؓ اور حضرت سعدؓ کہتے تھے کہ ”کاش وہبؓ کی شہادت ہم کو نصیب ہوتی“۔



حضرت یاسر رضین عامر کا قبول اسلام

یاسر مشہور صحابی حضرت عمارؓ کے والد ہیں، حضرت یاسر مخططانی النسل اور یمن کے باشندے تھے، اپنے ایک مفقود الخیر بھائی کی تلاش میں یہ اور ان کے دو بھائی حارث اور مالک مکہ آئے، حارث اور مالک ٹولٹ گئے، لیکن یاسرؓ نے ابوحنزلیفہ بن مشیرہ سے حلیفانہ تعلق پیدا کر کے مکہ میں اقامت اختیار کر لی، ابوحنزلیفہ نے اپنی ایک لونڈی سمیہ سے ان کی شادی کر دی، ان ہی کے بطن سے حضرت عمارؓ پیدا ہوئے تھے، قانوناً عمارؓ ابوحنزلیفہ کے غلام تھے، لیکن انہوں نے ان کو آزاد کر دیا تھا اور باپ بیٹے دونوں ابوحنزلیفہ کے ساتھ رہتے تھے۔ ابوحنزلیفہ کی وفات کے بعد مکہ میں جب اسلام کا قلعہ بلند ہوا، تو تینوں ماں باپ بیٹے مشرف باسلام ہو گئے، اس وقت بہت کم لوگوں نے اس دعوت حق کا جواب دیا تھا، بروایت صحیح اس وقت ان کی تعداد تیس پینتیس سے زیادہ نہ تھی۔

دعوت اسلام کے آغاز میں بڑے بڑے ذی وجاہت مسلمان قریش کے ظلم و ستم سے محفوظ نہ تھے، تو ان تینوں بے یار و مددگار غریبوں کا کیا شمار تھا، حضرت سمیہؓ بنی مخزوم کی غلامی میں تھیں اور تینوں ان کے زیر بار احسان تھے، اس لیے بنی مخزوم نے انہیں مشق ستم بنالیا، طرح طرح کی اذیتیں دیتے، ٹھیک دوپہر کی دھوپ میں چپتی ہوئی ریت پر لٹاتے، حضرت عمارؓ خصوصیت کے ساتھ اس آزمائش کا نشانہ بنتے، آنحضرت ﷺ ان بے بس غریبوں کو اس حال میں دیکھ کر تسلی دیتے کہ ”آل یاسر! خدا تم کو اس کے بدلہ میں جنت عطا کرے گا۔“

بنی مخزوم نے اپنی تمام سختیاں ان تینوں پر ختم کر دیں، لیکن ان کی زبان کلمہ توحید سے نہ پھری، آخر میں سمیہؓ کو ابو جہل نے نہایت وحشیانہ طریقہ سے نیزہ سے زخمی کر کے شہید کر ڈالا، حضرت یاسرؓ ضعیف و ناتواں تھے، ان وحشیانہ سزاؤں کی تاب نہ لاسکے اور کچھ دنوں کے بعد وہ بھی شہید ہو گئے۔

حضرت ابوامامہ باہلی کا قبول اسلام

ابوامامہ ان خوش قسمت بزرگوں میں ہیں جنہوں نے اسلام کی دعوت کا جواب اس وقت دیا جب اس کا جواب نوک سنان اور تیر و تاجر سے ملتا تھا، اسلام قبول کرنے کے بعد آنحضرت ﷺ نے انہیں ان کے قبیلہ میں دعوت اسلام کے لیے بھیجا، جس وقت یہ پہنچے اس وقت اہل قبیلہ اونٹوں کو پانی پلانے کے بعد ان کا دودھ دودھ کر پی رہے تھے، ابوامامہ کو دیکھا ”مرحبا خوش آمدید“ کہہ کر استقبال کیا، قبیلہ میں ان کے اسلام کی خبر ہو چکی تھی، چنانچہ استقبال کے بعد سب سے پہلا سوال یہ ہوا کہ ہم نے سنا ہے کہ اس شخص (رسول اللہ ﷺ) کے ساتھ تم بھی بے دین ہو گئے، ابوامامہ نے جواب دیا: ”نہیں بے دین تو نہیں ہوا، ہاں خدا اور اس کے رسول پر ایمان لایا ہوں اور رسول اللہ ﷺ نے تمہارے پاس بھیجا ہے تاکہ تمہارے سامنے اسلام اور اس کے قوانین پیش کروں“، ابھی یہ گفتگو جاری تھی کہ بعض بعض اہل قبیلہ ایک بڑے پیالے میں خون لائے، سب حاضرین بڑے ذوق و شوق سے کھانے لگے اور ابوامامہ کو بھی شرکت کی دعوت دی، انہوں نے کہا: ”تم لوگوں پر افسوس آتا ہے، میں اس شخص کے پاس سے آ رہا ہوں جس نے بحکم خدا اس چیز کو حرام قرار دیا ہے“، لوگوں نے وہ حکم پوچھا: ”ابو امامہ نے یہ آیت:

﴿حرم علیکم المیتة والدم ولحم الخنزیر الا ما ذکیتم﴾

تک تلاوت کر کے سنائی، اور اسی سلسلہ میں اسلام کی تبلیغ شروع کر دی، اس کا جواب انکار کی صورت میں ملا، ابوامامہ کو پیاس معلوم ہوئی، پانی مانگا، لیکن دعوت اسلام

کے بعد ہی تمام اہل قبیلہ ان سے پھر گئے، اور جنہوں نے تھوڑی دیر پہلے مرجا کہا کہ استقبال کیا تھا، ان ہی کی جانب سے یہ جواب ملا کہ ”تم تڑپ تڑپ کر مرجاؤ مگر تم کو پانی کا ایک قطرہ نہیں مل سکتا“، یہ خشک جواب سن کر ابو امامہؓ تپتی ہوئی ریت پر سو گئے، خواب میں قدرت الہی نے سیراب کر دیا، سو کر اٹھے تو قبیلہ والے اپنی بد خلقی پر باتیں کر رہے تھے کہ تمہارے سرداروں میں سے ایک شخص تمہارے پاس آیا، اور تم نے دودھ اور خرے تک سے اس کی توضیح نہ کی اس احساس کے بعد اہل قبیلہ نے ان کے سامنے دودھ اور خرما پیش کیا، مگر انہوں نے اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور کہا: ”خدا نے مجھ کو سیراب کر دیا ہے، حافظ ابن حجر کی روایت کے مطابق ان کا قبیلہ آخر میں ان کی کوششوں سے مشرف باسلام ہو گیا۔“



حضرت ابو بصیر کا قبول اسلام

ابو بصیر اس زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے جب تعزیرات مکہ میں اس کی ادنیٰ سزا قید و بند تھی، چنانچہ ابو بصیرؓ اسلام کے جرم میں قید خانہ میں ڈال دیئے گئے، صلح حدیبیہ کے زمانہ میں جب آنحضرت ﷺ مکہ تشریف لائے، تو ابو بصیرؓ کسی نہ کسی طرح چھوٹ کر آپ ﷺ کے پاس پہنچے، اس وقت صلح ہو چکی تھی، اس کی دفعات میں ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ جو مسلمان مشرکین کے پاس سے بھاگ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس چلا جائے گا اس کو آپ واپس کر دیں گے، اس لیے ان کے آنے کے بعد ہی ازہر بن عبدعوف احنس بن شریق نے آنحضرت ﷺ کے پاس آدمی بھیجے کہ وہ معاہدہ کی رو سے ابو بصیر کو واپس لے آئیں، آنحضرت ﷺ کو ابو بصیرؓ کی واپسی کے نتائج معلوم تھے، لیکن معاہدہ کی پابندی کے خیال سے آپ ﷺ نے ابو بصیرؓ سے فرمایا کہ ”ہم نے ان لوگوں سے جو معاہدہ کیا ہے وہ تم کو معلوم ہے، ہمارے مذہب میں بدعہدی، فریب بہت بری چیز ہے، اس لیے اس وقت تم واپس چلے جاؤ، آئندہ خدا تمہاری اور دوسرے ناتواں اور مظلوم مسلمانوں کی رہائی کا کوئی نہ کوئی سامان کر دے گا“، ابو بصیرؓ مشرکین کے مظالم کا تجربہ کر چکے تھے، اس لیے عرض کیا: ”یا رسول اللہ ﷺ! آپ مجھ کو مشرکین کے حوالہ کرتے ہیں کہ وہ میرے مذہب میں مجھے فتنہ میں مبتلا کریں“، آپ ﷺ نے فرمایا: ”ابو بصیرؓ جاؤ عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے اور دوسرے کمزور مسلمانوں کے لیے کوئی راہ نکال دے گا، اور مکرر حکم کے بعد چون و چرا کی گنجائش نہ تھی، اس لیے راضی برضا ہو کر قریش کے آدمیوں کے ساتھ واپس چلے گئے۔

ذوالحلیفہ پہنچ کر ساتھ لے جانے والے آدمی کھجوریں کھانے کے لیے ٹھہر گئے، ابو بصیرؓ نے ان میں سے ایک سے کہا: ”واللہ! تمہاری تلوار کتنی اچھی ہے“، دوسرے نے بھی اس کی تائید کی، تلوار میان سے کھینچ کر کہا: ”ہاں واللہ! نہایت عمدہ تلوار ہے، میں نے اس کا بارہا تجربہ کیا ہے“، ابو بصیرؓ نے کہا: ”لاؤ ذرا میں بھی دیکھوں اور تلوار لے کر اس شخص کو وہیں ڈھیر کر دیا“، دوسرا آدمی خوف سے بھاگ نکلا اور مدینہ جا کر مسجد نبوی میں پہنچا، آنحضرت ﷺ نے اسے بدحواس دیکھ کر فرمایا: ”یہ خوف زدہ معلوم ہوتا ہے“، قریب جا کر اس شخص نے واقعہ بیان کیا کہ ”میرا ایک ساتھی اس طرح سے مار ڈالا گیا، اور میری جان بھی خطرہ میں ہے“، ابھی یہ شخص واقعہ بیان کر رہا تھا کہ ابو بصیرؓ بھی پہنچ گئے اور عرض کی ”یا نبی ﷺ! آپ کو خدا نے ذمہ داری سے سبک دوش کر دیا، آپ ﷺ نے مجھے معاہدہ کے مطابق واپس کر دیا تھا، خدا نے مجھے نجات دلا دی“، آنحضرت ﷺ نے ان کی باتیں سن کر فرمایا: ”یہ شخص بھی آتش جنگ بھڑکانے کا آلہ ہے، اگر اسے کچھ مددگار اور ساتھی مل جائیں“، ابو بصیرؓ نے یہ سنا تو سمجھے کہ آپ ﷺ پھر لوٹا دیں گے، اس لیے مدینہ سے ساحلی مقامات کی طرف نکل گئے، کچھ دنوں بعد اسی قسم کے ایک اور ستم رسیدہ بزرگ حضرت ابو جندلؓ بھی پہنچ گئے ان دونوں نے دوسرے بلاکشان ستم کے لیے راستہ کھول دیا، اور مظلوم مسلمان قریش کے پنچہ ظلم سے بھاگ بھاگ کر یہاں جمع ہونے لگے، چند دنوں میں ان کی خاصی جماعت ہو گئی، اتفاق سے قریش کے کاروان تجارت کا گذرگاہ یہی تھا، جب کوئی قافلہ گزرتا تو یہ لوگ اہل قافلہ کو قتل کر کے سامان لوٹ لیتے، اس سے قریش کی تجارت خطرہ میں پڑ گئی، چنانچہ انہوں نے عاجز آ کر آنحضرت ﷺ کے پاس آدمی بھیجا کہ خدا اور صلہ رحمی کا واسطہ اس مصیبت سے ہم کو نجات دلائیے، آئندہ سے جو مسلمان بھاگ جائے گا وہ آزاد ہے، اس پر کلام اللہ کی یہ آیت نازل ہوئی:

﴿هُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ﴾ (وہی سے جس

نے مشرکین کا ہاتھ تم سے اور تمہارا ہاتھ ان سے روک دیا)
 اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے اس آزاد گروہ کے پاس لکھ بھیجا کہ ابو جندلؓ اور
 ابو بصیرؓ ہمارے پاس چلے آئیں، اور دوسرے لوگ اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے
 جائیں، یہ خط ایسے وقت پہنچا کہ حضرت ابو بصیرؓ بستر مرگ پر تھے، خط ہاتھ میں لے کر
 پڑھنے لگے، پڑھتے پڑھتے روحِ نفسِ معصری سے پرواز کر گئی، ابو جندلؓ نے نماز جنازہ
 پڑھا کر اسی ویرانہ میں سپرد خاک کیا اور یادگار کے طور پر قبر کے پاس ایک مسجد بنا دی۔



حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

ابو جندلؓ اس وقت مشرف باسلام ہوئے، جب ان کا گھر اسلام دشمنی سے تیرہ و تار ہو رہا تھا، ان کے والد سہیل نے اسلام کے جرم میں ان کے پیروں میں پیڑیاں ڈال کر قید کر دیا، اور وہ کئی برس تک قید خانہ میں گرفتار رہے، (۶ھ) میں صلح حدیبیہ کے موقع پر ان کے والد سہیل قریش کی جانب سے معاہدہ صلح لکھانے کے لیے آئے، جب معاہدہ کی کتابت شروع ہوئی اور یہ دفعہ زیر بحث تھی کہ قریش کا جو آدمی بھی خواہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو مسلمانوں کے پاس چلا جائے گا تو مسلمان اس کے واپس کرنے پر مجبور ہوں گے، ابھی اس پر بحث ہو رہی تھی اور قلم بند نہ ہوئی تھی کہ ابو جندلؓ جو کسی طرح موقع پا کر نکل آئے تھے، پیڑیاں پہنے ہوئے پہنچ گئے، اور اپنے کو مسلمانوں کے سامنے ڈال دیا، سہیل نے کہا: ”محمد ﷺ شرائط صلح پورا کرنے کا یہ پہلا موقع ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ”ابھی صلح نامہ مکمل نہیں ہوا ہے اگر ابو جندلؓ واپس نہ گئے تو پھر ہم کو کسی شرط پر صلح منظور نہیں،“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ابو جندلؓ کو یہیں رہنے دو،“ سہیل نے کہا: ”یہ نہیں ہو سکتا،“ آپ ﷺ نے بہت اصرار کیا، لیکن سہیل کسی طرح ابو جندلؓ کو مسلمانوں کے پاس چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوا، آنحضرت ﷺ کو معاہدہ کی پابندی کا بڑا خیال تھا، اس لیے سہیل کے اصرار پر ابو جندلؓ کو حوالہ کرنے کے لیے آمادہ ہو گئے، ابو جندلؓ کو کافروں نے اتنا مارا تھا کہ ان کے بدن پر نشان پڑ گئے تھے، جب انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ انہیں واپس کر دیں گے تو مجمع کو مار کے نشانات دکھا کر فریاد کی کہ ”مسلمانو! پھر مجھے کفار کا نشانہ ستم بنانے اور اس مصیبت میں

بتلا رہنے کے لیے کافروں کے حوالے کئے دیتے ہو، ان کی فریاد پر حضرت عمرؓ بہت متاثر ہوئے، آنحضرت ﷺ سے عرض کیا: ”کیا آپ ﷺ پیغمبر برحق نہیں ہیں؟“ فرمایا: ”بے شک ہوں“، ”پھر کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں ہیں؟“ فرمایا: ”پیشک ہیں“، عرض کیا: ”پھر ہم کیوں دپ کر صلح کریں؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں خدا کا پیغمبر ہوں، اور اس کے حکم کی نافرمانی نہیں کر سکتا وہی میرا مددگار ہے۔“

عرض اس طرح ابو جندلؓ کو پابجولاں واپس کر دیا، ابو جندلؓ نے پھر فریاد کی کہ ”مسلمانو! کیا میرے مذہب میں رخنہ ڈالوانے کے لیے مجھے قریش کے حوالہ کرتے ہو؟“ آنحضرت ﷺ نے ان کی ولد ہی کی کہ ”ابو جندلؓ صبر و ضبط سے کام لو، خدا تمہارے اور دوسرے مظلوم مسلمانوں کے لیے کوئی راستہ پیدا کرے گا، ہم صلح کر چکے اور صلح کے بعد ان سے بد عہدی نہیں کر سکتے“، اس ارشاد کے بعد مزید چوں و چرا کی گنجائش نہ تھی، چنانچہ ابو جندلؓ خاموشی کے ساتھ چلے گئے، اور کچھ دنوں کے بعد کسی طرح قید سے چھوٹ کر حضرت ابو بصیرؓ کی جماعت میں شریک ہو گئے، اور عرصہ تک ان کے ساتھ رہے۔ (دیکھئے حالات ابو بصیرؓ)۔



حضرت ابو بکرؓ کا قبول اسلام

ابو بکرؓ طائف کے ایک رئیس کی غلامی میں تھے، جب آنحضرت ﷺ نے طائف کا محاصرہ کیا تو عام اعلان فرمایا کہ ”جو آزاد ہم سے مل جائے گا وہ مامون ہے، اور جو غلام چلا آئے گا وہ آزاد ہے“، یہ اعلان سن کر رؤسائے طائف کے بہت سے غلام اسلام کے دامن حریت میں آ گئے، ان میں ایک ابو بکرؓ بھی تھے، اعلان کے مطابق آپ ﷺ نے انہیں آزاد فرمایا، لیکن آزادی کے بعد ہی وہ اپنے کو آقائے دو عالم ﷺ کا غلام ہی کہتے تھے۔

لوگوں سے کہتے تھے ”میرے لیے یہ فخر کافی ہے کہ تمہارا دینی بھائی اور سرکار رسالت ﷺ کا غلام ہوں“، آزادی کے بعد قدیم آقائے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: ”میرا غلام میرے حوالے کیا جائے“، آپ ﷺ نے فرمایا: ”وہ اللہ ورسول کے آزاد کردہ ہیں، اس لیے اب واپس نہیں کئے جاسکتے۔“



حضرت ابو رفاعہ عدویؓ کا قبول اسلام

عالم بآفتاب مکہ کے بعد کسی زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے، اسلام کا واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ مسجد میں خطبہ دے رہے تھے، کہ ابو رفاعہؓ پہنچے اور قریب جا کر عرض کیا: ”یا رسول اللہ ﷺ! ایک غریب الدین اپنے دین کے بارے میں سوال کرنے آیا ہے، وہ نہیں جانتا کہ اس کا مذہب کیا ہے۔“

اس سوال پر آپ ﷺ نے خطبہ روک کر اپنے پاس بلایا اور ایک کرسی پر جس میں لوہے کے پائے لگے ہوئے تھے بیٹھ کر ان کو ضروری تعلیم دی۔



حضرت ابوسفیانؓ بن حارث کا قبول اسلام

ابوسفیان کے والد حارث آنحضرت ﷺ کے حقیقی چچا تھے، اور ابوسفیان نے حضرت حلیمہ سعدیہؓ کا دودھ پیا تھا اس لیے وہ نسبی اور رضاعی دونوں رشتوں سے آنحضرت ﷺ کے بھائی تھے، عمر میں بھی آپ ﷺ کے برابر تھے، اس لیے دونوں میں غایت درجہ الفت و محبت تھی۔

لیکن الفت و محبت کا یہ رشتہ ظہور اسلام کے بعد ٹوٹ گیا، دوسرے سرداران قریش کی طرح ابوسفیان بھی رسول اللہ ﷺ کے اتنے مخالف ہو گئے کہ ان کی مخالفت دشمنی اور عناد کے درجہ تک پہنچ گئی تھی، آنحضرت ﷺ کی مخالفت اور اسلام کے مٹانے کو انہوں نے اپنا مقصد حیات بنا لیا تھا، چنانچہ فتح مکہ سے پہلے مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان جس قدر معرکے ہوئے، ابوسفیان ان سب میں پیش پیش تھے، ان کی ساری قوتیں آنحضرت ﷺ اور اسلام کے خلاف صرف ہوتی تھیں، شاعر تھے، اس لیے آنحضرت ﷺ کی ہجو کہہ کر کوچہ و بازار میں سناتے پھرتے تھے، طوطی اسلام حضرت حسان بن ثابتؓ نے ان اشعار میں انہیں کی ہجو کا ذکر کیا ہے۔

ألا بلغ أباسفیان عنی

مغلغلة فقد برح الخفاء

هجوت محمدا فأجبت عنه

وعند الله في ذاك الجزاء

(ابوسفیان کو میری جانب سے یہ پیام پہنچا دو کہ پردہ اٹھ گیا، تم نے محمد

ﷺ کی جھوکی، میں نے اس کا جواب دیا اور اس جواب میں خدا کے پاس میرے لیے جزا ہے)

کال میں برس تک یہ معاندانہ روش قائم رہی، فتح مکہ سے کچھ دنوں پہلے جب آنحضرت ﷺ فتح مکہ کی تیاریوں میں مصروف تھے، اور مکہ میں آپ ﷺ کی آمد کی خبر پھیل رہی تھی، ابوسفیان نے ایک دن بیوی سے کہا: ”محمد ﷺ آنے والے ہیں، تم لوگ یہاں سے نکل چلو“، نیک خاتون نے جواب دیا: ”عرب و عجم محمد ﷺ کے مطیع ہوتے ہیں، لیکن تم اب تک اسی بغض و عداوت پر قائم ہو، حالانکہ تم پر ان کی امداد و اعانت کا زیادہ حق ہے“، بیوی کی بات دل میں اثر کر گئی، اسی وقت سواری کا انتظام کیا، اور اپنے لڑکے جعفر کو ساتھ لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں چل کھڑے ہوئے، اس وقت مسلمان کا مقدمہ الجیش مقام ابواء تک پہنچ چکا تھا، ابوسفیان اشتہاری مجرم تھے، ہر آن جان کا خطرہ لگا ہوا تھا، ڈرتے ڈرتے چھپتے چھپاتے کسی طرح مسلمانوں کے لشکر گاہ تک پہنچے اور دفعۃً رسول اللہ ﷺ کے سامنے آ گئے، آپ ﷺ کا دل ان کے گزشتہ اعمال کی وجہ سے سخت متنفر تھا، اس لیے نظر پڑتے ہی منہ پھیر لیا، ابوسفیان اس رخ پر آ گئے، تو آپ ﷺ نے دوسری طرف منہ پھیر لیا، یہ دیکھ کر مسلمان انہیں پکڑنے کے لیے بڑھے، ابوسفیان سمجھے اب کام تمام ہوا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے رحم و کرم، عفو و درگزر اور آپ ﷺ کے ساتھ اپنی گونا گوں رشتہ داریوں کا واسطہ دلا کر مسلمانوں کو روکا۔

ابوسفیان کی پوری زندگی آنحضرت ﷺ، اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت میں گذری تھی، انہوں نے آپ ﷺ کی تحقیر و تذلیل، مسلمانوں کی ایذا رسانی اور اسلام کو ختم کرنے کا کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا تھا، اس لیے رسول اللہ ﷺ کے دل میں ان کے لیے کوئی جگہ باقی نہ رہ گئی تھی، اور آپ ﷺ کسی طرح درگزر فرمانے پر آمادہ نہ تھے، آخر میں ابوسفیان نے ام المومنین حضرت ام سلمہ کو درمیان میں ڈالا، انہوں نے

سفارش کی کہ اپنے ابن عم کو مایوس مت کیجئے، فرمایا: ”مجھے ایسے ابن عم کی ضرورت نہیں ہے، انہوں نے میری آبروریزی کا کون سا دقیقہ اٹھا رکھا ہے“، ابوسفیان سے کچھ بن نہ پڑتا تھا، گزشتہ زندگی پر سخت نادم و شرمسار تھے، لیکن بارگاہ نبوی میں کوئی شنوائی نہ ہوئی، جب بالکل مایوس ہو گئے تو کہا: ”خیر اگر عفو و کرم کا دروازہ بالکل بند ہو چکا ہے تو جان سے ہم بھی گذر جائیں گے سوچا ہے یہی

اور اس کسمن بچے کو ساتھ لے کر در بدر مارے مارے پھریں گے اور بھوک پیاس سے تڑپ تڑپ کر جان دے دیں گے، ابوسفیان لاکھ مجرم سہی پھر بھی چھیرے بھائی تھے، آنحضرت ﷺ کے کانوں تک اس عزم کی خبر پہنچی تو دل بھر آیا اور نفرت و حقارت کے سارے جذبات مہر و محبت سے بدل گئے۔

ابوسفیان کو سامنے آنے کی اجازت ملی، دونوں باپ بیٹے عمامہ باندھے ہوئے سامنے لائے گئے اور ”السلام علیک یا رسول اللہ ﷺ“ کہہ کر آگے بڑھے، آپ ﷺ نے فرمایا: ”ان کے چہروں سے ڈھاٹا ہٹاؤ صورت تو دکھائی دے“، لوگوں نے ڈھاٹا ہٹایا اور رسول اللہ ﷺ کو اثر پذیر کرنے کے لیے ان کا نسب بیان کیا، اس کے بعد باپ بیٹے دونوں کلمہ پڑھ کر مشرف باسلام ہو گئے، آنحضرت ﷺ نے ان کی ایک ہجو کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: ”ابوسفیان! تم نے مجھ کو کب نکالا تھا“، عرض کیا: ”یا رسول اللہ ﷺ اب زیادہ ملامت کر کے شرمندہ نہ کیجئے“، فرمایا: ”اب کوئی ملامت نہیں“، اور حضرت علیؑ کو حکم دیا کہ اپنے ابن عم کو لے جاؤ اور وضو اور سنت کی تعلیم دے کر میرے پاس لاؤ، حضرت علیؑ ساتھ لے گئے اور نہلا کر واپس لائے، آنحضرت ﷺ نے نماز پڑھائی پھر مسلمانوں کو حکم ہوا کہ اعلان کرو کہ ابوسفیان سے خدا اور رسول راضی ہو گیا اس لیے تم بھی راضی ہو جاؤ۔

اسلام کے بعد تلافی مافات کی فکر ہوئی، غزوہ حنین میں جب مشرکین کے ریلے کی وجہ سے مسلمان آنحضرت ﷺ کے چاروں طرف سے منتشر ہو گئے، اور ایک عام

بے ترتیبی پھیل گئی، اس وقت بھی ابوسفیان اپنی جگہ پر جمے رہے، اور شمشیر برہنہ لے کر گھوڑے کی پیٹھ پر سے کود پڑے، حضرت عباسؓ نے یہ جانبازی دیکھ کر پھر رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ ”اپنے بھائی کی خطاؤں کو معاف کر دو“، فرمایا: ”میں نے معاف کر دیا، خدا ان کی تمام عداوتوں کو جو انہوں نے میرے ساتھ کی ہیں معاف فرمائے“، اور شفقت برادرانہ میں ابوسفیان سے فرمایا: ”میری عمر کی قسم! تم میرے بھائی ہو“، اس برادرانہ اور شفقت آمیز خطاب پر ابوسفیان نے قدم مبارک چوم لیے، اور آپ ﷺ کی سواری کی لگام تھام کر مشرکین کے سامنے سینہ سپر ہو گئے، آنحضرت ﷺ نے اس فدویت و جاں نثاری پر ”اسد اللہ اور اسد الرسول“ کا معتز لقب عطا کیا۔

وفات کے وقت خود اپنی ہی قبر کھود کر اپنی پہلی منزل تیار کی، جب حالت زیادہ نازک ہوئی تو رشتہ داروں نے رونا دھونا شروع کر دیا ان کا رونا سن کر فرمایا: ”اسلام کے بعد سے آج تک کوئی گناہ نہیں ہو اس لیے رونا دھونا بند کرو“، قبر کھودنے کے تیسرے دن وفات پا گئے۔



حضرت ابوسفیانؓ بن حرب کا قبول اسلام

ظہور اسلام کے وقت اس کی سب سے زیادہ مخالفت ان ہی لوگوں کی جانب سے عمل میں آئی جو قریش کے سب سے بااثر رئیس تھے، اور بنی ہاشم کے حریف تھے، اور اس لیے اسلام اور پیغمبر اسلام کے ساتھ انہیں دوہری مخالفت تھی، چنانچہ وہ آنحضرت ﷺ کی ایذا رسانی، مسلمانوں کی مخالفت، اور اسلام کو مٹانے میں سب سے پیش پیش رہتے تھے، اسلام مٹانے میں انہوں نے اپنی پوری قوتیں صرف کر دیں، آغاز دعوت اسلام سے لے کر فتح مکہ تک اسلام کی مخالفت اور اسکی بیخ کنی کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا، دعوت اسلام کے آغاز میں قریش کا جو وفد آنحضرت ﷺ کے چچا ابوطالب کے پاس آپ ﷺ کی شکایت لے کر گیا تھا اس کے ایک رکن ابوسفیان بھی تھے۔

پھر آنحضرت ﷺ کے قتل کرنے کی جو سازش ہوئی تھی، جس کے سبب سے آپ ﷺ نے ہجرت فرمائی تھی اس میں بھی ابوسفیان کا ہاتھ شامل تھا، کفر و اسلام کا سب سے پہلا مقابلہ بدر میں ہوا، اس میں ابوسفیان شریک نہ ہو سکے اس وقت وہ کاروان تجارت لے کر گئے ہوئے تھے۔

بدر میں بڑے بڑے معززین قریش مارے گئے تھے، اس لیے سارا قریش جذبہ انتقام میں ویوانہ ہو رہا تھا، ابو جہل اور عتبہ بن ربیعہ مارے جا چکے تھے، ان کے بعد قریش کی مسند ریاست پر ابوسفیان بیٹھے، اس لیے بحیثیت سردار قوم کے مقتولین بدر کا انتقام ان کا پہلا فرض تھا، اس کے علاوہ خود ان کا ایک لڑکا حنظلہ مارا گیا تھا، اس لیے یہ انتقام اور زیادہ موکد ہو گیا تھا، اور انہوں نے حلف لے لیا تھا کہ جب تک محمد ﷺ

سے بدر کا انتقام نہ لے لیں گے، اس وقت تک عورتوں کو نہ چھوئیں گے، اس حلف کے بعد دو سو سواروں کا دستہ لے کر مدینہ پہنچے، یہاں کے یہود مسلمانوں کے خلاف تھے، اس لیے ابوسفیان ایک یہودی رئیس حی بن اخطب کے پاس گئے، رات کا وقت تھا، گھروں کے دروازے بند ہو چکے تھے، ابوسفیان نے حی کا دروازہ کھٹکھٹایا مگر اس نے دشمن کے خوف سے نہ کھولا، اس لیے ابوسفیان اس کے دروازہ سے لوٹ آئے، اور ایک دوسرے ممتاز یہودی اور بنی نضیر کے سردار اور خزائنچی سلام بن مشکم کے پاس پہنچے، اس نے نہایت پر تپاک استقبال کیا اور بڑی خاطر تواضع کی، کھانا کھلایا، شراب پلائی، اور ابوسفیان کی مہم کے متعلق بہت سی راز کی باتیں بتائیں، صبح کو ابوسفیان نے مدینہ کے قریب عریض پر حملہ کر کے کھجور کے باغوں کی ٹٹیاں جلا ڈالیں، اور ایک انصاری اور اس کے حلیف کو قتل کر کے لوٹ آئے، آنحضرت ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی، تو آپ ﷺ نے تعاقب کیا قرقرۃ الکد میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ ابوسفیان بہت آگے نکل چکا ہے، اس لیے واپس تشریف لے آئے۔

اس واقعہ سے ایک حد تک ابوسفیان کی قسم پوری ہو گئی، لیکن ابھی مقتولین بدر کا انتقام باقی تھا، اور جن جن لوگوں کے اعزہ و اقربا مارے گئے تھے، وہ انتقام کے لیے بے چین تھے، چنانچہ ابو جہل کالز کا عکرمہ، عبداللہ بن ربیعہ، صفوان بن امیہ، اور جن جن لوگوں کے اعزہ و اقربا مارے گئے تھے ابوسفیان کے پاس پہنچے، اور کہا آپ ﷺ لوگ اپنے کاروان تجارت کا نفع ہم کو دیدیتے کہ اس کے ذریعہ ہم لوگ محمد ﷺ کے مقابلہ کا سامان کریں، ابوسفیان نے کہا: ”میں اپنا حصہ سب سے پہلے دیتا ہوں اور اس کے علاوہ قریشی خاندان کے ہر ممبر نے نہایت فراخ دلی کے ساتھ چندہ دیا۔“

غرض قریش تیاریاں کر کے بڑے سر و سامان سے مسلمانوں کو ختم کرنے کے لیے نکلے، اور مدینہ کے پاس کوہ احد پر فوجیں اتاریں، آنحضرت ﷺ سات سو جاں نثاروں کی مختصر جماعت لے کر مدافعت کے لیے تشریف لے گئے، احد پر دونوں کا

مقابلہ ہوا، مسلمانوں کی جاں فروشی نے کفر کی ٹڈی دل کو پسپا کر دیا، آنحضرت ﷺ نے صف بندی کے وقت مسلمانوں کا ایک دستہ پشت پر حفاظت کے لیے متعین کر دیا تھا کہ مخالفین پیچھے سے حملہ آور نہ ہو سکیں، مشرکین کی پسپائی کو دیکھ کر اس دستہ نے مال غنیمت کی طمع میں اپنا مرکز چھوڑ دیا، خالد بن ولید مشرکین کے دستہ کے لیے ہوئے منڈلا رہے تھے، انہوں نے میدان خالی پا کر پیچھے سے حملہ کر دیا، مسلمان اس ناگہانی حملہ کی تاب نہ لاسکے اور بہت بری طرح پیچھے ہٹے، بہت سے مسلمان اس پسپائی میں شہید ہو گئے، آنحضرت ﷺ کا چہرہ انور زخمی اور دندان مبارک شہید ہوئے، آپ کے پاس چند جانثاروں کے علاوہ کوئی باقی نہ رہ گیا تھا، ہر شخص اپنی جگہ بدحواس ہو رہا تھا، اس لیے آپ کی شہادت کی خبر اڑ گئی، ابوسفیان کامیابی کے نشہ میں مغموم تھا، بولا: ”آج کا دن بدر کا جواب ہے۔“

(۸) میں جب آنحضرت ﷺ نے تطہیر کعبہ کے لیے مکہ پر فوج کشی کا ارادہ کیا، تو گوٹھی رکھنے کا اہتمام کیا تھا، مگر مکہ میں آپ ﷺ کی آمد کی خبریں پہنچ گئیں، اس وقت وہ مشرکین قریش جنہوں نے آپ ﷺ کو نہایت بے کسی کی حالت میں اس ارض مقدس سے جلا وطن کیا تھا، اپنے انجام سے بہت گھبرائے کہ اب اسلام کے سیلاب کو روکنا ان کے بس سے باہر ہو چکا تھا، آنحضرت ﷺ نے مکہ کے قریب پہنچ کر مرالظہر ان میں قیام فرمایا، ابوسفیان، حکیم بن حزام، اور بدیل بن ورقاء تحقیقات کے لیے نکلے تھے، دور سے دیکھا کہ مرالظہر ان کا میدان رات کی تاریکی میں روشنی کی کثرت سے وادی ایمن بنا ہوا ہے، ابوسفیان نے کہا: ”یہاں عرفہ کی جیسی روشنی کیسے ہو رہی ہے؟“ بدیل نے کہا: ”بنی عمرو! آگ روشن کئے ہیں،“ ابوسفیان نے اعتراض کیا کہ ”ان کی تعداد اتنی کہاں ہے۔“

گو قریش نے مسلمانوں پر بڑی ستم آرائیاں کی تھیں، پھر بھی وہ رسول اللہ ﷺ اور اکثر اکابر صحابہ کے ہم خاندان تھے، اور ان میں ان کے اعزہ واقربا بھی موجود تھے،

اس لیے حضرت عباسؓ کے دل میں خیال آیا کہ اگر آنحضرت ﷺ مکہ میں داخل ہوئے اور قریش نے پہلے سے جان و مال کی امان نہ لے لی تو سب تباہ ہو جائیں گے، چنانچہ وہ اس تلاش میں نکلے کہ اگر مکہ جانے والا کوئی آدمی مل جائے، تو اس کی زبانی قریش سے کہلا بھیجیں کہ رسول اللہ ﷺ منظر الظہر ان تک پہنچ چکے ہیں، وہ لوگ آ کر جان بخشی کرالیں، اتفاق سے حضرت عباسؓ اسی سمت گئے جدھر ابوسفیان اور بدیل تھے، ابوسفیان کی آواز سن کر حضرت عباسؓ نے ان کو پکارا انہوں نے آواز پہچان کر کہا: ”ابو الفضل“؟ حضرت عباسؓ نے فرمایا: ”ہاں میں ہوں“، ابوسفیان بولے: ”میرے ماں باپ فدا ہوں، تم یہاں کہاں؟“ فرمایا: ”رسول اللہ ﷺ اور مسلمان آگئے ہیں“، ابوسفیان نے سر اسیمہ ہو کر کہا: ”پھر کوئی تدبیر بتاؤ“، حضرت عباسؓ نے ان کے ساتھیوں کو لوٹا دیا اور انہیں غنہ تقصیر کے لیے اپنے ساتھ سوار کر کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے چلے۔

حضرت عباسؓ ابوسفیان کو لے تو چلے، مگر وہ اشتہاری مجرم تھے، اور تمام مسلمان ان سے خار کھاتے تھے، روشنی کی کثرت اور بھی راز فاش کئے دیتی تھی، قدم قدم پر لوگ سوال کرتے کہ کون ہے؟ لیکن پھر رسول اللہ ﷺ کا اونٹ اور حضرت عباسؓ کو دیکھ کر سمجھ جاتے کہ رسول اللہ ﷺ کے چچا ہیں، حضرت عباسؓ لوگوں کی نظریں بچاتے ہوئے آرہے تھے، لیکن وہ حضرت عمرؓ کی قیام گاہ کے سامنے سے گزرے تو انہوں نے ابوسفیان کو پہچان لیا، اور جوش غضب میں بے تاب ہو کر چلائے، ”اود ثمن خدا! خدا کا شکر ہے اس نے بلا کسی عہد و پیمان اور ذمہ داری کے تجھ پر قابو دے دیا“، مگر حضرت عباسؓ ساتھ تھے، اس لیے حضرت عمرؓ سیدھے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں گئے، لیکن حضرت عباسؓ ان سے پہلے پہنچ چکے تھے، حضرت عمرؓ نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ ﷺ! یہ ابوسفیان ہے، خدا نے اس کو بغیر عہد و پیمان کے ہمارے حوالہ کر دیا ہے، اجازت دیجئے کہ اس دشمن خدا کی گردن اڑا دوں“،

حضرت عباسؓ نے فرمایا: ”یا رسول اللہ ﷺ! میں نے ان کو امان دے دی ہے“، ابو سفیان کا سر پکڑ کے بیٹھ گئے، حضرت عمرؓ برابر ابو سفیان کے قتل پر مصر تھے ان کا اصرار دیکھ کر حضرت عباسؓ نے فرمایا: ”عمرؓ! اگر تمہارے قبیلہ کا کوئی شخص ہوتا تو تم ہرگز اتنا اصرار نہ کرتے، لیکن تم کو بنی عبدمناف کی کیا پرواہ“، حضرت عمرؓ نے اس طنز کے جواب میں کہا: ”عباسؓ! خدا کی قسم مجھ کو تمہارے اسلام کی اتنی خوشی ہوئی کہ اپنے باپ خطاب کے اسلام لانے سے نہ ہوتی“، آنحضرت ﷺ نے حضرت عباسؓ سے فرمایا: ”اس وقت انہیں لے جا کر اپنے پاس سلاؤ صبح کو فیصلہ کیا جائے گا۔“

اس ارشاد پر حضرت عباسؓ ابو سفیان کو ساتھ لے گئے، رات بھر پاس رکھا، اور صبح کو حسب ہدایت بارگاہ نبوی میں لا کر حاضر کیا، اور وقت اسلام اور مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن آنحضرت ﷺ کے خون کا پیاسا، جس نے آپ ﷺ کی تحقیر و تذلیل اور جان لینے تک میں کوئی تامل نہ کیا تھا، مسلمانوں کو طرح طرح سے اذیتیں دی تھیں، اسلام کو مٹانے میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھا تھا، بے کس و لاچار اور بے حامی و مددگار بارگاہ رسالت میں حاضر تھا، اور رحمة للعالمین کے وامن عفو و کرم کے علاوہ دنیا میں اس کے لیے کوئی جائے پناہ نہ تھی، بارگاہ رسالت سے اس سنگین مجرم کے لیے قتل کی سزا نہیں تجویز ہوتی، قید خانہ کی چار دیواری میں بند نہیں کیا جاتا، جلائے وطن کا حکم نہیں ملتا، بلکہ ﴿وما أرسلناک الا رحمة للعالمین﴾ کی عملی تفسیر ہوتی ہے، فرماتے ہیں: ”ابو سفیان! افسوس کا مقام ہے کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ خدا کی وحدانیت کا اقرار کرو“، اس سوال پر وہ زبان جو معلوم نہیں کتنی مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے دل پر تیر و نشتر لگا چکی تھی یوں گویا ہوتی ہے ”میرے ماں باپ آپ ﷺ پر فدا ہوں، آپ ﷺ کتنے بڑے شریف اور کتنے بڑے صلہ رحم کرنے والے ہیں، خدا کی قسم! اگر خدا کے سوا کوئی اور معبود ہوتا تو آج میرے کام نہ آتا“، پھر ارشاد ہوتا ہے ”ابو سفیان! تمہاری حالت قابل افسوس ہے، کیا اب بھی وہ وقت نہیں آیا کہ تم مجھے خدا کا رسول مانو“، جاہلی حیثیت

اور قومی عصبیت اب بھی اعتراف رسالت کی اجازت نہیں دیتی تھی، جو اب ملتا ہے
 ”میرے ماں باپ آپ ﷺ پر فدا ہوں، آپ کس قدر حلیم، کس قدر شریف، اور کس
 قدر صلہ رحمی کرنے والے ہیں، خدا کی قسم! ابھی تک مجھ کو اس میں شک ہے،“ حضرت عبا
 سؓ یہ جاہلی حمیت سن کر ڈانٹتے ہیں ”ابوسفیان اس سے پہلے کہ تمہارا سرتن سے جدا ہوا
 لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہہ لو“ حضرت عباسؓ کی ڈانٹ پر ابوسفیان کلمہ توحید
 پڑھتے ہیں، اور وہ سرکش جو جاہلی رعوت سے خدا کے سامنے بھی نہ جھکتا تھا آستان نبوی
 پر خم ہو جاتا ہے، اور آنحضرت ﷺ نہ صرف ابوسفیان کی جاں بخشی کا اعلان فرماتے
 ہیں، بلکہ اس کے گھر کو جس میں بارہا مسلمانوں کے خلاف سازشیں ہو چکی تھیں، رسول
 اللہ ﷺ کے قتل کے مشورہ ہو چکے تھے، ”جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے وہ بھی
 مامون ہے“ کے اعلان کرم سے بیت الامن قرار دیتے ہیں۔



حضرت ابوالعاصؓ کا قبول اسلام

ابوالعاص حضرت خدیجہؓ کے بھانجے تھے، وہ انہیں بہت محبوب رکھتی تھیں، اور اپنا لڑکا تصور کرتی تھیں، وہ نہایت مالدار آدمی تھے، زمانہ جاہلیت میں ان کا نہایت وسیع تجارتی کاروبار تھا، ان کی دیانت و امانت بھی بہت مشہور تھی، ان اوصاف کی وجہ سے حضرت خدیجہؓ نے آنحضرت ﷺ سے خواہش کی کہ ”حضرت فاطمہ زہراؓ کی بڑی بہن حضرت زینبؓ کو ان کے ساتھ بیاہ دیا جائے“، آپ ﷺ نے نزول وحی سے پہلے کسی معاملہ میں حضرت خدیجہؓ کی مخالفت نہیں کرتے تھے، اس لیے ان کی خواہش کے مطابق زینبؓ کی شادی ابوالعاص سے کر دی۔

آنحضرت ﷺ کے دعویٰ نبوت کی سب سے اول حضرت خدیجہؓ نے تصدیق کی، آپ کے ساتھ آپ کی تمام صاحبزادیاں جن میں حضرت زینبؓ بھی شامل تھیں، نور اسلام سے مستنیر ہوئیں، لیکن زینبؓ کے شوہر ابوالعاص اپنے آبائی دین پر قائم رہے، اسی لیے جب ہجرت کا حکم ملا تو وہ ہجرت نہ کر سکیں۔

غزوہ بدر میں ابوالعاص مشرکین مکہ کے ساتھ تھے، اور مشرکین کے شکست کھانے کے بعد وہ بھی دوسرے قیدیوں کے ساتھ گرفتار ہوئے، جن جن لوگوں کے اعزہ گرفتار ہوئے تھے وہ سب فدیہ لے کر انہیں چھڑانے کے لیے آئے، گو حضرت زینبؓ مسلمان ہو چکی تھیں اور ابوالعاص مشرک تھے، تاہم وہ اب تک شوہر کے ساتھ تھیں، اور ان کا دل ان کی محبت سے معمور تھا، شوہر کو قید و بند کی حالت میں نہ دیکھ سکیں، آنحضرت ﷺ نے عام قانون سے انہیں الگ نہیں کر سکتے تھے، اس لیے حضرت زینبؓ نے کچھ نقدی اور ایک

ہار جو انہیں مرحومہ ماں نے دیا تھا، شوہر کے فدیہ میں بھیجا، آنحضرت ﷺ کے سامنے یہ ہار پیش ہوا تو آپ ﷺ نے پہچان لیا اور حضرت خدیجہ کی یاد میں بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، تو آپ ﷺ نے مسلمانوں سے فرمایا: ”اگر تم لوگ بغیر اس ہار کو لیے ہوئے ابو العاص کو چھوڑ سکتے ہو تو چھوڑ دو اور ہار واپس کر دو“، مسلمانوں نے نہایت خوشی کے ساتھ منظور کر لیا، اور ابو العاص رہا کر دیئے گئے، مگر یہ وعدہ لے لیا گیا کہ وہ نہ نبؐ کو جواب تک مکہ میں تھیں، مدینہ پہنچادیں اور آنحضرت ﷺ نے حضرت زید بن حارثہؓ کو چند انصاری بزرگوں کے ساتھ نہ نبؐ کو لانے کے لیے بھیجا، بالآخر پھڑکی ہوئی لخت جگر آنغوش پدر میں پہنچ گئی۔

ابو العاص رہائی کے بعد پھر اپنے تجارتی مشاغل میں مصروف ہو گئے تھے، فتح مکہ سے کچھ دنوں پہلے قریش کا سامان تجارت لے کر ملک شام گئے، وہاں سے واپسی میں راستہ میں مسلمانوں نے روک کر ان کا کل سامان چھین لیا، جب مسلمان لوٹ گئے، تو ابو العاص اپنا مال حاصل کرنے کے لیے خفیہ حضرت نہ نبؐ کے پاس پہنچے، حضرت نہ نبؐ کو ان سے اب تک وہی محبت تھی، انہوں نے ان کو اپنے دامن حمایت میں لے لیا، اور صبح کو جب مسلمان نماز پڑھنے کے لیے گئے، تو نہ نبؐ نے باواز بلند اعلان کیا کہ ”مسلمانو! میں نے ابو العاص کو پناہ دے دی ہے“، آنحضرت ﷺ نے سلام پھیرنے کے بعد فرمایا: ”لوگو! تم نے کچھ سنا؟“ سب نے عرض کیا: ”ہاں“ آپ ﷺ نے ان کی بدگمانی دور کرنے کے لیے فرمایا: ”اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے اس سے پہلے مجھے اس واقعہ کا کوئی علم نہ تھا، ابو العاص مسلمانوں سے پناہ کا خواہاں ہے“، اس کے بعد آپ ﷺ کا شانہ اقدس پر تشریف لائے، اور حضرت نہ نبؐ سے فرمایا: ”جان پدر! اپنے شوہر کی خاطر ومدارات میں کوئی کمی نہ کرو، مگر تم قانون اسلام کی رو سے ان پر حرام ہو“، حضرت نہ نبؐ کو یہ ہدایت دے کر پھر باہر تشریف لائے اور مسلمانوں سے فرمایا کہ ”تم لوگ میری اور ابو العاص

کی قربت سے واقف ہوان کا جو مال تمہارے قبضہ میں ہے، اگر اس کو احسان کر کے واپس کر دو تو زیادہ بہتر ہے، اور اگر نہ واپس کر دو تو وہ خدا کا عطیہ اور تمہارا حق ہے، مجھ کو کوئی اعتراض و اصرار نہیں ہے، اس کے جواب میں سب نے ایک زبان ہو کر عرض کیا: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم سب واپس کرنے کو تیار ہیں“، چنانچہ ابو العاص کو ان کا کل مال واپس مل گیا اور اس میں کوئی معمولی چیز بھی باقی نہ رہی وہ یہ مال لے کر مکہ گئے اور جن جن لوگوں کا جو جو سامان تھا، سب کو پہنچا دیا، اور حساب و کتاب چکانے کے بعد پوچھا: ”اب تو کسی کا مال باقی نہیں ہے؟“ سب نے کہا: ”نہیں، خدا تم کو جزائے خیر دے ہم نے تم کو وعدہ وفا کرنے والا اور کریم پایا۔“

سب کو مطمئن کرنے کے بعد کلمہ شہادت پڑھ کر بیاگک دہل اپنے اسلام کا اعلان کیا اور کہا: ”میں مدینہ ہی میں مسلمان ہو گیا ہوتا، لیکن محض اس خیال سے کہ تم لوگوں کو یہ بدگمانی نہ ہو کہ میں نے تمہارا مال ہضم کرنے کے لیے اسلام قبول کیا ہے اب تک رکا رہا، اب جب کہ خدا نے مجھ کو تمہارے حساب و کتاب اور تمہارے بارے سے سبکدوش کر دیا، اس وقت میں نے اسلام کو ظاہر کیا۔“

مکہ میں اعلان کر کے مدینہ واپس آئے اور یہاں باقاعدہ مشرف باسلام ہوئے، ان کے قبول اسلام کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینبؓ کے ساتھ ان کے نکاح کی تجدید نہیں کی بلکہ گزشتہ نکاح برقرار رکھا، لیکن بعض روایتوں کی رو سے تجدید فرمائی تھی۔



حضرت ابو محمد زورہ کا قبول اسلام

(۸ھ) میں مشرف باسلام ہوئے، ان کے اسلام لانے کا واقعہ یہ ہے کہ ابو محمد زورہ چند مشرکین کے ساتھ کہیں جا رہے تھے، ٹھیک اسی وقت آنحضرت ﷺ غزوہ حنین سے واپس تشریف لا رہے تھے، راستہ میں ایک مقام پر منزل ہوئی، موذن نبوی نے نماز کے لیے اذان دی، ابو محمد زورہ کے ساتھیوں نے اذان کی آواز سنی تو بطور مذاق اس کی نقل اتارنے لگے، ابو محمد زورہ نے بھی نقل اتاری، ان کی آواز نہایت دلکش تھی، اس لیے مذاق میں بھی دلکشی باقی رہی، آنحضرت ﷺ نے آواز سن کر اذان دینے والوں کو بلا بھیجا، یہ لوگ آئے، آپ ﷺ نے پوچھا: ”ابھی کس نے بلند آواز سے اذان دی تھی؟“ ابو محمد زورہ کے ساتھیوں نے ان کی طرف اشارہ کر دیا، آپ ﷺ نے سب کو واپس کر دیا اور انہیں روک لیا، اور اذان دینے کی فرمائش کی، ابو محمد زورہ کو یہ فرمائش بہت گراں گزری لیکن انکار کی جرات نہ تھی، ان کو اذان سے پوری واقفیت نہ تھی، اس لیے آنحضرت ﷺ نے انہیں بتایا، انہوں نے آپ ﷺ کی زبان سے سن کر اسی کو دہرایا، زبان نبی کا یہ اعجاز تھا کہ اس مرتبہ اذان دینے میں زبان کے ساتھ دل بھی ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ پکار اٹھا، ابو محمد زورہ جو ابھی چند ساعت پہلے اذان کا مذاق اڑاتے تھے، اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے، آنحضرت ﷺ نے انہیں ایک تھیلی میں تھوڑی سی چاندی مرحمت فرمائی، اور ان کی پیشانی سے لے کر ناف تک دست مبارک پھیر کر برکت کی دعا فرمائی۔

یا ابو محمد زورہ اذان کا مذاق اڑاتے تھے، یا دفعۃً یہ تبدیلی ہوئی کہ آنحضرت ﷺ

سے درخواست کی ”یا رسول اللہ ﷺ! مجھے مکہ میں اذان دینے کی اجازت مرحمت ہو،“ آپ ﷺ نے منظور فرمایا اور ابو محذورہؓ اجازت لے کر مکہ چلے گئے، اس وقت ان کا دل محبت نبوی سے معمور ہو چکا تھا، مکہ جا کر آنحضرت ﷺ کے عامل عتاب بن اسیدؓ کے یہاں اترے، اور مستقل اذان دینے کی خدمت انجام دینے لگے، فتح مکہ کے بعد آنحضرت ﷺ نے انہیں مکہ کا مستقل مؤذن بنا دیا، مکہ کے مؤذن ہونے کی وجہ سے ہمیشہ یہیں رہے۔



حضرت ابرہہ رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

ان کے اسلام کے متعلق یہ تو متعین طور سے نہیں بتایا جاسکتا کہ کب اور کہاں قبول کیا، مگر قرآن سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ جب بہت سے صحابہ مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ گئے اور ان کو نجاشی کے دربار میں رسائی حاصل ہوئی اور ان کے ذریعہ اہل حبشہ کو اسلام سے واقف ہونے کا موقع ملا، تو خود نجاشی اور ان کے ساتھ بہت سے علمائے نصاریٰ نے اسلام قبول کیا، غالباً انہیں اسلام قبول کرنے والوں میں حضرت ابرہہ اور ان کے دوسرے رفقاء بھی تھے، جیسے حضرت ادریسؓ، حضرت اشرف حبشیؓ، حضرت بکیر حبشیؓ، حضرت تمامؓ، حضرت تمیم حبشیؓ، حضرت درید الراہبؓ، حضرت ذووجنؓ، حضرت ذوخرؓ، حضرت ذومناحبؓ، حضرت ذومہدمؓ، حضرت عامر الشامیؓ، حضرت نافع وغیرہ، اہل حبشہ میں سے جن لوگوں نے اسلام قبول کیا تھا، ان کے دل میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کا بے حد اشتیاق تھا، اتفاق سے اسی درمیان میں مہاجرین حبشہ حضرت جعفرؓ کے ساتھ مدینہ واپس آ رہے تھے تو حبشہ کے ۷۲/ آدمی خدمت نبوی میں حاضر ہوئے ان میں حضرت ابرہہ بھی مدینہ آئے اور زیارت نبوی سے مشرف ہوئے۔



حضرت اسید بن سعید کا قبول اسلام

قبیلہ ہدل جو بنو قریظہ کی ایک شاخ تھی اس سے آپ کا نسبی تعلق تھا، حضرت عبد اللہ بن سلام بھی اسی قبیلہ کے تھے۔

رسول اللہ ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے جن قبائل سے معاہدہ کیا تھا ان میں بنی قریظہ کا قبیلہ بھی تھا، معاہدہ کی رو سے مسلمان اور یہود ایک دوسرے کے خلاف کسی جنگ میں شریک نہیں ہو سکتے تھے، لیکن (۵ھ) میں انہوں نے معاہدہ شکنی کی، بنو قریظہ کا معاملہ ان کی خواہش کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ کے سپرد کر دیا تھا کہ وہ جو فیصلہ کریں گے اسی کے مطابق عمل کیا جائے گا، حضرت سعد بن معاذ نے یہ فیصلہ کیا کہ قبیلہ کے جتنے بالغ مرد ہیں وہ سب قتل کئے جائیں اور عورتیں اور بچے اور لوفڈی غلام بنالیے جائیں، جب اس فیصلہ کی خبر حضرت اسید کو ہوئی تو وہ اپنے چند احباب کے ساتھ بنو قریظہ کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ تم لوگوں کو ابن الہبیان کی بات یاد نہیں، (ابن الہبیان ایک یہودی عالم تھا جو ملک شام سے مدینہ آیا تھا، مدینہ کے یہود قحط اور دوسری مصیبتوں کے وقت اس سے دعائیں کراتے تھے، جب اس کے انتقال کا وقت آیا تو اس نے یہود کو جمع کیا اور کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ میں شام چلی سرسبز و شاداب جگہ چھوڑ کر مدینہ جیسی غیر شاداب جگہ کیوں چلا آیا، میں یہاں اس لیے آیا تھا کہ مجھے ایک نبی کا انتظار تھا جو یہاں ہجرت کر کے آئے گا، میں اگر زندہ رہتا تو اس کا اتباع کرتا، دیکھو، تم لوگ اس کی اطاعت سے گریز نہ کرنا، ورنہ یہ اعراض تمہارے قتل کا سبب بنے گا، چنانچہ بنو قریظہ نے اس سے وعدہ

کیا کہ ہم لوگ ایسا ہی کریں گے کہ تم نے کیا وعدہ کیا تھا؟ اے یہود! اللہ تعالیٰ سے ڈرو! اور اس نبی برحق کا اتباع کرو، مگر یہود نے اتباع کرنے اور اسلام قبول کرنے سے گریز کیا، حضرت اسید نے اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ جن میں ان کے بھائی اسد بن عبید بھی تھے، آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا، اور اپنے اہل و عیال اور مال و دولت کو اللہ کی حفاظت میں دے کر بچا لیا، چنانچہ جب اسلام لائے تو یہود نے مختلف طریقہ سے آپ کو ستانا شروع کیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿لِيسُوا سِوَا سِوَا مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتْلُونَ آيَاتِ اللّٰهِ اٰنَاءَ اللَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُونَ﴾ (سب اہل کتاب برابر نہیں، ان میں ایک جماعت ہے جو دین پر قائم ہے اور رات کے اوقات میں وہ اللہ کی آیات کی تلاوت کرتی ہے اور وہ نمازی بھی ہیں)



حضرت بشیر بن معاویہ کا قبول اسلام

حضرت بشیر اسقف (پادری) کے بھائی تھے، اہل نجران کے پاس جب آنحضرت ﷺ کا نامہ مبارک پہنچا تو انہوں نے ایک وفد آپ ﷺ کی خدمت میں دریافت حال کے لیے بھیجا، یہ وفد مدینہ سے نجران واپس ہوا تو راستہ میں اسقف رئیس وفد (پادری) نے آنحضرت ﷺ کے اس نامہ مبارک کو پڑھنا شروع کیا، اتفاق سے اسی درمیان میں بشیر کی اوٹنی کو ٹھوکر لگی، اس پر انہوں نے آنحضرت ﷺ کی شان میں کچھ ناملائم الفاظ استعمال کئے، اسقف نے ڈانٹا اور کہا: ”وہ نبی صادق ہیں“، حضرت بشیر کے دل میں یہ بات گھر کر گئی، انہوں نے فرمایا کہ ”جب وہ نبی صادق ہیں تو خدا کی قسم جب تک ان کی خدمت میں نہ پہنچ جاؤں، اوٹنی کا کجاوہ نہ کھولوں گا“، چنانچہ وہ شوق و وارفتگی میں اشعار پڑھتے ہوئے وہاں سے پھر مدینہ واپس ہوئے اور خدمت نبوی میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا اور ساری زندگی دربار رسالت کی غلامی میں گذاری۔



حضرت جبر کا قبول اسلام

جبر عبد اللہ بن الحضرمی کے غلام اور مذہباً یہودی تھے، خدمت نبوی میں اکثر ان کی آمد و رفت رہا کرتی تھی، ایک روز رسول اللہ ﷺ نے ان کے سامنے سورۃ یوسف تلاوت فرمائی، ان پر کلام الہی کا ایسا اثر ہوا کہ اسی وقت مشرف باسلام ہو گئے۔

لیکن چونکہ وہ ابن حضرمی کے خاندان کے غلام تھے، اور اس خانوادہ نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا، اس لیے ان کو ڈرتھا کہ اگر وہ اسلام کا اظہار کرتے ہیں تو ان کی جان کی خیر نہیں، اس بنا پر انہوں نے اسلام قبول کیا لیکن آنحضرت ﷺ کے یہاں آمد و رفت یا اور کسی ذریعہ سے جب انہیں ان کے اسلام قبول کر لینے کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے ان پر سختی شروع کی، اور ان کو دائرہ اسلام سے خارج ہونے پر مجبور کیا، لیکن اسلام کی تاثیر ایسی نہیں تھی کہ وہ ایک بار دل میں گھر کر جانے کے بعد زائل ہو سکے، چنانچہ ظاہری طور پر انہوں نے اسلام سے برأت کا اظہار کر دیا، لیکن قلب کے سوز و گداز کا حال وہی تھا، چنانچہ قرآن نے ان کے متعلق فرمایا:

﴿وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ﴾ (ان کو کفر کے اظہار پر مجبور کیا گیا) لیکن

ان کا قلب ایمان پر مطمئن ہے)

رسول اللہ ﷺ جب مکہ میں تھے اسی وقت انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا لیکن فتح مکہ تک اپنے اسلام کو چھپاتے رہے جب مکہ فتح ہو گیا تو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور اپنی تکالیف اور گزشتہ مشقتوں کا اظہار کیا، آنحضرت ﷺ نے خرید کر آزاد کر دیا، آزادی کے بعد انہوں نے پوری زندگی بڑی فارغ البالی سے گزاری۔

حضرت حیرہ نجرہ کا قبول اسلام

حیرہ نجرہ نسا اور عقیدۃ یہودی تھے، لیکن یہ نہیں پتہ چلتا کہ یہود کے کس قبیلہ سے آپ کا تعلق تھا اور کہاں کے آپ باشندہ تھے، آگے جو واقعات آتے ہیں ان سے قیاس ہوتا ہے کہ یہود مدینہ ہی کے کسی قبیلہ سے رہے ہوں گے۔

رسول اللہ ﷺ نے حیرہ نجرہ سے کچھ رقم بطور قرض لی تھی، انہوں نے آپ سے اس کا تقاضا کیا، رسول اللہ ﷺ کے پاس اس وقت آدائیگی کے لیے رقم موجود نہیں تھی اس لیے آپ ﷺ نے مہلت چاہی، مگر حیرہ نجرہ نہ مانے اور کہا کہ ”آپ ﷺ جب تک مجھے میرا قرض نہ ادا کریں گے، میں آپ ﷺ کو نہیں چھوڑوں گا“، چنانچہ وہ آنحضرت ﷺ سے بالکل چمٹ کر بیٹھ گئے، صحابہ کرام کو ان کا یہ طرز عمل برا معلوم ہوا، انہوں نے حیرہ نجرہ کو کچھ لعنت و ملامت کرنی شروع کی، مگر آنحضرت ﷺ نے انہیں منع کیا اور فرمایا کہ ”میرے رب نے مجھے اس سے روکا ہے کہ میں اپنے کسی معاہدہ پر کسی قسم کا ظلم کروں“، پھر دن ڈھلتے ڈھلتے حیرہ نجرہ نے آپ ﷺ کے اس حلیمانہ طرز عمل سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا، اور اسلام قبول کرنے کے بعد اپنی دولت کا ایک بڑا حصہ برضا و رغبت راہ خدا میں خرچ کر ڈالا۔



حضرت عداس نینوائی کا قبول اسلام

عداس شیبہ بن ربیعہ کے غلام تھے، نینوا کے مشہور مقام موصل کے کسی گاؤں کے رہنے والے تھے، مذہباً عیسائی تھے۔

جب آنحضرت ﷺ طائف کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے طائف تشریف لے گئے اور ان لوگوں نے آپ ﷺ کے ساتھ بد سلوکی کی اور آپ ﷺ وہاں سے واپس ہوئے تو راستہ میں شیبہ اور عتبہ نے جو آپ ﷺ کی یہ حالت دیکھ رہے تھے، عداس کو انکوڑ کے کچھ خوشے دے کر آپ ﷺ کے پاس بھیجا، جب عداس آپ ﷺ کے پاس آگور لائے تو آپ ﷺ نے بسم اللہ فرمایا اور لے لیا، عداس نے تعجب سے کہا کہ ”یہ تو ایک نیا طرز کلام سن رہا ہوں“، آپ ﷺ نے فرمایا: ”کہاں کے رہنے والے ہو؟“ عداس نے بتایا: ”نینوا کا رہنے والا ہوں“، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”جہاں کے حضرت یونس علیہ السلام رہنے والے تھے؟“ عداس نے کہا کہ ”آپ ﷺ کو کیسے معلوم ہوا کہ یونس علیہ السلام کون ہیں؟“ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”وہ بھی نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں۔“

عداس نے نبوت کے یہ آثار و صفات دیکھ کر آپ ﷺ کے دست مبارک اور پیروں کا بوسہ لیا اور کہا اٹھے:

”أشهد أنك عبد الله ورسوله“ (میں گواہی دیتا ہوں کہ بیشک آپ

اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں)

شیبہ و عتبہ دور سے حضرت عداس کی یہ کیفیت دیکھ رہے تھے، جب وہ واپس ہوئے تو انہوں نے کہا کہ ”تم نے دست بوسی کیوں کی؟“ حضرت عداس نے کہا: ”یہ دنیا کے بہترین شخص ہیں، یہ سن کر ان دونوں نے کہا کہ ”کہیں وہ تمہیں تمہارے دین سے برگشتہ نہ کر دیں، تمہارا دین ان کے دین سے بہتر ہے۔“

حضرت عمرؓ و بن سعدی کا قبول اسلام

قبیلہ قرظہ سے نسبی تعلق تھا، بنو قریظہ جس روز جلا وطن کئے گئے، آپ یہود کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ ”اے یہود! تم لوگوں نے محمد ﷺ سے نقض عہد کیا، ان سے غداری کی، ان سے تم نے معاہدہ کیا تھا کہ ان کے دشمنوں کی مدد نہ کرو گے، مگر تم نے اس کی خلاف ورزی کی، میں نے اس وقت بھی اس سے گریز کیا تھا، اور اب بھی تم سے بالکل علاحدہ ہوں“، اور انہوں نے یہ بھی کہا کہ ”اے قوم! جو کچھ پیش آیا وہ تم دیکھ چکے، اب آؤ محمد ﷺ کا اتباع کریں، خدا کی قسم تمہیں معلوم نہیں کہ ابن الہبیمان اور ابن الحراش جو ہم سب سے بڑے عالم تھے ان کی آمد اور اس واقعہ کی خبر دے چکے تھے۔“

اس کے بعد وہ مسجد آئے اور رات وہیں بسر کی اور اسلام قبول کیا، اور پھر دوسرے روز مدینہ سے باہر کہیں چلے گئے، ان کے جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو اس کی سچائی کی وجہ سے نجات دی۔“



حضرت عمیر بن امیہ کا قبول اسلام

عمیر کا سلسلہ نسب معلوم نہیں، ذیل کے واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ یہودی تھے، ان کی ایک بہن تھی جو رسول اللہ ﷺ کو مختلف طریقہ سے تکلیف دیتی تھی اور سخت و ست کہا کرتی تھی، حضرت عمیر کو ایک روز غصہ آیا اور چپکے سے اسے قتل کر دیا، جب اس کے لڑکوں کو خبر ہوئی تو بہت برہم ہوئے اور آپ کے بجائے ایک دوسرے شخص کو قاتل سمجھ کر اس سے بدلہ لینا چاہا، حضرت عمیر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ”یا رسول اللہ ﷺ! میں نے قتل کیا ہے، فرمایا: ”اپنی بہن کو قتل کر ڈالا؟“ کہا: ”ہاں یا رسول اللہ ﷺ! وہ آپ ﷺ کو بہت تکلیف دیا کرتی تھی،“ رسول اللہ ﷺ نے اس کے لڑکوں کو بلوایا اور واقعہ پوچھا، انہوں نے ایک دوسرے شخص کا نام لیا، لیکن آپ ﷺ نے انہیں عمیر کا نام بتلایا اور ان کو سمجھا بچھا کر معاملہ رفع دفع کر دیا، جس عورت کو انہوں نے قتل کیا تھا اس کے متعلق تصریح ہے کہ وہ یہودیہ تھی، اور چونکہ وہ آپ کی بہن تھی اس لیے آپ بھی یہودی رہے ہوں گے۔



حضرت کرز بن علقمہ کا قبول اسلام

آپ کا نسبی تعلق قبیلہ بکر بن وائل سے تھا، آپ نے اپنے بھائی ابو حارثہ کے ساتھ نصرا نیت قبول کر لی تھی، اور نجران میں مقیم ہو گئے تھے۔

جب نجران کے عیسائیوں کا وفد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں مدینہ آیا تو اس میں آپ کا بھائی ابو حارثہ بن علقمہ بھی تھا، دونوں بھائی ایک ہی سواری پر سوار تھے، راستہ میں جب کہیں سواری کو ٹھوکر لگتی تو کرز کہتے کہ ”نفس الالبعد، دور رہنے والے محمد ﷺ کا برا ہو“ ابو حارثہ نے یہ سنا تو کہا کہ ”تمہارا برا ہو“، کرز نے بھائی سے کہا: ”ایسا کیوں کہتے ہو“، بھائی نے جواب دیا:

”قد والله النبی الذی کنا ننتظره“ (خدا کی قسم یہ وہی نبی ہیں جس کا ہم لوگ انتظار کر رہے تھے)

پھر کرز نے کہا کہ ”تو تم ان کا اتباع کیوں نہیں کرتے ہو؟“ ابو حارثہ نے کہا کہ ”یہ مال و دولت اور عزت و عظمت جو کچھ حاصل ہے وہ سب چھین جائے گی“، ابو حارثہ کا یہ جملہ حضرت کرز کے دل میں نور یقین پیدا کرنے کا سبب ہو گیا، اس وقت تو وہ خاموش رہے، مگر کچھ روز کے بعد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔



حضرت میمون بن یامین کا قبول اسلام

یہود کے مشہور قبیلہ قریظہ سے تھے، اسلام لانے سے پہلے اپنے قبیلہ میں بہت ممتاز تھے، اور آپ کا شمار احبار (علماء) یہود میں تھا۔

رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو میمونؓ خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا، لیکن دل میں یہ ٹرپ تھی کہ ان کی قوم کے دوسرے لوگ بھی اس دولت سرمدی و سعادت ابدی سے بہرہ ور ہوتے تو اچھا تھا، آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ ”آپ (ﷺ) یہود کو بلوائیں اور ان سے فرمائیں کہ وہ آپ کے اور اپنے درمیان کوئی حکم مقرر کر لیں، جس کے فیصلہ پر دونوں فریق گردن جھکا دیں“، رسول اللہ ﷺ نے یہود کو بلوایا، اور میمون سے کہا کہ ”تم مکان کے اندر چلے جاؤ“، یہود آئے تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ ”تم لوگ اپنے اور میرے درمیان ایک حکم مقرر کر لو جس کی تصدیق و عدم تصدیق کے فیصلہ پر ہم دونوں سر جھکا دیں“، سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ ”ہم میمون بن یامین کو اپنا حکم مقرر کرتے ہیں، اگر انہوں نے آپ ﷺ کی تصدیق کر لی تو ہم بھی تصدیق کریں گے“، آنحضرت ﷺ نے میمونؓ کو آواز دی، وہ مکان سے نکلے اور فرمایا: ”أشهد أن محمداً رسول الله“ (آپ بے شک اللہ کے بھیجے ہوئے رسول ہیں)

لیکن یہود نے قبول حق کے بجائے حضرت میمونؓ پر طعن و تشنیع شروع کر دی، اور واپس چلے گئے، آپ کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كَانِ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَكَفَرْتُمْ بِهِ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ﴾ (آپ کہہ دیجئے کہ تم مجھ کو بتلاؤ کہ اگر یہ قرآن من جانب اللہ ہو اور تم اس کے منکر ہو اور بنی اسرائیل میں سے کوئی گواہ اس جیسی کتاب پر گواہی دے کر ایمان لے آوے)

حضرت مابور کا قبول اسلام

(۶ھ) میں آنحضرت ﷺ نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ کو مقوقس والی مصر کے پاس مبلغ اسلام (سفیر) بنا کر بھیجا، حضرت حاطب مقوقس کے نام حضور ﷺ کا مکتوب لے کر اسکندریہ پہنچے تو اس نے ان کی بڑی تعظیم و تکریم کی، حضور ﷺ کے نامہ مبارک کو بڑی تعظیم سے آنکھوں سے لگایا، جب وہ وہاں سے چلنے لگے تو مقوقس نے انہیں عزت و احترام سے رخصت کیا اور حضور ﷺ کے نام ایک خط کے علاوہ چند تحائف بھی بھیجے، دو کنیریں ماریہ اور سیرین، یثعور نام کا ایک گدھا، دلدل نام کا ایک خچر، ایک نیزہ، ایک حریر کا حلہ، ایک ہزار مثقال سونا، مابور کو بھی شاہ مقوقس نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں تحفہ بھیجا تھا، یہ حضرت ماریہ کے چچا زاد یا ماموں زاد بھائی تھے۔

حضرت ماریہ اور ان کی بہن حضرت سیرین نے تو شروع ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا، حضرت ماریہ کو آپ ﷺ نے اپنی خدمت میں رکھا ان کے لطن سے حضور ﷺ کے صاحبزادے ابراہیم پیدا ہوئے، سیرین حضرت حسان بن ثابتؓ کو عطا کی گئیں، ان کے لطن سے عبدالرحمان بن حسان پیدا ہوئے، مابور نے کچھ دنوں کے بعد اسلام قبول کیا، حضرت ماریہ سے وہ بہت زیادہ مانوس تھے اور ان کی کافی خدمت کیا کرتے تھے، ان کو لکڑی و پانی کی ضرورت ہوتی تو اکثر یہی مہیا کیا کرتے تھے۔

حضرت یامین بن عمیر کا قبول اسلام

یہود مدینہ کی مسلسل سازشوں، شرارتوں، اور منافقتوں کے باوجود آنحضرت ﷺ غفور و درگزر سے کام لیتے تھے، مگر پانی جب سر سے اونچا ہو گیا تو ان کی یکے بعد دیگرے سر زلش شروع کر دی گئی، بنی قینقاع کے بعد جب بنو نضیر نے بد عہدی کی، اور رسول اللہ ﷺ کے قتل کی سازش شروع کر دی تو ان کو مدینہ چھوڑ دینے کا حکم دیا گیا، امید تھی کہ وہ اس سزا کے بعد اپنے گزشتہ اعمال سے تائب ہو کر غلامان نبی میں شامل ہو جائیں گے، لیکن ان کج فطرتوں نے جس طرح پہلے روز قبول حق سے گریز کیا تھا، اسی طرح آخر وقت تک گریز کرتے رہے، لیکن ان ہی کج فطرتوں میں کچھ نیک فطرت بھی تھے جن کے دل میں قبول حق کی کسی قدر صلاحیت باقی تھی، انہوں نے جب دیکھ لیا کہ اسلام کی صداقت کے لیے کسی مزید ثبوت کی ضرورت باقی نہیں رہی تو فوراً اسلام قبول کر لیا، اور اپنی قوم کا ساتھ چھوڑ دیا ان ہی مسلمان ہونے والوں میں حضرت یامین بن عمیر بھی تھے۔

عمر و بن حجاج یامین کا چچا زاد بھائی تھا، اس نے سازش کی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کو دھوکہ سے ایک مکان کے نیچے بلایا جائے اور اوپر سے کوئی وزنی چیز گرا کر کام تمام کر دیا جائے، (معاذ اللہ) لیکن کامیاب نہ ہو سکا، یامین مسلمان ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے یامین سے فرمایا: ”اپنے چچا زاد بھائی کی حرکت دیکھتے ہو، وہ دھوکے سے مجھے قتل کر دینا چاہتا تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے جبرئیل کے ذریعہ مجھے اس کے ارادے سے آگاہ کر دیا“، یامین فوراً اپنی جگہ سے اٹھے اور اس دشمن رسول ﷺ کی فکر میں لگ گئے اور ایک روز موقع پا کر اس کو واصل جہنم کر دیا۔

ایک صحابیؓ کا قبول اسلام

ایک آدمی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس آدمی نے پوچھا کہ ”آپ ﷺ کے رسول ہیں“ یا یہ پوچھا کہ آپ ﷺ صحابہؓ ہیں؟“ حضور ﷺ نے فرمایا: ”ہاں“ پھر اس نے پوچھا: ”آپ ﷺ کس کو پکارتے ہیں؟“ حضور ﷺ نے فرمایا: ”اکیلے اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہوں جس کی صفت یہ ہے کہ جب تم کو کوئی نقصان پہنچے اور تم اس کو پکارو تو وہ تمہارے نقصان کو دور کر دے اور جب تم پر قحط سالی آجائے تو تم اس کو پکارو تو وہ تمہارے لیے غلہ اگا دے، اور جب تم چٹیل میدان میں ہو اور تمہاری سواری گم ہو جائے اور تم اس کو پکارو تو وہ تمہاری سواری تمہیں واپس کر دے۔“

یہ بات سن کر وہ آدمی فوراً مسلمان ہو گیا، پھر اس نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ ﷺ! مجھے کچھ وصیت فرمائیں“ حضور ﷺ نے فرمایا: ”کسی چیز کو بھی گالی نہ دینا“، حضور ﷺ کی وصیت فرمانے کے بعد انہوں نے کبھی کسی اونٹ یا بکری کو بھی گالی نہیں دی۔



ایک صحابیؓ کا قبول اسلام

قبیلہ بلعدویہ کے ایک شخص کہتے ہیں کہ ”مجھے میرے دادا نے اپنے اسلام لانے کا قصہ اس طرح سنایا کہ میں مدینہ کے ارادے سے چلا جب آپ ﷺ سے میری ملاقات ہوئی تو میں نے کہا: اے محمد ﷺ! آپ ﷺ وہی ہیں جس نے (نعوذ باللہ) لوگوں کو گمراہ کیا اور انہیں ہلاک کر دیا اور ان کے آباء و اجداد جن خداؤں کی عبادت کرتے تھے ان سے روک دیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ سارے کام تو اللہ نے کئے ہیں،“ میں نے کہا: ”آپ ﷺ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں اللہ کے بندوں کو اللہ کی دعوت دیتا ہوں،“ میں نے کہا: ”آپ ﷺ اس دعوت میں کیا کہتے ہیں؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم اس بات کی گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں محمد ﷺ اللہ کا رسول ہوں، اور اللہ نے جو کچھ مجھ پر نازل فرمایا ہے اس پر ایمان لاؤ، اور لات و عزیٰ کا انکار کرو، اور نماز قائم کرو، اور زکوٰۃ ادا کرو،“ میں نے کہا: ”زکوٰۃ کیا چیز ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہمارے مالدار اپنے مال میں سے کچھ ہمارے غریبوں کو دیں،“ میں نے کہا: ”آپ ﷺ جن چیزوں کی دعوت دیتے ہیں وہ تو بہت اچھی ہیں۔“

میرے دادا کہتے ہیں کہ ”اس ملاقات اور گفتگو سے پہلے میرے دل کی یہ حالت تھی کہ روئے زمین کا کوئی انسان مجھے آپ ﷺ سے زیادہ مبغوض نہیں تھا، لیکن اس گفتگو کے بعد میرے دل کی یہ حالت ہو گئی کہ آپ ﷺ مجھے اپنی اولاد، اور والدین اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہو گئے اور ایک دم میری زبان سے نکلا کہ میں پہچان

”گیا“، آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم پہچان گئے؟“ میں نے کہا: ”جی ہاں“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں اور جو کچھ اللہ نے مجھ پر نازل کیا ہے اس پر ایمان لاتے ہو“، میں نے کہا: ”جی ہاں، یا رسول اللہ! میرا خیال ہے کہ فلاں چشمہ پر جاؤں جس پر بہت سے لوگ ٹھہرے ہوئے ہیں اور جن باتوں کی آپ ﷺ نے مجھ کو دعوت دی ہے میں جا کر ان کو ان باتوں کی دعوت دوں، مجھے امید ہے وہ سب آپ ﷺ کا اتباع کر لیں“، آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں جاؤ، ان کو دعوت دو“ (چنانچہ انہوں نے وہاں جا کر سب کو دعوت دی) اور اس چشمے والے تمام مرد و عورت مسلمان ہو گئے، (خوش ہو کر) حضور ﷺ نے ان کے سر پر دست شفیقت پھیرا۔



ایک صحابیؓ کا قبول اسلام

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ”ہم ایک سفر میں حضور ﷺ کے ساتھ تھے سامنے سے ایک دیہاتی آیا، جب وہ حضور ﷺ کے قریب پہنچا تو اس سے حضور ﷺ نے پوچھا: کہاں کا ارادہ ہے؟ اس نے کہا: اپنے گھر جا رہا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم بھلی بات لینا چاہتے ہو؟ اس نے کہا: وہ بھلی بات کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم کلمہ شہادت پڑھ لو، اس نے کہا: جو بات آپ ﷺ کہہ رہے ہیں کیا اس پر کوئی گواہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ درخت گواہ ہے، چنانچہ حضور ﷺ نے اس درخت کو بلایا اور وہ درخت وادی کے کنارے پر تھا، وہ درخت زمین کو پھاڑتا ہوا آپ ﷺ کے سامنے آکھڑا ہوا، آپ ﷺ نے اس سے تین مرتبہ گواہی طلب فرمائی اس نے تین مرتبہ گواہی دی کہ حضور ﷺ جیسا فرما رہے ہیں بات ویسے ہی ہے، پھر وہ درخت اپنی جگہ واپس چلا گیا، وہ دیہاتی اپنی قوم کے پاس واپس چلا گیا اور جاتے ہوئے اس نے حضور ﷺ سے یہ عرض کیا کہ اگر میری قوم والوں نے میری بات مان لی تو میں ان سب کو آپ ﷺ کے پاس لے آؤں گا ورنہ میں خود آپ ﷺ کے پاس واپس آ جاؤں گا اور آپ ﷺ کے ساتھ رہا کروں گا۔“



ایک صحابیؓ کا قبول اسلام

حضرت ابن عباسؓ بیان فرماتے ہیں کہ ”ایک دیہاتی شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا: میں کیسے پہچانوں کہ آپ ﷺ نبی ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں کھجور کے اس خوشہ کو بلاؤں اور وہ آکر یہ گواہی دے دے کہ میں خدا کا رسول ہوں، (تو مانے گا؟) آپ ﷺ نے آواز دی وہ فوراً اترنے لگا اور اترتے اترتے آپ ﷺ کے سامنے آ پڑا، اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: واپس چلا جا وہ چلا گیا، یہ دیکھ کر وہ دیہاتی مسلمان ہو گیا۔“



ایک صحابیؓ کا قبول اسلام

حضرت عمرؓ ایک طویل قصہ میں روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ایک دیہاتی کو اسلام کی دعوت دی، اس نے کہا: ”جب تک یہ گوہ (ایک جانور کا نام ہے) آپ ﷺ پر ایمان نہ لائے میں ایمان نہیں لاسکتا“، آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے گوہ! بتلا میں کون ہوں؟“ گوہ نے نہایت فصیح عربی میں جواب دیا جسے سب حاضرین نے سمجھا ”اے رب العالمین کے رسول! میں حاضر ہوں اور آپ ﷺ کی فرماں بردار ہوں“، آپ ﷺ نے فرمایا: ”بتلا، تو کس کے نام کی تسبیح کرتی ہے؟“ وہ بولی ”جس کا عرش آسمان پر ہے اور جس کا حکم زمین پر نافذ ہے، جس نے سمندر میں راستے بنا دیئے، جس کے رحمت کی مظہر جنت ہے، جس کے عذاب کا مظہر دوزخ“، آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں کون ہوں؟“ اس نے جواب دیا: ”آپ ﷺ جہان کے پروردگار کے رسول اور خاتم النبیین ہیں“۔



ایک صحابیؓ کا قبول اسلام

ان کا نام و نسب تو معلوم نہیں ہو سکا، لیکن حاکم نے مستدرک میں حضرت انسؓ سے ایک روایت نقل کی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آنحضرت ﷺ کے یہودی خادم تھے، جو اپنی زندگی کے آخری ایام میں مسلمان ہو گئے تھے، پوری روایت یہ ہے کہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ”ایک یہودی غلام آپ ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا، ایک مرتبہ وہ بیمار پڑا تو آنحضرت ﷺ اس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے، عیادت کے بعد آپ ﷺ نے قبول اسلام کی دعوت دی، اس کے باپ وہاں موجود تھے اس نے باپ کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا، باپ نے کہا: جو کچھ نبی امی فرما رہے ہیں اس کی تعمیل کرو، اس نے فوراً کلمہ طیبہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔“

غالباً اسی مرض میں ان کی وفات ہوئی، آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرامؓ کے ساتھ ان کے جنازہ کی نماز پڑھی۔

اس روایت سے دو خاص باتیں معلوم ہوتی ہیں، ایک تو ایک یہودی خادم کا مشرف بہ اسلام اور صحابی ہونا، اور دوسرے آنحضرت ﷺ کی وسعت قلب اور وسعت اخلاق کہ جن یہودیوں نے اسلام کی بیخ کنی اور آپ ﷺ کی بیخ کنی اور آپ ﷺ کی دشمنی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا، ان ہی کے ایک فرد کے ساتھ آپ ﷺ کا یہ سلوک تھا کہ اس نے پوری زندگی آپ ﷺ کے ساتھ گزار دی، مگر آپ ﷺ نے ایک روز بھی اسلام لانے پر مجبور نہ کیا، حالانکہ اس وقت بڑی آسانی سے اسلام کا قلاوہ اطاعت اس کی گردن میں ڈالا جاسکتا تھا:

﴿لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ﴾ (دین میں کوئی زور و بردستی نہیں)

کا اس سے بڑھ کر ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے۔

ایک صحابیؓ کا قبول اسلام

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ”رات کو ایک کافر آنحضرت ﷺ کا مہمان ہوا، آپ ﷺ نے ایک بکری کا دودھ اس کے سامنے پیش کیا، وہ پی گیا، پھر دوسری بکری دوہی گئی، وہ دودھ بھی بے تامل پی گیا، پھر تیسری پھر چوتھی، یہاں تک کہ سات بکریاں دوہی گئیں اور وہ سب دودھ پیتا گیا، آنحضرت ﷺ نے کوئی نفرت ظاہر نہ فرمائی، اس حسن اخلاق کا یہ اثر ہوا کہ وہ مسلمان ہو گیا۔“



صحابیات کا قبول اسلام

صحابہؓ کے ساتھ صحابیاتؓ بھی اس فضیلت میں شریک ہیں اور نہ صرف شریک ہیں بلکہ ان سے اسبق و اقدم ہیں، چنانچہ سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ نے بغیر کسی قسم کی کدو کاوش اور جبر و اکراہ کے اسلام قبول کرنے کے ساتھ ہی اپنے خدا کے آگے سر جھکایا، تاریخ ابن خمیس میں حضرت رافع سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میں دو شنبہ کے دن مبعوث ہوا اور خدیجہؓ نے اس دن کے آخری حصہ میں نماز پڑھی اور علیؓ نے دوسرے دن منگل کو نماز پڑھی اور اس کے بعد زید بن حارثہ اور ابو بکر شریک نماز ہوئے۔“

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آفتاب رسالت سے پہلے دن جو شعاع افق عالم پر چمکی وہ ایک رفیق القلب مقدس خاتون کے سینہ پر نور سے چھن کر نکلی۔

اعلان اسلام

ابتدائے اسلام میں اسلام قبول کرنے سے زیادہ اظہار اسلام کے لیے ہمت، شجاعت، اور جسارت کی ضرورت تھی، لیکن باوجود کفار کی روک ٹوک اور جور و ستم کے صحابہؓ کے ساتھ صحابیاتؓ نے بھی نہایت جرأت و بیباکی کے ساتھ اپنے اسلام کا اظہار کیا، چنانچہ ابتدا میں جن سات بزرگوں نے اپنے اسلام کا اعلان کیا تھا ان میں چھ آدمی یعنی خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ، حضرت بلالؓ، حضرت خبابؓ، حضرت صہیبؓ، حضرت عمارؓ مرد تھے اور ساتویں ایک غریب صحابیہ یعنی حضرت عمار کی والدہ حضرت سمیہ تھیں۔

اشاعت اسلام

صحابیاتؓ نے اپنی نیک طبیعتی سے صرف آسانی کے ساتھ اسلام ہی کو قبول نہیں

کیا، بلکہ انہوں نے نہایت آسانی کے ساتھ اسلام کی اشاعت بھی کی، چنانچہ حضرت فاطمہ بنت خطاب کی دعوت پر حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کیا تھا، حضرت ام شریکؓ ایک صحابیہ تھیں جو آغاز اسلام میں مخفی طور پر قریش کی عورتوں کو اسلام کی دعوت دیا کرتی تھیں، قریش کو ان کی مخفی کوششوں کا حال معلوم ہوا تو ان کو مکہ سے نکال دیا۔

حضرت ام حکیمؓ کی شادی عکرمہ بن ابی جہل سے ہوئی تھی وہ خود توح مکہ کے دن اسلام لائیں لیکن ان کے شوہر بھاگ کر یمن چلے گئے، حضرت ام حکیمؓ نے یمن کا سفر کیا اور اپنے شوہر کو دعوت اسلام دی، وہ مسلمان ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ دیکھ کر خوشی سے اچھل پڑے۔

حضرت ابو طلحہؓ نے حالت کفر میں حضرت ام سلیمؓ سے نکاح کرنا چاہا، لیکن انہوں نے کہا: ”تم کافر ہو اور میں مسلمان، نکاح کیوں کر ہو سکتا ہے؟ اگر اسلام قبول کر لو تو وہی میرا مہر ہوگا اس کے سوا تم سے کچھ نہ مانگوں گی“، چنانچہ وہ مسلمان ہو گئے، اور اسلام ہی ان کا مہر قرار پایا۔

صحابہ کرامؓ نے ایک سفر میں ایک عورت کو پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا اس کے پاس پانی کے مشکینے تھے اور صحابہؓ نے پانی ہی کی ضرورت سے اس کو پکڑا تھا، لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس کا پانی لیا تو اس کی قیمت ادا فرمائی اس کو آپ ﷺ کی اس دیانت سے اسی وقت نبوت کا یقین آ گیا، اور اس کے اثر سے اس کا تمام قبیلہ مسلمان ہو گیا۔

نو مسلموں کا تکفل

ابتداءً اسلام میں جو لوگ اسلام لاتے تھے ان کو مجبوراً اپنے گھریلو اہل و عیال اور مال و جائیداد سے کنارہ کش ہونا پڑتا تھا اس بنا پر اس وقت اشاعت اسلام کے ساتھ اسلام کی سب سے بڑی خدمت یہ تھی کہ ان نو مسلموں کی کفالت کی جائے اور صحابیاتؓ اس میں نمایاں حصہ لیتی تھیں، چنانچہ حضرت ام شریکؓ کا گھر ان نو مسلموں کے لیے گویا مہمان خانہ بن گیا تھا، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ

بنت قیسؓ گوان کے یہاں صرف اس بنا پر عدت بسر کرنے کی اجازت نہیں دی کہ ان کے گھر مہمانوں کی کثرت سے پردہ کا انتظام نہیں ہو سکتا تھا۔

حضرت ذرہ بنت لہبؓ بھی نہایت فیاض تھیں اور مسلمانوں کو کھانا کھلایا کرتی تھیں۔

اسلام کے لیے تحمل شدائد

صحابہ کرامؓ کے ساتھ صحابیاتؓ نے بھی اسلام کے لیے ہر قسم کی تکلیفیں برداشت کیں اور ان کے ایمان میں ذرہ برابر بھی تزلزل واقع نہیں ہوا۔

حضرت سمیہؓ نے اسلام قبول کیا، تو ان کو کفار نے طرح طرح کی اذیتیں دینا شروع کیں، سب سے سخت اذیت یہ تھی کہ ان کو مکہ کے تپتی ریت میں لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں کھڑا کر دیتے تھے، لیکن اس کے باوجود وہ اسلام پر ثابت قدم رہتی تھیں، ایک دن کفار نے حسب معمول ان کو لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں زمین پر لٹا دیا تھا اسی حالت میں رسول اللہ ﷺ کا گذر ہوا تو فرمایا: ”صبر کرو تمہارا ٹھکانا جنت میں ہے“، لیکن کفار کو اس پر بھی تسکین نہیں ہوئی اور ابو جہل نے ان کی ران میں برچھی مار کر ان کو شہید کر دیا، چنانچہ اسلام میں سب سے پہلے شرف شہادت ان ہی کو نصیب ہوا، اور صحابیات کی یہ سب سے بڑی فضیلت ہے کہ سب سے پہلے ایک صحابیہ نے اسلام قبول کیا اور سب سے پہلے ایک صحابیہ نے شرف شہادت حاصل کیا۔

حضرت عمرؓ کی بہن جب اسلام لائیں اور حضرت عمرؓ کو جب اس کا حال معلوم ہوا تو اس قدر مارا کہ بدن لہولہان ہو گیا، لیکن انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ ”جو کچھ کرنا ہو کرو میں تو اسلام لا چکی“۔

لبینہؓ بے چاری ایک کنیز تھیں حضرت عمرؓ اس بے کس کو مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے ”میں تجھ پر رحم کی بنا پر نہیں، بلکہ اس وجہ سے چھوڑ دیا ہے کہ تھک گیا ہوں“ وہ نہایت استقلال سے جواب دیتیں کہ ”اگر تم اسلام نہ لاؤ گے تو خدا اس کا انتقام لے گا“۔

حضرت زینرہؓ حضرت عمرؓ کے گھرانے کی ایک کنیز تھیں اور اس وجہ سے حضرت

عمرؓ اسلام سے پہلے ان کو جی کھول کر ستاتے، ابو جہل نے ان کو اس قدر مارا کہ ان کی آنکھیں جاتی رہیں۔

حضرت نہدیہؓ اور ام عیسٰیؓ یہ دونوں بھی کنیریں تھیں اور اسلام لانے کے جرم میں سخت سے سخت مصیبتیں جھیلی تھیں۔

قطع علائق

صحابہ کرامؓ ایمان لائے تو ان کے تمام رشتے ناٹے منقطع ہو گئے، لیکن اس سے ان کی قوت ایمانی میں کوئی تزلزل واقع نہیں ہوا، صحابیات کی حالت اس معاملہ میں صحابہؓ سے بھی زیادہ نازک تھی، انسان اگرچہ اپنے تمام اعزہ واقارب کی اعانت کا محتاج ہو جاتا ہے، لیکن عورت کی زندگی کا تمام تر دار و مدار اپنے شوہر کی اعانت و امداد پر ہوتا ہے اور وہ کسی حالت میں بھی اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتی، باپ بیٹے سے، بیٹا باپ سے قطع تعلق کر کے زندگی بسر کر سکتا ہے لیکن عورت شوہر سے جدا ہو کر بالکل بے کس و بیچارہ ہو جاتی ہے، لیکن اس کے باوجود صحابیاتؓ نے اسلام کے لیے اس نازک رشتہ کو بھی منقطع کیا اور اپنے کافر شوہروں سے ہمیشہ کے لیے علاحدہ ہو گئیں، چنانچہ صلح حدیبیہ کے بعد جب یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَلَا تُمْسِكُوا بِعَصَمِ الْكُوفَرِ﴾ (کافرہ عورتوں سے تعلق نہ رکھو)

تو جس طرح صحابہ کرامؓ نے اپنی کافرہ عورتوں کو طلاق دے دی، اسی طرح بہت سی صحابیاتؓ بھی کافر شوہروں کو چھوڑ کر ہجرت کر آئیں اور ان میں سے ایک بھی اپنے شوہر کے پاس واپس نہ گئی چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

”مانعلم أن أحدا من المهاجرات ارتدت بعد إيمانها“ (ہم کو کسی

ایسی مہاجرہ عورت کا حال معلوم نہیں جو ایمان لا کر مرتد ہوئی ہو)

توحید

کفار نے صحابیاتؓ کو طرح طرح کی اذیتیں دیں، لیکن ان کی زبان سے کلمہ

توحید کے سوا کلمہ شرک نہیں نکلا، حضرت ام شریک ایمان لائیں تو ان کے اعزہ و اقارب نے ان کو دھوپ میں لے جا کر کھڑا کر دیا اس حالت میں جب کہ وہ دھوپ میں جل رہی تھیں، روٹی کے ساتھ شہد جیسی گرم چیز کھلاتے اور پانی نہیں پلاتے تھے جب اس مصیبت میں تین دن گزر گئے تو ظالموں نے کہا کہ ”جس مذہب پر تم ہو اب اس کو چھوڑ دو“، وہ اس قدر بدحواس ہو گئیں تھیں کہ ان جملوں کا مطلب نہ سمجھ سکیں اب ان ظالموں نے آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر بتایا تو سمجھیں کہ توحید الہی کا انکار مقصود ہے، بولیں ”خدا کی قسم! میں تو اب تک اس پر قائم ہوں“۔

شرک سے علاحدگی

عورتیں قدیم رسم و رواج اور قدیم عقائد کی نہایت پابند ہوتی ہیں اور عرب میں مشرکانہ عقائد ایک مدت سے پھیل کر دلوں میں راسخ ہو گئے تھے، لیکن صحابیات نے اسلام لانے کے ساتھ ہی شدت کے ساتھ ان عقائد کا انکار کیا، عرب کا خیال تھا کہ جو لوگ بتوں کی برائی بیان کرتے ہیں وہ مختلف امراض میں مبتلا ہو جاتے ہیں، اس لیے حضرت زینرہؓ اسلام لانے کے بعد اندھی ہو گئیں تو کفار نے کہنا شروع کیا ”ان کو لات وعزیٰ نے اندھا کر دیا“، لیکن انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ ”لات وعزیٰ کو اپنے پوجنے والوں کی کیا خبر یہ خدا کی طرف سے ہے“۔

عرب میں شرک کا اصلی مرکز بت تھے جو گھر گھر میں نصب تھے، لیکن صحابیات نے ہر موقع پر ان سے تبریٰ ظاہر کی، چنانچہ حضرت ہند بنت عتبہؓ جب ایمان لائیں تو گھر میں بت نصب تھے اس کو توڑ پھوڑ ڈالا اور کہا کہ ”ہم تیری نسبت بڑے دھوکے میں مبتلا تھے“۔

حضرت ابو طلحہؓ نے جب ام سلیمؓ سے نکاح کی خواہش کی تو انہوں نے کہا: ”ابو طلحہ! کیا تم کو یہ خبر نہیں کہ جس خدا کو تم پوجتے ہو وہ ایک درخت ہے یعنی لکڑی کا بت جو زمین سے اگا ہے اس کو فلاں جہشی نے گڑھ کرتیار کیا ہے“؟ بولے مجھے ”معلوم ہے“، بولیں ”کیا تمہیں اس کی عبادت سے شرم نہیں آتی“، چنانچہ جب تک انہوں نے بت پرستی سے توبہ کر کے کلمہ توحید نہیں پڑھا، انہوں نے ان سے نکاح کرنا پسند نہیں کیا۔

حضرت خدیجہؓ کا قبول اسلام

ام المومنین حضرت خدیجہؓ جب حضور ﷺ کے عقد نکاح میں آئیں، اس وقت ان کی عمر چالیس برس کی تھی اور آنحضرت ﷺ پچیس سال کے تھے، یہ بعثت نبوی سے پندرہ سال قبل کا واقعہ ہے، پندرہ سال کے بعد جب آنحضرت ﷺ پیغمبر ہوئے اور قرآن نازل ہوا تو سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ کو یہ پیغام سنایا وہ سننے سے پہلے مومن تھیں، کیونکہ ان سے زیادہ آپ ﷺ کے صدق و دعویٰ کا کوئی شخص فیصلہ نہیں کر سکتا تھا۔

پہلی وحی کے نزول کے بعد جب آنحضرت ﷺ گھر تشریف لائے تو آپ ﷺ جلال الہی سے لبریز تھے، آپ ﷺ نے حضرت خدیجہؓ سے کہا: ”مجھ کو کپڑا اڑھاؤ مجھ کو کپڑا اڑھاؤ“، لوگوں نے کپڑا اڑھایا تو ہیبت کم ہوئی، پھر حضرت خدیجہؓ سے غار حرا کا تمام واقعہ بیان کیا اور کہا: ”مجھ کو ڈر ہے“، حضرت خدیجہؓ نے کہا: ”آپ ﷺ مترود نہ ہوں، خدا آپ ﷺ کا ساتھ نہ چھوڑے گا، کیونکہ آپ ﷺ صلہ رحمی کرتے ہیں، بے کسوں اور فقیروں کے معاون رہتے ہیں، مہمان نوازی اور مصائب میں حق کی حمایت کرتے ہیں۔“

اس وقت تک نماز پنج گانہ فرض نہ تھی آنحضرت ﷺ نوافل پڑھا کرتے تھے، حضرت خدیجہؓ بھی آپ ﷺ کے ساتھ نوافل میں شرکت کرتی تھیں، ابن سعد کہتے ہیں کہ ”آنحضرت ﷺ اور خدیجہؓ ایک عرصہ تک خفیہ طور پر نماز پڑھا کئے۔“

حضرت خدیجہؓ نے صرف نبوت کی تصدیق ہی نہیں کی بلکہ آغاز اسلام میں

آنحضرت ﷺ کی سب سے بڑی معین و مددگار ثابت ہوئیں، آنحضرت ﷺ کو جو چند سال تک کفار مکہ اذیت دیتے ہوئے پہنچاتے تھے اس میں بڑی حد تک حضرت خدیجہ کا اثر کام کر رہا تھا، دعوت اسلام کے سلسلے میں جب مشرکین نے آپ ﷺ کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں تو حضرت خدیجہ نے آپ ﷺ کو تسلی اور تشفی دی، استیجاب میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کو مشرکین کی تردید یا تکذیب سے جو کچھ صدمہ پہنچتا، حضرت خدیجہ کے پاس آ کر دور ہو جاتا تھا، کیونکہ وہ آپ ﷺ کی باتوں کی تصدیق کرتی تھیں اور مشرکین کے معاملہ کو آپ ﷺ کے سامنے ہلکا کر کے پیش کرتی تھیں، آنحضرت ﷺ اور اسلام کو ان کی ذات سے جو تقویت ملتی تھی وہ سیرت نبوی کے ایک ایک صفحہ سے نمایاں ہے، ابن ہشام میں ہے کہ وہ اسلام کے متعلق آنحضرت ﷺ کی سچی مشیر کار تھیں۔



حضرت سوڈہ کا قبول اسلام

ام المؤمنین حضرت سوڈہ ابتدائے نبوت میں مشرف بہ اسلام ہوئیں، ان کے ساتھ ان کے شوہر سکران بن عمرو بھی اسلام لائے، اس بنا پر ان کو قدیم الاسلام ہونے کا شرف حاصل ہے، حبشہ کی پہلی ہجرت کے وقت تک حضرت سوڈہ اور ان کے شوہر مکہ ہی میں مقیم رہے، لیکن جب مشرکین کے ظلم و ستم کی کوئی انتہا نہ رہی اور ہاجرین کی ایک بڑی جماعت ہجرت کے لیے آمادہ ہوئی تو اس میں حضرت سوڈہ اور ان کے شوہر بھی شامل ہو گئے، کئی برس حبشہ میں رہ کر مکہ کو واپس آئیں، اور سکران نے کچھ دنوں کے بعد وفات پائی۔

حضور ﷺ کی ازواج مطہرات میں یہ فضیلت صرف حضرت سوڈہ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد سب سے پہلے وہی آنحضرت ﷺ کے عقد نکاح میں آئیں۔

بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت سوڈہ نے اپنے پہلے شوہر کی زندگی میں ایک خواب دیکھا تھا، ان سے بیان کیا تو بولے کہ ”شاید میری موت کا زمانہ قریب ہے اور تمہارا نکاح رسول اللہ ﷺ سے ہوگا“، چنانچہ یہ خواب حرف بہ حرف پورا ہوا۔



حضرت ام سلمہؓ کا قبول اسلام

ام المومنین حضرت ام سلمہؓ آغاز نبوت میں اپنے شوہر ابو سلمہؓ کے ساتھ اسلام لائیں، اور ان ہی کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی، حبشہ میں کچھ زمانہ تک قیام کر کے مکہ واپس آئیں اور یہیں سے مدینہ ہجرت کی، ہجرت میں ان کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ وہ پہلی عورت ہیں جو ہجرت کر کے مدینہ میں آئیں۔

ہجرت کا واقعہ نہایت عبرت انگیز ہے، حضرت ام سلمہؓ اپنے شوہر کے ہمراہ ہجرت کرنا چاہتی تھیں، ان کا بچہ سلمہؓ بھی ساتھ تھا، لیکن حضرت ام سلمہؓ کے قبیلہ نے مزاحمت کی تھی، اس لیے حضرت ابو سلمہؓ ان کو چھوڑ کر مدینہ چلے گئے تھے، اور یہ اپنے گھر واپس آ گئی تھیں، ادھر سلمہؓ کو ابو سلمہؓ کے خاندان والے حضرت ام سلمہؓ کے پاس سے چھین لے گئے، اس لیے ام سلمہؓ کو اور بھی تکلیف تھی، چنانچہ روزانہ گھبرا کر گھر سے نکل جاتیں اور انجیل میں بیٹھ کر رویا کرتی تھیں، ۷-۸ دن تک یہ حالت رہی اور خاندان کے لوگوں کو احساس تک نہ ہوا، ایک دن انجیل سے ان کے خاندان کا ایک شخص نکلا اور ام سلمہؓ کو روتے ہوئے دیکھا تو اس کا دل بھرا آیا، گھر آ کر لوگوں سے کہا کہ ”اس غریب پر کیوں ظلم کرتے ہو؟ اس کو جانے دو اور اس کا بچہ اس کے حوالے کر دو“، روانگی کی اجازت ملی تو بچہ کو گود میں لے کر اونٹ پر سوار ہو گئیں اور مدینہ کا راستہ لیا۔



حضرت ام حبیبہؓ کا قبول اسلام

ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ ابو سفیان کی بیٹی تھیں، اور حضرت عبداللہ بن جحش کے بھائی عبید اللہ بن جحش سے نکاح ہوا اور انہیں کے ساتھ مسلمان ہوئیں۔ ابو سفیان نے اپنی بیٹی اور داماد کو ان کے دین سے پھیر کر اپنے اور اپنے آباء و اجداد کے دین میں واپس لانے کی انتہائی کوشش کی، مگر وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا، کیونکہ ایمان جو ان کے دلوں میں راسخ ہو چکا تھا اس کی جڑیں اتنی گہرائی میں اتر چکی تھیں کہ ابو سفیان کے غیظ و غضب کی آندھیاں اسے اکھاڑ تو کیا سکتیں اپنی جگہ سے ہلا بھی نہ سکیں۔

ابو سفیان کو ان کے مسلمان ہونے کا شدید قلق تھا، جب قریش نے دیکھا کہ ابو سفیان اپنی بیٹی اور اس کے شوہر پر ناراض ہے تو وہ ان دونوں کے خلاف جری ہو گئے، وہ ان کو سخت اور اذیت ناک سزائیں دیتے، یہاں تک کہ ان کے لیے مکہ میں زندگی گزارنا دو بھر ہو گیا تو جحش کو ہجرت کی، جحش میں جا کر عبید اللہ نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا، ام حبیبہؓ سے بھی کہا لیکن وہ اسلام پر قائم رہیں۔

اب وہ وقت آ گیا کہ ان کو اسلام اور ہجرت کی فضیلت کے ساتھ ام المومنین بننے کا بھی شرف حاصل ہو، عبید اللہ نے عیسائی ہو کر بالکل آزادانہ زندگی بسر کرنا شروع کی، شراب نوشی کی عادت ہو گئی، آخر ان کا انتقال ہو گیا۔

عدت کے دن ختم ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے عمرو بن امیہ ضمیرؓ کو نجاشی کی خدمت میں بغرض نکاح بھیجا، جب وہ نجاشی کے پاس پہنچے تو اس نے ام حبیبہؓ کو اپنی

لوٹڈی ابرہہ کے ذریعہ سے پیغام دیا کہ آنحضرت ﷺ نے مجھ کو تمہارے نکاح کے لیے لکھا ہے، یہ سن کر حضرت ام حبیبہؓ سے پھولی نہ سمائیں اور بے ساختہ بول پڑیں:

”بشرك الله بالخير بشرک الله بالخير“ (اللہ تم کو خوش رکھے، اللہ تم

کو خوشخبری سنائے)

پھر اپنے جسم سے ایک ایک کر کے تمام زیورات اتارنے لگیں، انہوں نے اپنے کنگن اتار کر ابرہہ کو دیدیئے، پھر پازیب، پھر دونوں کانوں کی بالیاں، اور انگوٹھیاں ان کو دیدیں، اور اگر اس وقت ان کے پاس دنیا کے سارے خزانے ہوتے تو وہ سب ابرہہ کو بخش دیتیں۔

پھر انہوں نے خالد بن سعید امویؓ کو وکیل مقرر کیا، جب شام ہوئی تو نجاشی نے وہاں کے مسلمانوں کو جمع کر کے خود نکاح پڑھایا اور آنحضرت ﷺ کی طرف سے چار سو دینار مہر ادا کیا، نکاح کے بعد سبھی حضرات کو کھانا کھلایا کیونکہ ولیمہ انبیاء کی سنت ہے۔

حضرت ام حبیبہؓ کہتی ہیں کہ ”جب میرے پاس مہر کی رقم پہنچی تو میں نے اس میں سے چچاس مثقال سونا ابرہہ کے یہاں بھیج دیا، تھوڑی دیر کے بعد ابرہہ میرے پاس آئی اور اس نے وہ سونا جو میں نے اس کے پاس بھیجا تھا واپس کر دیا، پھر اس نے ایک ڈبہ نکالا جس میں میرے دیئے ہوئے زیورات تھے اس نے سارے زیورات یہ کہتے ہوئے لوٹا دیئے کہ بادشاہ نے مجھے آپ سے کچھ لینے کو سختی سے منع کیا ہے، پھر اس نے کہا: مجھے ایک ضرورت ہے، میرے دریافت کرنے پر اس نے بتایا کہ میں نے اسلام قبول کر کے محمد ﷺ کے دین کی پیروی اختیار کر لی ہے، تو آپ نبی ﷺ کو میرا سلام پہنچا دیجئے گا اور ان کو بتا دیجئے گا کہ میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لا چکی ہوں، اس کو بھولیے گامت، پھر اس نے میری روانگی کا انتظام کیا اور میں رسول اللہ ﷺ کی طرف روانہ کر دی گئی، جب میری ملاقت رسول اللہ ﷺ سے ہوئی تو میں نے نکاح کی پوری رواد آپ ﷺ کو سنائی اور جو کچھ میں نے ابرہہ کے ساتھ کیا تھا اس سے بھی

آپ ﷺ کو آگاہ کیا اور اس کا سلام بھی آپ ﷺ کو پہنچا دیا، رسول اللہ ﷺ نے اس کی باتیں سن کر نہایت خوشی کا اظہار کیا اور اس کے سلام کے جواب میں فرمایا: **عليها السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ**۔

حضرت ام حبیبہؓ کے جوش ایمان کا یہ منظر قابل دید ہے کہ فتح مکہ سے قبل جب ان کے باپ ابوسفیان کفر کی حالت میں آنحضرت ﷺ کے پاس مدینہ آئے اور ان کے گھر گئے تو آنحضرت ﷺ کے پھونے پر بیٹھنا چاہتے تھے، حضرت ام حبیبہؓ نے یہ دیکھ کر پھوننا الٹ دیا، ابوسفیان سخت برہم ہوئے کہ ”پھوننا اس قدر عزیز ہے“، بولیں ”یہ آنحضرت ﷺ کا بستر ہے اور آپ مشرک ہیں اور اس بنا پر ناپاک ہیں“، ابوسفیان نے کہا کہ ”تو میرے پیچھے بہت بگڑ گئی“۔



حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا قبول اسلام

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا المطلب کی بیٹی تھیں، ماں کا نام ہالہ بنت وہب تھا جو حضرت آمنہ کی بہن ہیں، اس بنا پر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا حضرت ﷺ کی پھوپھی ہونے کے ساتھ آپ ﷺ کی خالہ زاد بہن بھی تھیں، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی ہالہ سے پیدا ہوئے تھے اس لیے وہ اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا حقیقی بھائی بہن تھے۔

۴۰ برس کی عمر ہوئی تو آنحضرت ﷺ سے متعلقہ ہوئے، آنحضرت ﷺ کی تمام پھوپھیوں میں یہ شرف صرف حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہے کہ انہوں نے اسلام قبول کیا، اسد الغابہ میں ہے:

”والصحيح أنه لم يسلم غيرها“ (یعنی صحیح یہ ہے کہ ان کے سوا آنحضرت ﷺ کی کوئی پھوپھی ایمان نہیں لائیں)

اپنے بیٹے حضرت زبیر بن العوامؓ کے ساتھ ہجرت کی، غزوہ احد میں جب مسلمانوں نے شکست کھائی تو وہ مدینہ سے نکلیں، صحابہؓ سے عتاب آمیز لہجہ میں کہتی تھیں کہ ”رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر چل دیئے؟“ آنحضرت ﷺ نے ان کو آتے ہوئے دیکھا تو حضرت زبیرؓ کو بلا کر ارشاد فرمایا کہ ”حمزہؓ کی لاش کو دیکھنے نہ پائیں“، حضرت زبیرؓ نے آنحضرت ﷺ کا پیغام سنایا، بولیں کہ ”میں اپنے بھائی کا ماجرا سن چکی ہوں، لیکن خدا کی راہ میں یہ کوئی بڑی قربانی نہیں“، آنحضرت ﷺ نے اجازت دی لاش پر گئیں، خون کا جوش تھا اور عزیز بھائی کے ٹکڑے بکھرے پڑے ہوئے تھے، لیکن ان اللہ وانا الیہ راجعون کہہ کر چپ ہو گئیں اور مغفرت کی دعا مانگی۔

حضرت ام ایمن کا قبول اسلام

یہ حضور ﷺ کے والد حضرت عبداللہ کی کنیز تھیں، بچپن سے حضرت عبداللہ کے ساتھ رہیں اور جب انہوں نے انتقال کیا تو حضرت آمنہ کے پاس رہنے لگیں، جب آنحضرت ﷺ کی عمر چھ برس کی ہوئی تو آپ ﷺ کی والدہ آپ ﷺ کو لے کر مدینہ گئیں، اس سفر میں ام ایمن بھی ساتھ تھیں جو آنحضرت ﷺ کی واپس تھیں ایک مہینہ تک مدینہ میں مقیم رہیں، واپس آتے وقت جب مقام ابوا میں پہنچیں تو ان کا انتقال ہو گیا اور یہیں مدفون ہوئیں، ام ایمن آنحضرت ﷺ کو لے کر مکہ آئیں۔

حضرت آمنہ کی وفات کے بعد خود سرور کائنات ﷺ کے حلقہ غلامی میں داخل ہونے کا شرف حاصل کیا، آنحضرت ﷺ کی انہوں نے ہی پرورش و پرورش پر وادخت کی تھی۔

آنحضرت ﷺ نے حضرت زید بن حارثہؓ جو کہ محبوب خاص تھے ان کا نکاح پڑھایا، یہ بعثت کے بعد کا واقعہ ہے، حضرت زیدؓ چونکہ مسلمان ہو چکے تھے، ام ایمنؓ نے بھی اسلام قبول کیا، جب مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تو وہ بھی گئیں اور وہاں سے ہجرت کے بعد مدینہ واپس آئیں۔

آنحضرت ﷺ ان کی نہایت عزت کرتے اور فرماتے تھے کہ ”ام ایمن میری

ماں ہیں۔“



حضرت فاطمہ بنت اسد کا قبول اسلام

ابوطالب بن عبدالمطلب سے نکاح ہوا، جن سے حضرت علیؑ پیدا ہوئے، آغاز اسلام میں خاندان ہاشم نے آنحضرت ﷺ کا سب سے زیادہ ساتھ دیا تھا اور ان میں اکثر مسلمان بھی ہو گئے تھے، حضرت فاطمہ بھی ان ہی لوگوں میں تھیں اور اگرچہ ان کے شوہر ابوطالب ایمان نہیں لائے پھر وہ اور ان کی بعض اولاد مشرف بہ اسلام ہوئی، جب ابوطالب کا انتقال ہوا تو ان کے بجائے حضرت فاطمہ آنحضرت ﷺ کی دست و بازو رہیں۔ جب مسلمان ہو کر ہجرت کی اجازت ملی تو حضرت فاطمہؑ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی، آنحضرت ﷺ کی زندگی میں وفات پائی، آپ ﷺ نے اپنی قمیص اتار کر کفن دیا اور قبر میں اتر کر لیٹ گئے، لوگوں نے وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ ”ابوطالب کے بعد ان سے زیادہ میرے ساتھ کسی نے سلوک نہیں کیا تھا، اس بنا پر میں نے ان کو قمیص پہنچایا کہ جنت میں ان کو جوڑا ملے اور قبر میں لیٹ گیا کہ شدائد قبر میں کمی واقع ہو۔“



حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا کا قبول اسلام

حضرت عباسؓ سے جو آنحضرت ﷺ کے عم محترم تھے نکاح ہوا، ہجرت سے قبل مسلمان ہوئیں، ابن سعد کا خیال ہے کہ انہوں نے حضرت خدیجہؓ کے بعد اسلام قبول کیا تھا، باقی اور عورتیں ان کے بعد ایمان لائیں، اس لحاظ سے ان کے ایمان لانے کا زمانہ بہت قدیم ہو جاتا ہے، انہوں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ حج بھی کیا تھا، اور آپ ﷺ سے بہت محبت کرتی تھیں، آپ ﷺ اکثر ان کے یہاں جاتے اور دوپہر کے وقت آرام فرماتے تھے۔

حضرت عباسؓ کی اکثر اولاد ان ہی کے بطن سے پیدا ہوئیں اور چونکہ سب بیٹے نہایت قابل تھے، اس لیے بڑی خوش قسمت سمجھی جاتی تھیں، ان میں حضرت عبداللہؓ اور عبید اللہؓ اسماں علم کے مہر و ماہ تھے۔



حضرت ام رومان کا قبول اسلام

ان کا نکاح عبداللہ بن سجرہ سے نکاح ہوا اور انہیں کے ہمراہ مکہ آ کر اقامت اختیار کی، عبداللہ حضرت ابو بکرؓ کے حلیف بن گئے تھے، اس بنا پر جب عبداللہ نے انتقال کیا تو حضرت ابو بکرؓ صدیق نے خود ان سے نکاح کر لیا، ام المومنین حضرت عائشہؓ اور عبدالرحمان بن ابو بکرؓ انہیں کے بطن سے پیدا ہوئے۔

کچھ زمانہ کے بعد مکہ سے اسلام کی صدا بلند ہوئی تو حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ انہوں نے بھی اس صدا کو لپیک کہا۔

ہجرت کے وقت ابو بکرؓ تہا آنحضرت ﷺ کی معیت میں مدینہ کو روانہ ہو گئے تھے لیکن ان کا خاندان مکہ ہی میں مقیم تھا، مدینہ پہنچے تو وہاں سے حضرت زید بن حارثہؓ اور ابو رافعؓ مستورات کو لانے کے لیے بھیجے گئے، ام رومان بھی انہیں کے ہمراہ مدینہ میں آئیں۔ ایک مرتبہ حضرت ابو بکرؓ اصحاب صفہ میں سے ۳/ صاحبوں کو اپنے گھر لائے تھے، آنحضرت ﷺ کے پاس گئے تو واپسی میں دیر ہو گئی، گھر آئے تو ام رومان نے کہا کہ ”مہمانوں کو چھوڑ کر کہاں بیٹھ رہے؟“ بولے ”تم نے کھانا نہیں کھلایا؟“ جواب ملا ”کھانا بھیجا تھا لیکن ان لوگوں نے انکار کیا“، غرض کھانا کھلایا گیا اور اس قدر برکت ہوئی کہ نہایت افراط کے ساتھ بیچ رہا تھا، حضرت ابو بکرؓ نے حضرت ام رومانؓ سے پوچھا ”اب کتنا ہے؟“ بولیں ”۳/ گنے سے زیادہ“، چنانچہ سب اٹھوا کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیج دیا گیا۔

حضرت ام رومانؓ نے (۹ھ) یا اس کے بعد انتقال کیا، آنحضرت ﷺ خود قبر میں اترے اور ان کے لیے مغفرت کی دعا کی۔

حضرت سمیہؓ کا قبول اسلام

یہ حضرت عمار بن یاسرؓ کی والدہ ہیں، ایام پیری میں مکہ سے اسلام کی صدا بلند ہوئی، تو حضرت سمیہؓ، ان کے شوہر یاسرؓ اور ان کے بیٹے عمارتینوں نے اس دعوت کو لبیک کہا، تاریخ میں ہے کہ حضرت سمیہؓ کا اسلام قبول کرنے والوں میں ساتواں نمبر تھا، کچھ دن اطمینان سے گزرے تھے کہ قریش کا ظلم و ستم شروع ہو گیا اور بتدریج بڑھتا گیا، چنانچہ جو شخص جس مسلمان پر قابو پاتا طرح طرح کی وردناک تکلیفیں دیتا تھا، حضرت سمیہؓ کو بھی خاندان مغیرہ نے شرک پر مجبور کر دیا، لیکن وہ اپنے عقیدہ پر نہایت شدت سے قائم رہیں، جس کا صلہ یہ ملا کہ مشرکین ان کو مکہ کی چلتی پھرتی ریت پر لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں کھڑا کر دیتے تھے، لیکن ان کے عزم و استقلال کے چھینٹوں کے سامنے یہ آتش کدہ سرد پڑ جاتا تھا، آنحضرت ﷺ ادھر سے گزرتے تھے تو یہ حالت دیکھ کر فرماتے: ”آل یاسر! صبر کرو اس کے عوض تمہارے لیے جنت ہے۔“

دن بھر اس مصیبت میں رہ کر شام کو نجات ملتی تھی، ایک مرتبہ شب کو گھر آئیں تو ابو جہل نے ان کو گالیاں دینی شروع کیں اور پھر غصہ اس قدر تیز ہوا کہ اٹھ کر ایسی برچھی ماری کہ حضرت سمیہؓ جاں بحق تسلیم ہو گئیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت عمار کو اپنی والدہ کی اس بے کسی پر سخت افسوس تھا، آنحضرت ﷺ سے آکر کہا کہ ”اب حد ہو گئی“، آنحضرت ﷺ نے صبر کی تاکید فرمائی اور کہا: ”خداوند! آل یاسر کو جہنم سے بچا“، یہ واقعہ ہجرت نبوی سے قبل کا ہے اس بنا پر حضرت سمیہؓ اسلام میں سب سے پہلے شہید ہوئیں، غزوہ بدر میں جب ابو جہل مارا گیا تو آنحضرت ﷺ نے حضرت عمارؓ سے فرمایا: ”دیکھو! تمہاری ماں کے قاتل کا خدا نے فیصلہ کر دیا۔“

حضرت ام سلیم کا قبول اسلام

حضرت ام سلیم سلمی بنت زید کی پوتی تھیں اور سلمی عبدالمطلب کی والدہ تھیں، اسی بنا پر ام سلیم آنحضرت ﷺ کی خالہ مشہور ہیں۔

مالک بن نضر سے نکاح ہوا جن سے حضرت انس بن مالک پیدا ہوئے، مدینہ میں اوائل اسلام میں مسلمان ہوئیں، مالک چونکہ اپنے آبائی مذہب پر قائم رہنا چاہتے تھے، اور ام سلیم تبدیل مذہب پر اصرار کرتی تھیں، اس لیے دونوں میں کشیدگی پیدا ہوئی اور مالک ناراض ہو کر شام چلے گئے اور وہیں انتقال کیا۔

ابوطلحہ جو اسی قبیلہ سے تھے نکاح کا پیغام دیا، لیکن ام سلیم کو اب بھی وہی عذر تھا یعنی ابوطلحہ مشرک تھے، اس لیے وہ ان سے نکاح نہیں کر سکتی تھیں، غرض ابوطلحہ نے کچھ دن غور کر کے اسلام کا اعلان کیا اور ام سلیم کے سامنے آ کر کلمہ پڑھا، حضرت ام سلیم نے حضرت انس سے کہا: ”اب تم ان کے ساتھ میرا نکاح کر دو“ ساتھ ہی مہر محاف کر دیا اور کہا کہ ”میرا مہر اسلام ہے“، حضرت انس کہا کرتے تھے کہ ”یہ نہایت عجیب و غریب مہر تھا“، نکاح کے بعد حضرت ابوطلحہ نے بیعت عقبہ میں شرکت کی اور چند ماہ کے بعد جناب رسالت مآب ﷺ مدینہ میں تشریف لائے، حضرت ام سلیم اپنے صاحبزادے حضرت انس کو لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں آئیں اور کہا: ”میں انیس کو آپ ﷺ کی خدمت کے لیے پیش کرتی ہوں، یہ میرا بیٹا ہے“، آپ ﷺ اس کے لیے دعا فرمائیں، آنحضرت ﷺ نے دعا فرمائی۔

حضرت ام سلیم میں بڑے بڑے فضائل اخلاق جمع تھے، ان کے جوش ایمان کا

یہ عالم تھا کہ اپنے شوہر سے صرف اس بنا پر علاحدگی اختیار کی کہ وہ اسلام قبول کرنے پر رضامند نہ تھے، حضرت ابو طلحہؓ نے نکاح کا پیغام دیا تو محض اس وجہ سے رد کر دیا کہ وہ مشرک تھے، اس موقع پر انہوں نے ابو طلحہؓ کو جس خوبی سے اسلام کی دعوت دی وہ سننے کے قابل ہے، مسند احمد میں ہے کہ ام سلیمؓ نے کہا: ”ابو طلحہ! تم جانتے ہو کہ تمہارا معبود زمین سے اگا ہے؟“ انہوں نے جواب دیا: ”ہاں“ حضرت ام سلیمؓ بولیں ”تو پھر تم کو درخت کی پوجا کرتے شرم نہیں آتی“، حضرت ابو طلحہؓ پر اس تقریر کا اتنا اثر ہوا کہ فوراً مسلمان ہو گئے۔

آنحضرت ﷺ سے حد درجہ محبت کرتی تھیں، آپ ﷺ اکثر ان کے مکان تشریف لے جاتے اور دوپہر کو آرام فرماتے تھے، جب بستر سے اٹھتے تو وہ آپ ﷺ کے سینے اور ٹوٹے ہوئے بالوں کو ایک شیشی میں جمع کرتی تھیں، اور اسے اپنی خوشبو میں ملاتی تھیں، یہ ہر عطر سے زیادہ خوشبودار ہوتا تھا۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”میں جنت میں گیا تو مجھ کو آہٹ معلوم ہوئی، میں نے کہا: کون ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ انس کی والدہ غمیصاء بنت ملحان (ام سلیمؓ) ہیں،“ حضرت ام سلیمؓ کے فضائل و مناقب بہت ہیں۔



حضرت ام عمارہؓ کا قبول اسلام

قبیلہ خزرج کے خاندان نجار سے ہیں، ان کا پہلا نکاح زید بن عاصمؓ سے ہوا، پھر عربہ بن عمرو کے عقد نکاح میں آئیں، اور انہیں کے ساتھ بیعت عقبہ میں شرکت کی، سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے کہ بیعت عقبہ میں ۷۳/۷۴ مرد اور دو عورتیں شامل تھیں، حضرت ام عمارہؓ کا بھی ان ہی میں شمار ہے۔

غزوہ احد میں شریک ہوئیں اور نہایت پامردی سے لڑیں، جب تک مسلمان فتحیاب تھے وہ مشک میں پانی بھر کر لوگوں کو پلار ہی تھیں، لیکن جب شکست ہوئی تو آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچیں اور سینہ سپر ہو گئیں، کفار جب آپ ﷺ پر بڑھتے تھے تو تیر اور تلوار سے روکتی تھیں، آنحضرت ﷺ کا خود بیان ہے کہ ”میں احد میں ان کو اپنے داہنے اور بائیں برابر لڑتے ہوئے دیکھتا تھا“۔

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ ان کے مکان میں تشریف لائے تو انہوں نے کھانا پیش کیا، ارشاد ہوا: ”تم بھی کھاؤ“ بولیں ”میں روزہ سے ہوں“، آنحضرت ﷺ نے کھانا نوش فرمایا اور فرمایا کہ ”روزہ دار کے پاس اگر کچھ کھایا جائے تو اس پر فرشتے درود بھیجتے ہیں“۔



حضرت ام عطیہؓ کا قبول اسلام

انصار کے قبیلہ ابی مالک بن النجار سے تھیں، ہجرت سے قبل مسلمان ہوئیں، آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے تو انصار کی عورتوں کو ایک مکان میں بیعت کے لیے جمع کیا اور حضرت عمرؓ کو دروازہ پر بھیجا کہ ان شرائط پر بیعت لیں کہ ”شُرک نہ کریں گی، چورنی اور زنا سے بچیں گی، اولاد کو قتل نہ کریں گی، کسی پر بہتان نہ باندھیں گی، اچھی باتوں سے انکار نہ کریں گی“، عورتوں نے یہ سب تسلیم کیا، تو حضرت عمرؓ نے اندر کی طرف ہاتھ بڑھایا اور عورتوں نے اپنے ہاتھ باہر نکالے جو بیعت کی علامت تھی، اس کے بعد حضرت ام عطیہؓ نے پوچھا کہ ”اچھی باتوں سے انکار کرنے کے کیا معنی ہیں؟“ حضرت عمرؓ نے فرمایا: ”نوحہ اور بیان نہ کرنا“۔

حضرت ام عطیہؓ ٹھہر رسالت کے سات معرکوں میں شریک ہوئیں، جن میں وہ مردوں کے لیے کھانا پکاتی، ان کے سامان کی حفاظت کرتی، مریضوں کی تیمارداری اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔

آنحضرت ﷺ سے بہت محبت کرتی تھیں، اور آپ ﷺ بھی ان سے محبت کرتے تھے، احکام نبوی کی پوری پابندی کرتی تھیں، آنحضرت ﷺ نے بیعت میں نوحہ کی ممانعت کی تھی اس پر انہوں نے ہمیشہ عمل کیا، ان کے ایک بیٹے کا انتقال بصرہ میں ہوا، انتقال کے تیسرے روز انہوں نے خوشبو منگا کر ملی اور کہا کہ ”شوہر کے علاوہ اور کسی کے لیے ۳/۳ دن سے زیادہ سوگ نہیں کرنا چاہیے۔“

حضرت رُبیع بنت معوذ کا قبول اسلام

حضرت ربیع اور ان کے تمام بھائی عفراء کی اولاد میں مشہور ہیں، عفراء ان لوگوں کی دادی تھیں۔

حضرت ربیع ہجرت سے قبل مسلمان ہوئیں، ان کا جوش ایمان اس سے ظاہر ہے کہ ایک مرتبہ اسماء بنت مخربہ جو ابو ربیعہ مخزومی کی بیوی تھی اور عطر بیچتی تھی، چند عورتوں کے ساتھ ربیع کے گھر آئی اور ان کا نام و نسب دریافت کیا، چونکہ ربیع کے بھائی نے ابو جہل کو بدر میں قتل کیا تھا، اور اسماء قریش کے قبیلہ سے تھی، بولی ”تم تو ہمارے سردار کے قاتل کی بیٹی ہو“، حضرت ربیع کو ابو جہل کی نسبت سردار کا لفظ نہایت ناگوار ہوا، بولیں ”سردار نہیں بلکہ غلام کے قاتل کی بیٹی ہوں“، اسماء کو ابو جہل کی شان میں یہ گستاخی پسند نہ آئی، جھنجھلا کر کہا کہ ”مجھ کو تمہارے ہاتھ سودا بیچنا حرام ہے“، حضرت ربیع نے برجستہ کہا: ”مجھ کو تم سے کچھ خریدنا حرام ہے، کیونکہ تمہارا عطر، عطر نہیں بلکہ گندگی ہے۔“



حضرت ام ہانیؓ کا قبول اسلام

ام ہانی رسول اللہ ﷺ کے چچا ابوطالب کی بیٹی تھیں، حضرت علیؓ، حضرت جعفرؓ، اور ام ہانیؓ حقیقی بھائی بہن ہیں۔

(۸ھ) میں جب مکہ فتح ہوا، مسلمان ہوئیں، آپ ﷺ نے اس روز ان کے مکان میں غسل کیا تھا، اور چاشت کی نماز پڑھی تھی، انہوں نے اپنے دو عزیزوں کو جو مشرک تھے پناہ دے دی تھی، آنحضرت ﷺ نے بھی ان کو پناہ دی، ان کا شوہر ہبیرہ بن عمرو مخزومی فتح مکہ میں نجران بھاگ گیا تھا، آنحضرت ﷺ سے ان کو بڑی عقیدت تھی، اور آپ ﷺ کو بھی ان سے بڑی محبت تھی، ایک مرتبہ فرمایا: ”ام ہانی! بکری لے لو یہ بڑی خیر و برکت کی چیز ہے“، ایک مرتبہ انہوں نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ ”ب میں بوڑھی ہو گئی ہوں اور چلنے پھرنے میں ضعف معلوم ہوتا ہے، اس لیے ایسا عمل بتلایا جائے جس کو بیٹھے بیٹھے انجام دے سکوں“، آپ ﷺ نے ایک وظیفہ بتلایا، فرمایا: ”سبحان اللہ ایک سو مرتبہ، الحمد للہ ایک سو مرتبہ، اللہ اکبر ایک سو مرتبہ، اور لا الہ الا اللہ ایک سو مرتبہ کہہ لیا کرو“۔



حضرت فاطمہؓ بنت خطاب کا قبول اسلام

فاطمہؓ حضرت عمرؓ کی بہن ہیں، حضرت سعید بن زیدؓ سے نکاح ہوا اور انہیں کے ساتھ مسلمان ہوئیں، یہ اوائل اسلام کا واقعہ ہے، ان کے کچھ دنوں کے بعد ان کے بھائی یعنی حضرت عمرؓ مسلمان ہوئے، اور ان ہی کے سبب سے ہوئے تھے، جب حضرت عمرؓ کو ان دونوں کے مسلمان ہونے کی خبر ملی تو سیدھا ان کے گھر گئے اور کہا: ”میں نے سنا ہے کہ تم دونوں مرتد ہو گئے ہو،“ یہ کہہ کر بہنوئی سے دست و گریباں ہو گئے، حضرت فاطمہؓ بچانے کو آئیں تو ان کی بھی خبر ملی، بال پکڑ کر گھسیٹے اور اس قدر مارا کہ ان کا بدن لہولہاں ہو گیا، اسی حالت میں ان کی زبان سے نکلا ”عمر! جو ہو سکے کرو، لیکن اب اسلام دل سے نہیں نکل سکتا“، ان الفاظ نے حضرت عمرؓ کے دل پر ایک خاص اثر کیا، بہن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا ان کے بدن سے خون جاری تھا، یہ دیکھ کر اور بھی رقت ہوئی، فرمایا: ”تم لوگ جو پڑھ رہے تھے مجھ کو بھی سناؤ“، فاطمہؓ نے قرآن کے اجزاء لا کر سامنے رکھ دیئے، حضرت عمرؓ ان کو پڑھتے جاتے تھے اور ان پر رعب چھاتا جاتا تھا، یہاں تک کہ ایک آیت پر پہنچ کر پکارا ٹھے ”اشہد أن لا اله الا الله واشہد أن محمدا رسول الله“ حضرت فاطمہؓ نے اپنے شوہر کے ساتھ ہجرت کی۔



حضرت اسماء بنت عمیسؓ کا قبول اسلام

حضرت علیؓ کے بڑے بھائی حضرت جعفرؓ سے ان کا نکاح ہوا، اور آنحضرت ﷺ کے ارقم کے گھر میں مقیم ہونے سے قبل مسلمان ہوئیں، حضرت جعفرؓ نے بھی اسی زمانہ میں اسلام قبول کیا تھا، حبشہ کی ہجرت کی اور کئی سال تک مقیم رہیں، (۷ھ) میں جب خیبر فتح ہوا تو مدینہ آئیں، حضرت حفصہؓ کے گھر گئیں، تو حضرت عمرؓ بھی آگئے، پوچھا ”یہ کون ہیں؟“ جواب ملا ”اسماء“ بولے ”ہاں، وہ حبش والی وہ سمندر والی“ حضرت اسماء نے کہا: ”ہاں وہی“ حضرت عمرؓ نے کہا: ”ہم کو تم پر فضیلت ہے، اس لیے کہ ہم مہاجر ہیں“، حضرت اسماء کو یہ جملہ سن کر غصہ آیا، بولیں ”کبھی نہیں! تم آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے، آپ ﷺ بھوکوں کو کھلاتے اور جاہلوں کو پڑھاتے تھے، لیکن ہماری حالت بالکل جدا گانہ تھی، ہم نہایت دور دراز مقام میں صرف خدا اور رسول کی خوشنودی کے لیے پڑے رہے اور بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائیں“، آنحضرت ﷺ مکان تشریف لائے تو انہوں نے سارا قصہ بیان کیا، ارشاد ہوا: ”انہوں نے ایک ہجرت کی اور تم نے دو ہجرتیں کیں، اس لیے تم کو زیادہ فضیلت ہے“، حضرت اسماء اور دوسرے مہاجرین کو اس سے اس درجہ مسرت ہوئی کہ دنیا کی تمام فضیلتیں ہیچ معلوم ہوتی تھیں، مہاجرین حبشہ جوق در جوق حضرت اسماء کے پاس آتے اور یہ واقعہ دریافت کرتے تھے۔

(۸ھ) میں غزوہ موتہ میں حضرت جعفرؓ نے شہادت پائی، آنحضرت ﷺ کو خبر

ہوئی، حضرت اسماء فرماتی ہیں کہ ”میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی دیکھا کہ حضور ﷺ آبدیدہ تھے، میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ کیسے ہیں کیوں

ہیں؟ کیا جعفرؓ کے متعلق کوئی اطلاع آئی ہے، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”ہاں وہ شہید ہو گئے ہیں“، بچوں کو نہلا دھلا کر ہمراہ لے گئی تھیں، حضور ﷺ نے بچوں کو اپنے پاس بلایا اور میں چیخ اٹھی، آنحضرت ﷺ اپنے اہل بیت کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا: ”جعفرؓ کے بچوں کے لیے کھانا پکاؤ، کیونکہ وہ رنج و غم میں مصروف ہیں۔“

غزوہ حنین کے زمانے میں آنحضرت ﷺ نے ان کا نکاح حضرت ابو بکرؓ سے پڑھا دیا تھا جس کے دو برس بعد محمد بن ابو بکرؓ پیدا ہوئے، حضرت ابو بکرؓ کی وفات کے بعد اسماء حضرت علیؓ کے عقد نکاح میں آئیں، اور محمد بن ابو بکرؓ بھی ساتھ آئے اور حضرت علیؓ کی آنکھوں میں تربیت میں پرورش پائی۔



حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کا قبول اسلام

حضرت ابو بکرؓ کی صاحبزادی ہیں، حضرت زبیر بن العوامؓ سے نکاح ہوا، اپنے شوہر کی طرح انہوں نے بھی قبول اسلام میں سبقت کی، ابن اسحاق کے قول کے مطابق ان کا ایمان لانے والوں میں اٹھارہواں نمبر تھا۔

جب آنحضرت ﷺ نے مدینہ ہجرت کی تو حضرت ابو بکرؓ رفیق صحبت تھے، آپ ﷺ دو پہر کو ان کے گھر تشریف لائے، اور ہجرت کا خیال ظاہر فرمایا، حضرت اسماءؓ نے سفر کا سامان کیا، دو تین دن کا کھانا ناشتہ وان میں رکھا، نطاق جس کو حورتیں کمر میں لپیٹتی ہیں پھاڑ کر اس سے ناشتہ وان کا منہ باندھا، یہ وہ شرف تھا جس کی بنا پر آج تک ان کا ”ذات الطاقین“ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

حضرت ابو بکرؓ ہجرت کے وقت کل روپیہ ساتھ لے گئے تھے، ان کے والد ابو قحافہ کو معلوم ہوا تو بولے کہ ”انہوں نے جانی و مالی دونوں قسم کی تکلیف دی“، حضرت اسماءؓ نے کہا: ”وہ کثیر دولت چھوڑ گئے ہیں“، یہ کہہ کر انھیں اور جس جگہ حضرت ابو بکرؓ کا مال رہتا تھا بہت سے پتھر رکھ دیئے اور ان پر کپڑا ڈال دیا، پھر ابو قحافہ کو لے گئیں اور کہا: ”ٹٹول لیجئے، دیکھئے یہ رکھا ہے“، ابو قحافہ نابینا ہو گئے تھے اس لیے مان گئے اور کہا: ”کھانے کے لیے بہت ہے“، حضرت اسماءؓ کا بیان ہے کہ ”میں نے صرف ابو قحافہ کی تسکین کے لیے ایسا کیا تھا ورنہ وہاں ایک حبہ بھی نہیں تھا“۔

آنحضرت ﷺ نے مدینہ پہنچ کر مستورات کو بلوایا تو حضرت اسماءؓ بھی آئیں، قبا میں قیام کیا یہاں عبداللہ بن زبیرؓ پیدا ہوئے ان کو لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت

میں حاضر ہوئیں، آپ ﷺ نے عبد اللہ کو گود میں لیا، گھٹی دی اور ان کے لیے دعا فرمائی، حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ نے گھٹی میں حضور ﷺ کا لعاب دہن پیا تھا، اس بنا پر جب سن شعور کو پہنچے تو فضائل و اخلاق کے پیکر مجسم تھے۔

حضرت اسماءؓ نہایت متواضع اور خاکسار تھیں، محنت و مشقت میں ان کو بالکل عار نہ تھا، چنانچہ جب ان کا نکاح ہوا تو حضرت زبیرؓ کے پاس کچھ نہ تھا، صرف ایک اونٹ اور ایک گھوڑا تھا، وہ گھوڑے کو دانہ دیتیں، پانی بھرتیں اور ڈول سیتی تھیں، روٹی پکانی نہیں آتی تھی اس لیے آٹا گوندھ کر رکھتی تھیں اور انصار کی بعض عورتیں پکا دیتی تھیں، رسول اللہ ﷺ نے حضرت زبیرؓ کو جو زمین عنایت فرمائی تھی وہاں جا کر وہ کھجوروں کی گھٹلیاں چشتیں اور تین فرلانگ سے سر پر لا کر لاتی تھیں، غربت کی وجہ سے جو کچھ خرچ کرتیں ناپ تول کر خرچ کرتیں، آنحضرت ﷺ نے منع کیا کہ پھر خدا بھی ناپ کر دے گا، اس وقت سے یہ عادت چھوڑ دی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آمدنی وافر ہو گئی اور پھر کبھی تنگ دست نہیں ہوئیں۔

حضرت اسماءؓ نہایت صابر تھیں حضرت ابن زبیرؓ کی شہادت ایک قیامت تھی، جوان کے لیے قیامت کبریٰ بن گئی تھی، شہادت کے بعد حجاج نے ان کی لاش کو سولی پر لٹکا دیا، ۳ دن گزرنے پر حضرت اسماءؓ نینر کو ساتھ لے کر اپنے بیٹے کی لاش پر آئیں، لاش الٹی لٹکی تھی، دل تھام کر اس منظر کو دیکھا، اور نہایت استقلال سے کہا: ”کیا اس سوار کے گھوڑے سے اترنے کا ابھی وقت نہیں آیا؟“ حضرت اسماءؓ نے لاش اٹھوا کر گھر منگوا یا اور غسل دلوا کر جنازہ کی نماز پڑھی حضرت ابن زبیرؓ کا جوڑا جوڑا لگ تھا، نہلانے کے لیے کوئی عضو اٹھایا جاتا تو ہاتھ کے ساتھ چلا آتا تھا، لیکن حضرت اسماءؓ نے یہ کیفیت دیکھ کر صبر کیا کہ خدا کی رحمت ان ہی پارہ پارہ ٹکڑوں میں نازل ہوتی ہے۔

حضرت اسماءؓ دعا کرتی تھیں کہ ”جب تک میں عبد اللہ کی لاش نہ دیکھ لوں مجھے موت نہ آئے“، چنانچہ ایک ہفتہ بھی نہ گزرا تھا کہ حضرت اسماءؓ نے داعی اجل کو لبیک کہا اس وقت ان کی عمر سو سال کی تھی۔

حضرت اسماء بنت یزید کا قبول اسلام

ہجرت کے بعد مسلمان ہوئیں اور چند عورتوں کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بیعت کے لیے آئیں، آپ ﷺ صحابہ کے مجمع میں تشریف فرما تھے، انہوں نے عرض کی کہ ”مسلمان عورتوں کی طرف سے ایک پیغام لے کر آئی ہوں، خدا نے آپ ﷺ کو مرد و عورت سب کی ہدایت کے لیے بھیجا ہے، ہم نے آپ ﷺ کی پیروی کی ہے اور آپ ﷺ پر ایمان لائے ہیں، لیکن ہماری حالت مردوں سے بالکل جداگانہ ہے، ہم پردہ نشین ہیں اس لیے جمعہ اور جماعت میں شریک نہیں ہو سکتے، اور مرد جمعہ و جماعت میں شریک ہوتے ہیں، مریضوں کی عیادت کرتے ہیں، نماز جنازہ پڑھتے ہیں، حج کو جاتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جہاد کرتے ہیں، لیکن ان تمام صورتوں میں ہم گھر میں بیٹھ کر ان کی اولاد کو پالتے ہیں، گھروں کی حفاظت کرتے ہیں، کپڑوں کے لیے چرخہ کاٹتے ہیں، تو کیا اس صورت میں ہم کو بھی ثواب ملے گا“، آنحضرت ﷺ نے سنا تو صحابہ سے فرمایا کہ ”تم نے کسی عورت سے ایسی گفتگو بھی سنی ہے؟“ لوگوں نے کہا: ”نہیں“ آپ ﷺ نے اسماءؓ کو جواب دیا کہ ”عورت کے لیے شوہر کی رضا جوئی نہایت ضروری چیز ہے، اگر وہ فرائض زوجیت ادا کرتی ہے اور شوہر کی مرضی پر چلتی ہے تو مرد کو جس قدر ثواب ملتا ہے، عورت کو بھی اسی قدر ملتا ہے۔“

حضرت اسماءؓ بہت بہادر تھیں (۱۵ھ) میں یرموک کا واقعہ پیش آیا، اس میں انہوں نے اپنے خیمہ کی لکڑی سے ۹/ رومیوں کو قتل کیا تھا۔

استیعاب میں ہے کہ ”وہ عقل و دین دونوں سے متصف تھیں۔“

آنحضرت ﷺ کی خدمت کرتی تھیں اکثر اوقات کا شانہ نبوت میں حاضر ہوتیں، حضرت عائشہؓ کی جب رخصتی ہوئی اور وہ میکہ سے کا شانہ نبوت میں آئیں تو جن عورتوں نے ان کو سنوارا تھا ان میں حضرت اسماءؓ بھی داخل ہیں۔

حضرت ام حکیمؓ بنت حارث کا قبول اسلام

حضرت ام حکیمؓ نے جس گھرانے میں آنکھیں کھولیں وہ کفر و شرک کا گہوارہ تھا، ان کے والد حارث بن ہشام ابو جہل کے حقیقی بھائی تھے اور دونوں بھائی اسلام کے سخت دشمن تھے اور یہی حال والدہ اور ماموں خالد بن ولید کا تھا، شادی بھی ہوئی تو اپنے چچا ابو جہل کے بیٹے عکرمہ سے جس کی رگوں میں بھی ابو جہل کا خون دوڑتا تھا، ظاہر ہے کہ ایسے ماحول میں ان کا اسلام کے نور سعادت سے بہرہ یاب ہونا محال تھا، لیکن فتح مکہ میں اسلام قبول کرنے میں انہوں نے بہت عجلت کی، ان کے شوہر عکرمہ جان بچا کر یمن بھاگ گئے تھے، ام حکیمؓ نے ان کے لیے امن کی درخواست کی تو رحمت عالم ﷺ کا دامن عفو نہایت کشادہ تھا، غرض یمن چا کر انہیں واپس لائیں اور عکرمہؓ نے صدق دل سے اسلام قبول کیا، حضرت عکرمہؓ نے مسلمان ہو کر اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کیا، نہایت جوش سے غزوات میں شرکت کی اور بڑی پامردی اور جانبازی سے لڑے، حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ خلافت میں رومیوں سے جنگ چھڑی، حضرت عکرمہؓ ام حکیمؓ کو ساتھ لے کر شام گئے اور اجنادین کے معرکہ میں داد شجاعت دے کر شہادت حاصل کی۔



حضرت خنساءؓ کا قبول اسلام

حضرت خنساءؓ بنجد کی رہنے والی تھیں، شاعرہ تھیں، اقسام سخن میں سے مرثیہ میں اپنا جواب نہیں رکھتی تھیں، صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں:

”ناقدان سخن کا فیصلہ ہے کہ خنساءؓ کے برابر کوئی عورت شاعر نہیں پیدا ہوئی۔“

زمانہ جاہلیت میں بازار عکاظ میں جو عرب کا سب سے بڑا مرکز تھا حضرت خنساءؓ کو یہ امتیاز حاصل تھا کہ ان کے خیمے کے دروازہ پر ایک جھنڈا نصب ہوتا تھا جس پر یہ الفاظ لکھے تھے

”أرئی العرب“ (عرب میں سب سے بڑی مرثیہ گو)

ابتداءً ایک دو شعر کہتی تھیں، لیکن اپنے بھائی صخر کے مرنے سے ان کو جو صدمہ پہنچا، اس نے ان کی طبیعت میں ایک ہيجان پیدا کر دیا تھا، چنانچہ کثرت سے مرثیے لکھے ہیں یہ شعر خاص طور پر مشہور ہے:

وان صخر ألتاتم الهدرلة به

كانه علم في رأسه نار

(صخر کی بڑے بڑے لوگ اقتدا کرتے ہیں، گویا وہ ایک پہاڑ ہے جس کی

چوٹی پر آگ روشن ہے)

لیکن اسلام کے بعد وہ اس قسم کے شعر پڑھا کرتی تھیں:

كنت أبكى له من النار

وأنا اليوم أبكى له من النار

(پہلے تو میں صخر کو بدلہ کی خاطر رویا کرتی تھی اور اب اس لیے روتی ہوں کہ وہ قتل ہو گیا اور اسلام نہ لاسکا اور اب جہنم کی آگ میں جلتا ہوگا) حضرت خنساء کا دیوان بہت ضخیم ہے ۸۸۸ء میں بیروت میں مع شرح کے چھاپا گیا ہے۔

پیری کا زمانہ تھا کہ مکہ کے افق سے ماہتاب رسالت طلوع ہوا، حضرت خنساء کو خبر ہوئی تو اپنی قوم کے کچھ لوگوں کے ساتھ مدینہ میں آئیں اور مشرف بہ اسلام ہوئیں، آنحضرت دیر تک ان کے اشعار سنتے اور تعجب کرتے رہے، وہ سناتی جاتی تھیں اور حضور ﷺ فرماتے جاتے تھے ”شبابش اے خنساء!“ یہ ہجرت کے بعد کا واقعہ ہے۔ قبول اسلام کے بعد وہ اپنے قبیلہ میں واپس تشریف لے گئیں اور لوگوں کو پیغام رسالت پہنچا کر اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی، زبان میں بڑی تاثیر تھی چنانچہ بے شمار لوگوں نے ان کی تبلیغ سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں جب قادیسیہ (عراق) میں جنگ ہوئی تو حضرت خنساء اپنے چار بیٹوں کو لے کر میدان میں آئیں اور ان کو مخاطب کر کے یہ نصیحت کی:

”پیارے بیٹو! تم نے اسلام اور ہجرت اپنی مرضی سے اختیار کی ہے ورنہ تم اپنے ملک کو بھاری نہ تھے اور نہ تمہارے یہاں قحط پڑا تھا، اس کے باوجود تم اپنی بوڑھی ماں کو یہاں لائے اور فارس کے آگے ڈال دیا، خدا کی قسم! تم ایک ماں اور ایک باپ کی اولاد ہو میں نے نہ تمہارے باپ سے خیانت کی اور نہ تمہارے ماموں کو رسوا کیا، تم جانتے ہو کہ دنیا فانی ہے اور کفار سے جہاد کرنے میں بڑا ثواب ہے خداوند تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا﴾

اس بنا پر صبح اٹھ کر لڑنے کی تیاری کرو اور آخر وقت تک لڑو۔

چنانچہ چارو بیٹوں نے ایک ساتھ بائیس اشٹائیں اور نہایت جوش میں رجز پڑھتے ہوئے ایک ساتھ میدان میں کود پڑے، بزرگ خاتون بارگاہ الہی میں عرض کرتی ہیں کہ ”خدا یا! میری متاع عزیز یہی کچھ تھی اب تیرے سپرد ہے“، چارو بیٹے لڑتے لڑتے شہید ہو گئے، جب حضرت خنساءؓ کو خبر ہوئی تو خدا کا شکر ادا کیا کہ ”اس خدا کا شکر ہے جس نے مجھے اپنے فرزندوں کی شہادت سے مشرف کیا، باری تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ قیامت کے دن مجھے ان بچوں کے ساتھ اپنے سایہ رحمت میں جگہ دے گا“، اس واقعہ کے دس برس کے بعد حضرت خنساءؓ نے وفات پائی۔



حضرت ہند کا قبول اسلام

ہند کا باپ عتبہ قریش کا سب سے معزز رئیس تھا، اور ابوسفیان بن حرب کی بیوی تھیں، عتبہ، ابوسفیان، اور ہند تینوں کو اسلام سے سخت عداوت تھی اور وہ اسلام کی غیر معمولی ترقی کو نہایت رشک سے دیکھتے تھے، اور حتی الامکان اس کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرتے تھے۔

آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت حمزہؓ نے ہند کے باپ عتبہ کو غزوہ بدر میں قتل کیا تھا، چنانچہ غزوہ احد میں ابوسفیان کے ساتھ ان کی بیوی ہند بھی ساتھ آئی تھیں، جنہوں نے اپنے باپ کے انتقام میں سنگ دلی اور خونخواری کا ایسا خوفناک منظر پیش کیا جس کے تخیل سے بھی جسم لرز اٹھتا ہے، چنانچہ انہوں نے وحشی کو حضرت حمزہؓ کے قتل پر آمادہ کیا تھا اور یہ اقرار ہوا کہ اس کا رگزاری کے بدلہ میں وہ آزاد کر دیئے جائیں گے، چنانچہ حضرت حمزہؓ جب ان کے برابر آئے تو وحشی نے حربہ پھینک کر مارا جو ناف میں لگا اور پار ہو گیا، حضرت حمزہؓ نے ان پر حملہ کرنا چاہا لیکن لڑکھڑا کر گر پڑے اور روح پرواز کر گئی۔ خاتونان قریش نے انتقام بدر کے جوش میں مسلمانوں کی لاشوں سے بھی بدلہ لیا تھا، ان کے ناک کان کاٹ لیے، ہند نے ان پھولوں کا ہار بنایا اور اپنے گلے میں ڈالا حضرت حمزہؓ کی لاش پر گئیں اور ان کا پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکالا اور چپا گئیں، لیکن گلے سے اتر نہ سکا اس لیے اگل دینا پڑا، آنحضرت ﷺ کو اس فعل سے جتنا صدمہ ہوا تھا اس کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟ لیکن ایک اور چیز تھی جو ایسے نازک موقعوں پر بھی جبین رحمت کو شکن آلود نہیں ہونے دیتی، چنانچہ جب مکہ فتح ہوا اور آنحضرت ﷺ

لوگوں سے بیعت لینے کے لیے بیٹھے تو مستورات میں ہند بھی آئیں، شریف عورتیں عموماً نقاب پہنتی تھیں، ہند بھی نقاب پہن کر آئیں، جس سے اس وقت یہ غرض تھی کہ کوئی ان کو پہچاننے نہ پائے، بیعت کے وقت انہوں نے نہایت دلیری سے باتیں کیں، جو حسب ذیل ہیں:

”ہند: یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ ہم سے کن باتوں کا اقرار لیتے ہیں؟

رسول اللہ ﷺ: خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا۔

ہند: یہ اقرار آپ ﷺ نے مردوں سے تو نہیں لیا؟ لیکن بہر حال ہم کو منظور ہے۔

رسول اللہ ﷺ: چوری نہ کرنا۔

ہند: میں اپنے شوہر کے مال میں سے کبھی کچھ لے لیا کرتی ہوں، معلوم نہیں یہ بھی جائز ہے یا نہیں؟

رسول اللہ ﷺ: اولاد کو قتل نہ کرنا۔

ہند: ہم نے اپنے بچوں کو پالا تھا بڑے ہوئے تو جنگ بدر میں آپ ﷺ نے ان کو مار ڈالا، اب آپ ﷺ اور وہ باہم سمجھ لیں۔“

اس دیدہ دلیری کے باوجود آنحضرت ﷺ نے ہند کو معاف کر دیا، ہند کے

قلب پر اس کا بہت اثر ہوا اور ان کے دل نے اندر سے گواہی دی کہ آپ ﷺ سچے

پیغمبر ہیں، انہوں نے کہا: ”رسول اللہ ﷺ! اس سے پہلے آپ ﷺ کے خیمہ سے

زیادہ میرے نزدیک کوئی خیمہ مبغوض نہیں تھا لیکن اب آپ ﷺ کے خیمہ سے زیادہ

کوئی محبوب خیمہ میرے نزدیک نہیں ہے،“ حضرت ہند مسلمان ہو کر گھر گئیں تو اب وہ

ہند نہ تھیں، ابن سعد نے لکھا کہ ”انہوں نے گھر جا کر بت توڑ ڈالا اور کہا کہ ہم تیری

طرف سے دھوکے میں تھے۔“

حضرت ام کلثوم بنت عقبہ کا قبول اسلام

ام کلثوم کا باپ عقبہ بن ابی معیط قبیلہ امیہ کا ایک ممتاز شخص تھا، اس کو رسول اللہ ﷺ اور اسلام سے سخت عداوت تھی۔

عبداللہ بن عمرو بن العاص کا چشم دید بیان ہے کہ ایک روز نبی کریم ﷺ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے، عقبہ بن ابی معیط آیا، اس نے اپنی چادر کو لپیٹ دے کر رسی جیسا بنایا اور جب نبی ﷺ سجدہ میں گئے تو چادر کو حضور ﷺ کی گردن میں ڈال دیا اور پیچ پر پیچ دینے شروع کئے، گردن مبارک بہت بھنج گئی تھی تاہم حضور ﷺ اسی اطمینان قلب سے سجدہ میں پڑے ہوئے تھے، اتنے حضرت ابو بکرؓ نے دھکے دے کر عقبہ کو ہٹایا اور زبان سے یہ آیت پڑھ کر سنائی،

﴿اتقتلون رجلاً أن يقول ربي الله وقد جاءكم بالبينات﴾

(کیا تم ایک بزرگ آدمی کو مارتے ہو اور صرف اس جرم میں کہ وہ اللہ

کو اپنا پروردگار کہتا ہے اور تمہارے پاس روشن دلائل لے کر آیا ہے)

چند شریر ابو بکرؓ سے لپٹ گئے اور ان کو بہت زد و کوب کیا۔

ایک دوسری دفعہ کا ذکر ہے نبی ﷺ کعبہ میں نماز پڑھنے لگے، قریش بھی صحن

کعبہ میں جا بیٹھے، ابو جہل بولا کہ ”آج شہر میں فلاں جگہ اونٹ ذبح ہوا ہے، او جھڑی

پڑی ہوئی ہے، کوئی جائے اٹھالائے اور اس نبی (ﷺ) کے اوپر دھردے، بد بخت

عقبہ بن ابی معیط پھر اٹھا اور نجاست بھری او جھڑی اٹھالایا، جب نبی ﷺ سجدہ میں

گئے تو پشت مبارک پر رکھ دی، آنحضرت ﷺ تو رب العزت کی جانب متوجہ تھے، کچھ

خبر بھی نہ ہوئی، کفار ہنسی کے مارے لوٹے جاتے تھے اور ایک دوسرے پر گرے جاتے تھے، ابن مسعود رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے، کافروں کا ہجوم دیکھ کر ان کا صلہ نہ پڑا، مگر معصوم سیدہ زہرا آگئیں، انہوں نے باپ کی پشت سے اوچھڑی کو پرے پھینک دیا اور ان سنگ دلوں کو سخت ست بھی کہا۔

ان واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ عقبہ بن ابی معیط کو اسلام اور پیغمبر اسلام سے کتنی سخت دشمنی تھی، لیکن خدا کی قدرت دیکھو اس نے اسی ظلمت کدہ میں ایمان کا چراغ روشن کیا، یعنی اس کی صاحبزادی ام کلثوم شرف بہ اسلام ہوئیں۔

(کے) میں صلح حدیبیہ کے بعد حضرت ام کلثومؓ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی، قبیلہ خزاعہ کے ایک شخص کے ہمراہ مکہ سے پیدل روانہ ہوئیں، چونکہ بھاگ کر نکلی تھیں، اس لیے ان کے بھائی پیچھے سے آئے، مدینہ پہنچیں تو دوسرے دن وہ بھی پہنچ گئے، حضرت ام کلثومؓ نے فریاد کی کہ ”مجھ کو اپنے ایمان کا خوف ہے، میں عورت ہوں اور عورتیں کمزور ہوتی ہیں“، آنحضرت ﷺ نے صلح نامہ میں یہ شرط کی تھی کہ قریش کا کوئی آدمی مدینہ آئے گا تو واپس کر دیا جائے گا، اس لیے آپ ﷺ کو فکر ہوئی، لیکن چونکہ اس میں عورتیں داخل نہیں تھیں اس لیے ان کے متعلق خاص یہ آیت نازل ہوئی:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَ كُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مِهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ

اللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى

الْكُفَرَاءِ﴾ (مسلمانو! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کر کے

آئیں تو ان کو جانچ لو خدا ان کے ایمان کو اچھی طرح جانتا ہے اب اگر تم

کو معلوم ہو کہ وہ مسلمان ہیں تو ان کو کافروں کے یہاں واپس نہ بھیجو)

اور آپ ﷺ نے اس آیت کے مطابق حضرت ام کلثومؓ کو واپس کرنے سے

انکار کر دیا۔

حضرت امیمہؓ کا قبول اسلام

حضرت امیمہؓ مشہور صحابی رسول حضرت ابو ہریرہؓ کی والدہ ہیں، اگرچہ ان کے صاحبزادے ابو ہریرہؓ مسلمان ہو چکے تھے لیکن وہ مشرک تھیں، ایک دن انہوں نے آنحضرتؐ کی شان میں گستاخی کی تو حضرت ابو ہریرہؓ کو سخت ناگوار ہوا، روتے ہوئے خدمت اقدس میں پہنچے، اور کہا: ”حضور ﷺ! اب میری ماں کے مسلمان ہونے کے لیے دعا فرمائیے“، آنحضرتؐ نے دعا کی، ادھر ان کی حالت میں دفعۃً انقلاب پیدا ہو گیا، غسل کر کے کپڑے بدلے اور حضرت ابو ہریرہؓ کے سامنے کلمہ پڑھا، حضرت ابو ہریرہؓ مارے خوشی کے آبدیدہ ہو گئے اور آنحضرتؐ کو خبر کی، آنحضرتؐ نے خدا کا شکر ادا کیا۔

حضرت امیمہؓ بہایت خوش قسمت تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ابو ہریرہؓ جیسا سعادت مند بیٹا عطا فرمایا تھا، وہ گھر آتے تو کہتے ”السلام علیکم یا امتاہ ورحمة اللہ وبرکاتہ“ وہ جواب میں کہتیں ”وعلیک السلام یا بنی ورحمة اللہ وبرکاتہ“ پھر حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ”اللہ تعالیٰ آپ پر اسی طرح رحمت نازل فرمائے جس طرح آپ نے بچپن میں میری پرورش کی“ وہ جواب دیتیں ”اے بیٹے! اللہ تعالیٰ تم پر بھی اسی طرح رحمت نازل فرمائے جس طرح تم نے جوان ہو کر مجھ سے برتاؤ کیا“۔



حضرت ام شریکؓ کا قبول اسلام

حضرت ام شریکؓ کا تعلق قبیلہ دوس سے تھا، جس وقت رسول اللہ ﷺ نے بعثت کے بعد دعوت حق کا آغاز فرمایا تو وہ مکہ میں قیام پذیر تھیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں نہایت صالح فطرت سے نوازا تھا، انہوں نے کسی تامل کے بغیر دعوت تو حید پر لبیک کہا اور اس طرح ”السابقون الاولون“ کی مقدس جماعت کی رکن بن گئیں۔

علامہ سعد نے طبقات میں بیان کیا ہے کہ حضرت ام شریکؓ نے اسلام قبول کیا تو ان کے مشرک اعزہ واقارب نے ان کو دھوپ میں کھڑا کر دیا اور اس حالت میں ان کو روٹی کے ساتھ شہد کھلاتے تھے جس کی تاثیر نہایت گرم ہوتی ہے، پانی پلانا بھی بند کر دیا، جب اس طرح تین دن گذر گئے تو مشرکین نے کہا کہ ”جو دین تم نے اختیار کیا ہے اس کو چھوڑ دو“، وہ تین شب و روز کی تکلیف سے بدحواس ہو گئی تھیں، مشرکین کی بات کا مطلب نہ سمجھ سکیں، جب ان لوگوں نے آسمان کی طرف اشارہ کیا تو وہ سمجھ گئیں کہ یہ لوگ مجھ سے تو حید کا انکار کرنے کا مطالبہ کر رہے ہیں، فوراً بولیں: ”خدا کی قسم! میں تو اسی عقیدہ پر قائم ہوں۔“

حضرت ام شریکؓ نے خود ہی اسلام قبول کرنے پر اکتفا نہ کیا بلکہ نہایت سرگرمی سے قریش کی عورتوں کو بھی اسلام کی دعوت دینی شروع کر دی، علامہ ابن اشیر نے اسد الغابہ میں لکھا ہے کہ ”ام شریکؓ آغاز اسلام میں قریش کی عورتوں میں اسلام کی تبلیغ کیا کرتی تھیں، مشرکین قریش کو ان کی مخفی کوششوں کا حال معلوم ہوا تو ان کو مکہ سے نکال دیا۔“

حضرت صعبہؓ کا قبول اسلام

حضرت صعبہؓ مشہور صحابی حضرت علاء بن الحضرمیؓ کی بہن ہیں اور حضرت طلحہؓ جو کہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں ان کی والدہ ہیں۔ دعوت حق کے بالکل ابتدائی زمانہ میں اپنے فرزند کے ہمراہ سعادت اندوز اسلام ہوئیں، اور چند سال کے بعد اپنے فرزند کے ہمراہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلی گئیں۔

حضرت شفاءؓ بنت عوف کا قبول اسلام

حضرت شفاءؓ مشہور صحابی رسولؐ کیے از عشرہ مبشرہ حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ کی والدہ تھیں۔ حضرت شفاءؓ نے بعثت نبویؐ کے ابتدائی تین سالوں میں کسی وقت اسلام قبول کیا، اس طرح وہ سابقین اولین کی مقدس جماعت میں بھی امتیاز رکھتی ہیں۔ ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت کے وقت چند دوسری عورتوں کے علاوہ وہ بھی حضرت آمنہ کے پاس موجود تھیں۔

حضرت شفاء بنت عبد اللہ کا قبول اسلام

حضرت شفاءؓ کے قبول اسلام کے زمانہ کی تخصیص نہیں کی گئی، لیکن اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ ہجرت سے قبل کسی وقت بڑے ناسازگار حالات میں سعادت اندوز اسلام ہوئیں، اور پھر جب بارگاہ رسالت سے صحابہ کرامؓ کو مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت مرحمت ہوئی تو انہوں نے بھی ہجرت کا شرف حاصل کیا، حافظ ابن حجر نے اصحابہ میں لکھا ہے کہ ”وہ ان چند خواتین میں سے تھیں جنہوں نے سب سے پہلے ارشاد نبوی پر لپیک کہا اور ارض مکہ کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر مدینہ منورہ میں مستقل اقامت اختیار کر لی۔“

حضرت رملہ بنت ابی عوف کا قبول اسلام

حضرت عبد الرحمان بن عوفؓ کے چچا زاد بھائی حضرت مطلب بن ازہر زہری سے نکاح ہوا، دونوں میاں بیوی دعوت حق کے ابتدائی سالوں میں مشرف بہ اسلام ہوئے، دوسری ہجرت حبشہ میں حضرت رملہ اور ان کے شوہر دونوں نے راہ حق میں اپنا گھر بار چھوڑ دیا اور حبش کی غریب الوطنی اختیار کر لی، وہیں ان کے فرزند عبد اللہ بن مطلب پیدا ہوئے، حضرت مطلبؓ نے حبشہ ہی میں وفات پائی، اور حضرت رملہؓ پر غریب الوطنی کے علاوہ بیوگی کی مصیبت بھی آن پڑی، لیکن وہ بڑے صبر و استقامت کے ساتھ اپنا وقت گزارتی رہیں، غزوہ خیبر کے موقع پر اپنے فرزند عبد اللہ اور دوسرے مہاجرین کے ساتھ حبشہ سے مدینہ منورہ آئیں اور باقی زندگی یہیں گزاری۔

حضرت زینیرہؓ کا قبول اسلام

حضرت زینیرہؓ قریش کے خاندان بنو مخزوم کی لونڈی تھیں، دعوت حق کے ابتدائی زمانہ میں نعمت اسلام سے بہرہ یاب ہوئیں، اور اسی جرم کی وجہ سے مشرکین کے ظلم و ستم کا نشانہ بن گئیں، ابو جہل ان پر نت نئے ظلم ڈھاتا تھا اور انہیں شرک پر مجبور کرتا تھا، لیکن انہیں جان دینا منظور تھا، خدانے واحد سے منہ موڑنا کسی صورت میں گوارا نہ تھا۔

علامہ بلاذری کا بیان ہے کہ راہ حق میں بے پناہ مظالم سہتے سہتے ان کی بینائی جاتی رہی، اس پر ابو جہل نے انہیں طعنہ دیا کہ لات وعزی نے تجھے اندھا کر دیا، انہوں نے بے دھڑک جواب دیا، لات وعزی پتھر کے بت ہیں وہ کیا جانیں کہ انہیں کون پوچ رہا ہے اور کون نہیں پوجتا، اگر میری بینائی زائل ہوگئی ہے تو یہ مصیبت میرے اللہ کی طرف سے ہے اگر وہ چاہے تو میری بینائی واپس بھی دے سکتا ہے، اللہ تعالیٰ کو ان کی شان استقامت اتنی پسند آئی کہ دوسرے دن وہ سوکرائیں تو ان کی بینائی بحال ہو چکی تھی۔

ابن اثیر کے بیان کے مطابق حضرت زینیرہؓ بنو عدی کی لونڈی تھیں اور حضرت عمر بن خطاب قبول اسلام سے پہلے ان پر سختیاں کیا کرتے تھے، حضرت ابو بکر صدیقؓ نے انہیں خرید کر آزاد کر دیا۔

حضرت لبینہؓ کا قبول اسلام

قریش کے خاندان بنوعدی کی ایک شاخ بنی موقل کی لونڈی تھیں، بعثت نبوی کے ابتدائی سالوں میں سعادت اندوز اسلام ہو گئیں، اس پر حضرت عمرؓ اپنے زمانہ کفر میں اتنا ناراض ہوئے کہ ان کو روزانہ مارا کرتے تھے، جب مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے ”میں تجھ پر رحم کی بنا پر نہیں بلکہ اس وجہ سے چھوڑ دیا ہے کہ تھک گیا ہوں، اب بھی اس نئے دین اسلام کو ترک کر دے“، وہ نہایت استقلال سے جواب دیتیں کہ ”ہرگز نہیں! تو جتنا ظلم ڈھا سکتا ہے، ڈھالے میں یہی کہوں گی کہ اگر تم اسلام نہ لاؤ گے تو خدا تم سے اس کا انتقام لے گا“، بالآخر حضرت صدیق اکبرؓ نے انہیں خرید کر آزاد کر دیا۔

حضرت ام عیسیٰؓ کا قبول اسلام

قریش کے خاندان بنو زہرہ کی لونڈی تھیں، دعوت حق پر لبیک کہنے والے ابتدائی مسلمانوں میں سے تھیں۔

حق پرستی کے جرم میں مکہ کا مشہور مشرک رئیس اسود بن عبد یغوث ان پر بے پناہ ظلم کرتا تھا، لیکن وہ کسی صورت میں اسلام سے منحرف نہ ہوتی تھیں، حضرت صدیق اکبرؓ نے انہیں خرید کر آزاد کیا۔

حضرت حمامہؓ کو قبول اسلام

حضرت حمامہؓ رضی اللہ عنہا رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ حضرت بلالؓ کی والدہ تھیں، حافظ ابن عبد البر نے استیعاب میں لکھا ہے کہ وہ بھی اپنے بیٹے کی طرح دعوت حق کے اوائل میں مشرف بہ اسلام ہو گئی تھیں، مشرکین نے جہاں ان کے فرزند حضرت بلالؓ کو لڑہ خیز مظالم کا نشانہ بنایا، وہاں ان کو بھی طرح طرح کے عذاب دیئے، لیکن وہ اسلام پر ثابت قدم رہیں، ماں اور بیٹا دونوں حضرت صدیق اکبرؓ نے خرید کر آزاد کر دیئے۔

حضرت نہدیہؓ کا قبول اسلام

حضرت نہدیہؓ رضی اللہ عنہا بنو عبد الدار کی ایک عورت کی لونڈی تھیں، بعثت نبوی کے ابتدائی زمانے میں مشرف اسلام سے بہرہ ور ہوئیں، اس پر ان کی مالکہ نے سخت ظلم ڈھائے، بالآخر حضرت صدیق اکبرؓ نے انہیں خرید کر آزاد کر دیا۔

حضرت ام معبدؓ خزاہیہ کا قبول اسلام

حضرت ام معبدؓ تو مخرزاعہ سے تھیں، مسافروں کی خبر گیری اور ان کی تواضع کے لیے مشہور تھیں، سر راہ پانی پلایا کرتی تھیں اور مسافر وہاں ٹھہر کر سستایا کرتے تھے، جب رسول اللہ ﷺ حضرت ابو بکرؓ کے ہمراہ ہجرت کی نیت سے مکہ سے روانہ ہوئے اور تین راتیں غار ثور میں گزار کر مدینہ کے لیے روانہ ہوئے تو ام معبد کے خیمہ پر گزر ہوا، پوچھا گیا کہ ”اس کے پاس کھانے کی کوئی چیز ہے؟“ وہ بولیں ”نہیں، اگر کوئی چیز موجود ہوتی تو دریافت کرنے سے پہلے میں خود حاضر کر دیتی“، نبی ﷺ نے خیمہ کے گوشہ میں ایک بکری دیکھی، پوچھا: ”یہ بکری کیوں کھڑی ہے؟“ ام معبد نے کہا کہ ”کمزور ہے، ریوڑ کے ساتھ نہیں چل سکتی“، نبی ﷺ نے فرمایا: ”اجازت ہے کہ ہم اسے دوہ لیں“؟ ام معبد نے کہا کہ ”اگر حضور ﷺ کو دودھ معلوم ہوتا ہے تو دوہ لیجئے“، نبی ﷺ نے بسم اللہ کہہ کر بکری کے تھنوں کو ہاتھ لگایا، برتن مانگا وہ ایسا بھر گیا کہ دودھ اچھل کر زمین پر بھی گر گیا، یہ دودھ آنحضرت ﷺ اور ہمراہیوں نے پی لیا، دوسری دفعہ پھر بکری کو دوہا گیا، برتن پھر بھر گیا یہ بھی ہمراہیوں نے پیا، تیسری دفعہ برتن پھر بھر گیا، اور وہ ام معبد کے لیے چھوڑ دیا گیا۔

حضرت ام معبد کے قبول اسلام کے متعلق دو مختلف روایتیں ہیں، ایک روایت یہ ہے کہ ان کانوں میں صاحب قریش کی بھنگ پہلے سے پڑ چکی تھی، چنانچہ جب پہلے پہل ان کی نظر سرور کونین ﷺ کے رخ انور پر پڑی تو ان کے دل نے گواہی دی کہ یہ وہی صاحب قریش ہیں جو توحید کے داعی اور نیکی و ہدایت کا سرچشمہ ہیں، بکری کا واقعہ دیکھا

تو انہیں قطعی یقین ہو گیا کہ مہمان عزیز اللہ کے سچے رسول ہیں چنانچہ وہ اسی وقت صدق
 دل سے مسلمان ہو گئیں، اور حضور ﷺ نے ان کے لیے دعائے خیر و برکت مانگی۔
 دوسری روایت یہ ہے کہ حضور ﷺ کے مدینہ منورہ تشریف لے جانے کے بعد
 ابو معبد اور ام معبد دونوں میاں بیوی ہجرت کر کے مدینہ پہنچے اور رحمت عالم ﷺ کی
 خدمت میں حاضر ہو کر سعادت ایمانی سے بہرہ مند ہوئے۔



حضرت لیلیٰ کا قبول اسلام

حضرت لیلیٰ کا نکاح حضرت عامر بن ربیعہ سے ہوا، جن کو حضرت عمرؓ کے والد خطاب نے فرط محبت سے اپنا بیٹا بنا رکھا تھا۔

دونوں میاں بیوی کو اللہ تعالیٰ نے نہایت صالح فطرت سے نوازا تھا، انہوں نے دعوت حق کے بالکل ابتدائی زمانے میں قبول اسلام کا شرف حاصل کیا، اور قریش کے ظلم و ستم کا نشانہ بن گئے، جب کفار مکہ کا ظلم و ستم حد سے بڑھ گیا تو میاں بیوی نے حضور ﷺ کے اشارہ پر ہجرت حبشہ کا قصد کیا، حضرت لیلیٰ اونٹ پر سوار ہونے کو تھیں کہ حضرت عمرؓ وہاں آ گئے، وہ ابھی تک کفر و شرک کی بھول بھلیوں میں بھٹک رہے تھے، انہوں نے حضرت لیلیٰ سے پوچھا کہ ”کدھر کی تیاری ہے؟“ انہوں نے جواب دیا: ”تم لوگوں نے ہم کو بہت ستایا ہے اس لیے ہم گھریار کو خیر باد کہہ رہے ہیں، خدا کا ملک تنگ نہیں ہے جہاں چاہیں گے چلیں جائیں گے اور جب تک اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی خلاصی کی کوئی صورت پیدا نہ کر دے وطن سے دور ہی رہیں گے۔“

حضرت عمرؓ کو ان پر بہت ترس آیا اور کہا:

”صَبَّحْتُكُمْ اللَّهُ“ (اللہ تمہارے ساتھ ہو)

جب وہ چلے گئے تو حضرت لیلیٰ کے شوہر عامر بن ربیعہ بھی آپہنچے، حضرت لیلیٰ نے ان کو یہ واقعہ سنایا تو بولے: ”عمر اس وقت تک مسلمان نہ ہوں گے جب تک خطاب کا گدھا ایمان نہ لائے گا“، گویا ان کے نزدیک جس طرح گدھے کا قبول اسلام ناممکنات میں سے ہے، اسی طرح حضرت عمرؓ کا شرف ایمان سے بہرہ ور ہونا

بھی ناممکن تھا، لیکن حضرت لیلیٰ نے کہا کہ ”مجھے دیکھ کر عمرؓ پر سخت رقت طاری ہوگئی تھی کیا خبر اللہ ان کا دل پھیروئے۔“

حضرت عامرؓ نے فرمایا: ”کیا تم چاہتی ہو کہ عمرؓ ایمان لے آئیں؟“ حضرت لیلیٰ نے کہا: ”ہاں“ اللہ تعالیٰ نے حضرت لیلیٰ کی تمنایوں پوری کی کہ اگلے ہی سال حضرت عمرؓ سعادت اندوز ایمان ہو گئے اور اسلام کے قوی دست و بازو بن گئے۔

دونوں میاں بیوی حبشہ کی دونوں ہجرتوں میں شریک تھے اور چند سال غریب الوطنی کی زندگی گزارنے کے بعد حضرت عامرؓ اور حضرت لیلیٰؓ کچھ دوسرے مسلمانوں کے ہمراہ مکہ واپس آ گئے اور پھر چند دن بعد حضور ﷺ کا اذن پا کر مدینہ منورہ کی طرف مستقل ہجرت کر گئے۔

حضرت فاطمہؓ بنت صفوان کا قبول اسلام

حضرت فاطمہ بنت صفوان کا نکاح حضرت عمرو بن سعیدؓ سے ہوا، دونوں میاں بیوی بعثت نبوی کے ابتدائی سالوں میں اسلام لائے اور سابقین اولین میں شمار ہوئے، اگرچہ حضرت عمرو بن سعیدؓ کا شمار بنو امیہ کے ذمی و جاہت لوگوں میں ہوتا تھا، لیکن مشرکین نے انہیں بھی اسلام لانے کے جرم میں مکہ میں چین سے نہ بیٹھنے دیا اور اپنی اہلیہ سمیت حبش کی طرف ہجرت کر گئے، حضرت فاطمہؓ نے قیام حبشہ کے دوران میں قضائے الہی سے وفات پائی اور دارالہجرت ہی میں پیوند خاک ہوئیں۔

حضرت فاطمہؓ عامریہ کا قبول اسلام

حضرت فاطمہؓ عامریہ ان جلیل القدر صحابیات میں سے ہیں جو بعثت نبوی کے پہلے تین سالوں کے دوران میں حلقہ بگوش اسلام ہوئیں، ان کا نکاح حضرت حاطب بن حارثؓ ججی سے ہوا، جو انہیں کی طرح سابقین اسلام میں سے تھے، جب کفار مکہ نے انہیں بہت ستایا تو دونوں میاں بیوی اپنے دو بیٹوں محمد بن حاطبؓ اور حارث بن حاطبؓ کو لے کر ہجرت ثانیہ میں دوسرے مظلوم مسلمانوں کے ساتھ حبش چلے گئے، قیام حبشہ کے دوران میں حضرت حاطبؓ نے وفات پائی اور سرزمین حبش ہی ان کی ابدی آرام گاہ بنی، حضرت فاطمہؓ اپنے دونوں بیٹوں کے ہمراہ (کے) میں مدینہ منورہ واپس آئیں۔

حضرت عمرہ بنت السعدی کا قبول اسلام

ان کا نکاح ام المومنین حضرت سوڈہ کے حقیقی بھائی حضرت مالک بن زمعہ سے ہوا، دونوں میاں بیوی سابقین اولین میں سے ہیں اور دونوں کو ہجرت حبشہ کا شرف حاصل ہے، ابن ہشام کے بیان کے مطابق حضرت عمرہؓ اپنے خاوند حضرت مالکؓ کے ہمراہ غزوہ خیبر کے موقع پر حبش سے مدینہ منورہ واپس آئیں۔

حضرت زینب بنت مظعون کا قبول اسلام

حضرت زینبؓ کا نکاح حضرت عمرؓ بن خطاب سے ہوا، اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور ام المومنین حضرت حفصہؓ ان ہی کے لطن سے تھے۔

غالباً حضرت عمرؓ کے ساتھ نہایت نامساعد حالات میں شرف اسلام سے بہرہ ور ہوئیں، اور اپنے جلیل القدر شوہر کے ساتھ ہی مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی، اس کا ثبوت حضرت عمرؓ کی اس روایت سے ملتا ہے جس میں وہ اپنے فرزند حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی نسبت فرماتے ہیں کہ ”ان کو تو ان کے والدین نے اپنے ساتھ لے کر ہجرت کی تھی“۔

حضرت زینبؓ کے تین بھائیوں حضرت عثمان بن مظعونؓ، حضرت عبداللہ بن مظعونؓ، اور حضرت قدامہ بن مظعونؓ کا شمار جلیل القدر صحابہؓ میں ہوتا ہے، تینوں سابقین اولین اور اصحاب بدر میں سے ہیں۔



حضرت ریٹہ بنت الحارث کا قبول اسلام

حضرت ریٹہ کا نکاح حضرت صدیق اکبرؓ کے ماموں زاد بھائی حضرت حارث بن خالد تمیمی سے ہوا، دونوں میاں بیوی دعوت حق کے ابتدائی زمانے میں اسلام لائے، اور سابقین اولین میں شمار ہوئے۔

جب اسلام کے جرم میں مشرکین قریش نے اہل حق کا جینا دو بھر کر دیا تو حضور ﷺ کے اشارے پر مسلمانوں نے حبشہ کی ہجرت کرنا شروع کر دیا، حضرت ریٹہ اور ان کے شوہر حضرت حارثؓ بھی دوسری ہجرت حبشہ میں جہش چلے گئے، حبشہ میں حضرت ریٹہ کے بطن سے حضرت حارث کا ایک لڑکا موسیٰ اور تین لڑکیاں عائشہ، زینت، اور فاطمہ پیدا ہوئیں، حضور ﷺ کی ہجرت مدینہ کے کچھ عرصہ بعد حضرت حارثؓ نے بھی اپنے اہل و عیال کے ہمراہ جہش سے مدینہ منورہ کا قصد کیا، راستہ میں ایک جگہ سارے خاندان نے پانی پیا، اس پانی میں زہر کا اثر تھا، حضرت ریٹہ اور ان کے چاروں بچے اس سے جاں بحق ہو گئے، البتہ حضرت حارثؓ بچ گئے اور راہ خدا میں سارے گھر کو دفن کر تہنہا مدینہ منورہ پہنچے، حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی روداد غم بیان کی تو حضور ﷺ نے ان کو صبر کی تلقین فرمائی اور ایک دوسری جگہ ان کا نکاح کر دیا۔



حضرت حسنہ کا قبول اسلام

حضرت حسنہ جلیل القدر صحابی حضرت شرجیل بن حسنہ کی والدہ تھیں، اور خود بھی عظیم المرتبت صحابیات میں شمار ہوتی ہیں، زمانہ جاہلیت میں ان کا نکاح عبداللہ بن عمرو کنذی سے ہوا، ان کے صلب سے حضرت شرجیل پیدا ہوئے، عبداللہ کے انتقال کے بعد سفیان بن معمر سے نکاح کر لیا، حضرت سفیان بن معمر کے صلب سے حضرت حسنہ کے دو بیٹے جابرؓ اور جنادہ پیدا ہوئے، ان سب کو اللہ تعالیٰ نے نہایت صالح فطرت سے نوازا تھا، حضور ﷺ نے بعثت کے بعد دعوت حق کا آغاز فرمایا تو حضرت سفیان بن معمر، حضرت حسنہ، حضرت شرجیل، حضرت جابرؓ اور حضرت جنادہ سب نے بغیر کسی تاثر کے حضور ﷺ کی دعوت پر لبیک کہا، گویا کہ پورے کا پورا کنبہ اسلام کی نعمت عظمیٰ سے بہرہ ور ہو گیا، اس شرف میں بہت کم خاندان ان کے شریک ہیں، چند سال بعد حضور ﷺ نے صحابہ کرام کو کفار کے مظالم سے بچنے کے لیے حبش جانے کا مشورہ دیا تو حضرت حسنہ نے بھی اپنے شوہر اور بیٹوں کے ساتھ حبش کی غریب الوطنی اختیار کی، اس طرح پورے گھرانے نے اللہ کی راہ میں اپنا گھر بار چھوڑ دیا، حضرت حسنہ تقریباً تیرہ سال تک حبش میں مقیم رہیں اور غزوہ خیبر کے موقع پر اپنے اہل خاندان کے ہمراہ مدینہ منورہ واپس آئیں۔



حضرت امینہؓ نزع اعمیہ کا قبول اسلام

حضرت امینہ کا نکاح جلیل القدر صحابی حضرت خالد بن سعیدؓ سے ہوا، دونوں میاں بیوی سابقین اولین میں سے ہیں، حضرت امینہؓ نے اسلام لانے کے بعد اپنے شوہر کے ہمراہ حبش کی طرف ہجرت کی، وہیں ان کے صاحبزادے سعیدؓ اور صاحبزادی ام خالد پیدا ہوئیں، ان دونوں کو بھی شرف صحابیت حاصل ہے، حضرت امینہؓ نزع وہ خیر کے زمانے میں اپنے شوہر اور بچوں کے ہمراہ مدینہ منورہ آئیں اور باقی زندگی یہیں گزاری۔

حضرت سہیلہؓ بنت سہیل کا قبول اسلام

حضرت سہیلہؓ کا شمار نہایت عظیم المرتبت صحابیات میں ہوتا ہے، ان کے والد سہیل قریش کے سرداروں میں سے تھے اور اپنی فصاحت و بلاغت سے بڑے بڑے مجموعوں کو متحرک کر دیتے تھے لیکن بد قسمتی سے ان کا سارا زور بیان فتح مکہ تک اسلام کے خلاف صرف ہوتا رہا، خدا کی قدرت کہ سہیل جس قدر اسلام کی مخالفت میں سرگرم تھے ان کی اولاد اسی قدر اسلام کی شیدائی تھی، ان کی دو بیٹیاں حضرت سہیلہؓ اور ام کلثومؓ، اور دو بیٹے عبداللہؓ اور ابو جندلؓ ان سعادت مند لوگوں میں سے تھے جنہوں نے بعثت نبوی کے بالکل ابتدائی زمانے میں دعوت تو حید پر لبیک کہا، حضرت سہیلہؓ کی شادی قریش کے سردار عتبہ بن ربیعہ کے بیٹے ابو جندیفہ سے ہوئی وہ بھی سابقین اولین

کی مقدس جماعت میں امتیازی حیثیت رکھتے تھے، دونوں میاں بیوی قریش کے مقتدر خاندانوں سے تعلق رکھنے کے باوجود کفار کے دستِ ظلم سے محفوظ نہ رہ سکے، اور حضور ﷺ کے اشارے پر حبش کی ہجرت کر گئے، وہاں دو تین مہینے ہی گزرے تھے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ اور مشرکین کے درمیان صلح ہو جانے کی خبر سنی، یہ خبر سن کر وہ چند دوسرے مہاجرین کے ہمراہ مکہ روانہ ہو گئے، ابھی مکہ کے راستہ ہی میں تھے کہ انہیں اس خبر کے غلط ہونے کی اطلاع ملی، لیکن اب انہوں نے واپس جانا مناسب نہ سمجھا اور امیہ بن خلف کی حمایت حاصل کر کے مکہ میں داخل ہو گئے۔

جب حضور ﷺ نے صحابہ کرام کو مدینہ منورہ ہجرت کر جانے کا حکم دیا تو حضرت سہیلہؓ اپنے شوہر ابو حذیفہؓ، اور فرزند محمدؓ، اور اپنے آزاد کردہ غلام حضرت سالمؓ جو سالم مولیٰ ابو حذیفہؓ کے نام سے مشہور ہیں کے ہمراہ مکہ سے مستقل مدینہ منورہ چلی گئیں اور پھر ساری زندگی وہیں گذاری۔

حضرت ام کلثومؓ بنت سہیل کا قبول اسلام

حضرت ام کلثومؓ حضرت سہیلہؓ کی حقیقی بہن تھیں، ان کا شمار بھی نہایت جلیل القدر صحابیات میں ہوتا ہے، بعثت نبوی کے بالکل ابتدائی زمانہ میں شرف اسلام سے مشرف ہوئیں، ان کی شادی حضرت ابوسبرہؓ جو کہ حضور ﷺ کی پھوپھی برہ بنت عبد المطلب کے فرزند تھے سے ہوئی، انہیں بھی سابقین اولین کی مقدس جماعت کا ایک معزز رکن ہونے کا شرف حاصل ہے، حبشہ کی دوسری ہجرت میں اپنے شوہر حضرت ابوسبرہؓ کے ساتھ حبش چلی گئیں، تقریباً چھ سات سال تک غریب الوطنی کی مصیبتیں جھیلنے کے بعد دونوں میاں بیوی حضور ﷺ کی مدینہ ہجرت کرنے سے پہلے مکہ واپس آ گئے اور پھر حضور ﷺ کا حکم پا کر ہجرت مدینہ کی سعادت حاصل کی۔

حضرت ام قیس رضی اللہ عنہا کا قبول اسلام

حضرت ام قیس مشہور صحابی رسول حضرت عکاشہ بن محسن کی حقیقی بہن تھیں، انہوں نے اپنے دونوں بھائی عکاشہ بن محسنؓ، اور عمرو بن محسنؓ کے ساتھ ہی ہجرت نبوی سے پہلے اسلام قبول کیا اور جب حضور ﷺ نے صحابہ کرام کو مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا حکم دیا تو حضرت ام قیس بھی اپنے بھائیوں اور دوسرے مسلمانوں کے ساتھ مدینہ پہنچیں۔

حضرت ام ایوب رضی اللہ عنہا کا قبول اسلام

میزبان رسول ﷺ حضرت ابو ایوبؓ انصاری کی اہلیہ تھیں، ہجرت نبوی سے قبل اپنے شوہر کے ساتھ ہی اسلام قبول کیا، سرور دو عالم ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو سات ماہ تک حضرت ابو ایوبؓ کے گھر میں قیام فرمایا، اس دوران میں حضرت ام ایوبؓ ہی حضور ﷺ کا کھانا تیار کیا کرتی تھیں، ابتداء میں حضور ﷺ نے حضرت ابو ایوبؓ کے مکان کی زیریں منزل میں قیام فرمایا، حضرت ابو ایوبؓ اور ام ایوبؓ اگرچہ حضور ﷺ کی خواہش کے مطابق بالا خانہ میں منتقل ہو گئے تھے مگر دونوں میاں بیوی کو ہر وقت یہ خیال مضطرب رکھتا تھا کہ وہ تو بالائی منزل میں مقیم ہیں اور حضور ﷺ پختی منزل میں، ابن ہشام کا بیان ہے کہ ایک روز بالا خانہ پر پانی سے بھرا ہوا برتن پھوٹ

گیا، میاں بیوی اس خیال سے بے قرار ہو گئے کہ پانی بہہ کر نیچے جائے گا اور حضور ﷺ کو تکلیف ہوگی، گھر میں اورڑھنے کا ایک ہی لحاف تھا، انہوں نے فی الفور یہ لحاف گھسیٹ کر پانی پر ڈال دیا تاکہ بہتا ہوا پانی لحاف میں جذب ہو جائے، جب پانی کے نیچے بہنے کا امکان نہ رہا تو میاں بیوی نے اطمینان کا سانس لیا۔

ایک دن اپنے بالائی منزل میں مقیم ہونے کا احساس اس قدر شدت اختیار کر گیا کہ دونوں میاں بیوی چھت کے ایک کونے میں سکڑ کر بیٹھ گئے اور ساری رات اسی حالت میں جاگ کر گزار دی، صبح ہوئی تو حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی ”یا رسول اللہ ﷺ! ہم ساری رات چھت کے ایک کونے میں بیٹھ کر جاگتے رہے، حضور ﷺ نے سبب دریافت کیا تو عرض کیا کہ ”ہمارے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان، ہر لمحہ یہ خیال سوہان روح بنا رہتا ہے کہ آپ ﷺ تو نچلی منزل میں تشریف رکھتے ہیں اور ہم بالاخانہ میں مقیم ہیں، یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ بالاخانہ پر تشریف لے چلے، حضور ﷺ کے غلاموں کے لیے آپ ﷺ کے قدموں کے نیچے رہنا ہی باعث سعادت ہے۔“

سرور کونین ﷺ نے ان کی درخواست قبول فرمائی اور حضرت ابو ایوبؓ اور حضرت ام ایوبؓ نے مسرت کے ساتھ نچلی منزل میں اقامت اختیار کر لی۔ سرور دو عالم ﷺ اپنے خانہ اقدس میں منتقل ہو جانے کے بعد بھی کبھی کبھی حضرت ابو ایوبؓ کے گھر تشریف لے جاتے تھے، دونوں میاں بیوی حضور ﷺ کا پر تپاک خیر مقدم کرتے تھے اور جو کچھ میسر ہوتا حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیتے تھے۔



حضرت ام فروہؓ کا قبول اسلام

حضرت ام فروہؓ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی بہن تھیں، اہل سیر نے ان کے قبول اسلام کا زمانہ نہیں لکھا لیکن ان کے شرف ایمان و صحابیت پر سب کا اتفاق ہے، ان کی شادی حضرت اشعث بن قیس سے ہوئی تھی، حافظ ابن حجر نے اصابہ میں لکھا ہے کہ اشعث بن قیس یمن کے علاقہ کندہ کے حکمراں تھے وہ (۱۰ھ) میں ایک وفد کے ساتھ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا لیکن بد قسمتی سے حضور ﷺ کے وصال کے بعد وہ فتنہ روم میں مبتلا ہو گئے، آخر انہیں گرفتار کر کے خلیفۃ الرسول حضرت ابو بکرؓ کی خدمت میں لایا گیا، انہوں نے خلیفۃ الرسول کے سامنے سچے دل سے توبہ کر لی اور اپنی لغزش پر سخت ندامت کا اظہار کیا، اس پر صدیق اکبرؓ نے انہیں نہ صرف معاف کر دیا بلکہ اپنی بہن ام فروہؓ کا نکاح بھی ان سے کر دیا۔

حضرت تماضر بنت الاصبغ کا قبول اسلام

حضرت تماضر قبیلہ کلب کے سردار اصبغ بن عمرو الکلبی کی بیٹی تھیں جو دین مسیح کے ماننے والے تھے، شعبان (۶ھ) میں حضور ﷺ نے حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ کو دومتہ الجندل کی مہم پر مامور فرمایا اور جب وہ چلنے لگے تو ان کو ہدایت فرمائی کہ دومتہ

الجندل پہنچ کر قبیلہ کلب کو اسلام کی دعوت دینا اگر وہ قبول کریں تو ان کے سردار کی لڑکی سے نکاح کر لینا، حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ نے حضور ﷺ کے ارشاد کی تعمیل کی، رئیس قبیلہ اصبح اور ان کی قوم کے بہت سے لوگوں نے برضا و رغبت اسلام قبول کر لیا، حضرت عبدالرحمانؓ نے حسب ارشاد اصبح کی بیٹی تماضرؓ سے نکاح کر لیا اور ان کو اپنے ساتھ لے کر مدینہ آئے، تماضرؓ ان کے عقد نکاح میں آخر تک رہیں، بعض اہل سیر نے حضرت تماضرؓ کو تابعات میں شمار کیا ہے لیکن یہ بات بعید از قیاس ہے کہ ایک مسلم خاتون جنہوں نے عہد رسالت کے کئی سال مدینہ منورہ میں گزارے ہوں اور پھر ایک جلیل القدر صحابیؓ کی اہلیہ بھی ہوں وہ شرف صحابیت سے محروم رہیں۔

حضرت عاتکہ بنت زید کا قبول اسلام

جلیل القدر صحابی رسول حضرت سعید بن زیدؓ ان کے حقیقی بھائی تھے، اور ان کے والد زیدؓ ان لوگوں میں سے تھے جو زمانہ جاہلیت میں ہی توحید کے قائل تھے اور جن کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ ”وہ قیامت کے دن ایک امت کی حیثیت سے اٹھیں گے۔“

زیدؓ کو حضور ﷺ کی بعثت سے چند سال قبل کسی دشمن نے قتل کر ڈالا اور عاتکہؓ یتیم رہ گئیں، سن شعور کو پہنچ کر انہوں نے قبول اسلام کی سعادت حاصل کی اور صحابیت کا شرف حاصل کیا، ان کی شادی حضرت ابو بکرؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ سے ہوئی تھی، ان کی وفات کے بعد حضرت عمر فاروقؓ نے ان سے نکاح کر لیا تھا۔

حضرت فاطمہؓ بنت ولید کا قبول اسلام

حضرت فاطمہؓ کا دادا عتبہ بن ربیعہ قریش کا نامور رئیس تھا اور ان کے والد ولید کا شمار بھی قریش کے شجاع اور مالدار جوانوں میں ہوتا تھا، دادا اور والد دونوں آخری دم تک کفر و شرک کی بھول بھلیوں میں بھٹکتے رہے اور غزوہ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے گئے۔

البتہ ان کے چچا حضرت ابوحنیفہؓ اور خود ان کو اللہ تعالیٰ نے قبول اسلام کی توفیق دی اور دونوں نے شرف صحابیت حاصل کیا۔
حضرت ابوحنیفہؓ نے اپنی سعادت مند بیٹی کا نکاح اپنے آزاد کردہ غلام حضرت سالمؓ سے جو سالم مولیٰ ابوحنیفہؓ کے نام سے مشہور ہیں کر دیا، حضرت فاطمہؓ کو ہجرت کا شرف بھی حاصل ہے۔



حضرت سہلہ بنت عاصم کا قبول اسلام

حضرت سہلہ ہجرت نبوی سے کچھ پہلے یا بعد اسلام قبول کیا اور شرف صحابیت سے بہرہ ور ہوئیں، ان کا نکاح جلیل القدر صحابی حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ سے ہوا، صحیح بخاری کتاب النکاح میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبدالرحمانؓ پر مراسم شادی کی علامات دیکھیں تو پوچھا:

”نکاح کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا: ”جی ہاں یا رسول اللہ ﷺ!“

حضور ﷺ نے فرمایا: کس سے؟

حضرت عبدالرحمانؓ نے کہا: ایک انصاریہ سے۔

حضور ﷺ نے پوچھا: کیا مہر ہے؟

عرض کیا: سونے کی ایک گٹھلی یا کھجور کی گٹھلی کے برابر سونا۔

حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ یہ شادی تمہارے لیے مبارک کرے، ولیمہ کرو

اگرچہ ایک بکری ہی ہے۔



حضرت ام اوسؓ انصاریہ کا قبول اسلام

حضرت ام اوسؓ نے ہجرت کے بعد اسلام قبول کیا اور شرف صحابیت سے بہرہ ور ہوئیں، قبول اسلام کے بعد انہوں نے ایک کچی میں گھی بھر کر حضور ﷺ کی خدمت میں ہدیہ بھیجا، حضور ﷺ نے گھی قبول فرمایا اور ان کے لیے برکت کی دعا کی، پھر آپ ﷺ نے وہ کچی حضرت ام اوسؓ کو واپس بھجوا دی، وہ یہ دیکھ کر پریشان ہوئیں کہ کچی بدستور گھی سے بھری ہوئی تھی، روتی ہوئی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں کہ ”یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے مجھ کو چیز کا ہدیہ قبول نہیں فرمایا“، حضور ﷺ نے انہیں تسلی دی کہ ”میں نے تمہارا ہدیہ قبول کر لیا ہے، اب اس کچی میں جو گھی ہے اسے تم اپنے استعمال میں لاؤ“، اس واقعہ کے بعد حضرت ام اوسؓ سا لہا سال تک اس کچی میں سے گھی لے کر استعمال کرتی رہیں وہ ختم ہونے میں نہیں آتا تھا، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ام اوسؓ حضرت علیؓ کے عہد خلافت تک زندہ رہیں اور اسی کچی سے گھی لے کر استعمال کیا کرتی تھیں۔



حضرت ام الخیرؓ کا قبول اسلام

ان کی شادی ابو قحافہ سے ہوئی اور ان کے صلب سے ملت اسلامپیہ کی وہ ماہیہ ناز ہستی پیدا ہوئی جن کو دنیا افضل البشر بعد الانبیاء بالتحقیق سیدنا ابو بکر صدیقؓ کے نام سے جانتی ہے۔

صدیق اکبرؓ کے قبول اسلام کے بعد حضرت ام الخیرؓ کچھ عرصہ تک اپنے آبائی مذہب ہی پر قائم رہیں، ادھر سعادت مند فرزند نے اپنی زندگی تبلیغ اسلام کے لیے وقف کر دی، ان کا طرز عمل کفار کو ایک آنکھ نہ بھایا اور وہ ان کے درپے آزار ہو گئے، ایک دن حضرت ابو بکر صدیقؓ رحمت عالم ﷺ کے ہمراہ خانہ کعبہ تشریف لے گئے اور وہاں پر موجود مشرکین کو دعوت حق دی، مشرکین ان کی باتیں سن کر مشتعل ہو گئے، انہوں نے حضور ﷺ کو تو پیچھے ڈھکیل دیا اور حضرت ابو بکرؓ پر ٹوٹ پڑے، اور اتنا زد و کوب کیا کہ وہ بے ہوش ہو گئے، اسی درمیان میں بنو تمیم کے کچھ لوگ وہاں پہنچ گئے، انہوں نے مشتعل مشرکین کو پرے ہٹایا اور حضرت ابو بکرؓ کو گھر لے گئے، گھر پہنچ کر حضرت صدیق اکبرؓ کو ذرا ہوش آیا تو سب سے پہلے ان کی زبان سے یہ الفاظ نکلے: ”رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے؟“ گھر والے جو ابھی شرف اسلام سے بہرہ ور نہیں ہوئے تھے، ان کو ملامت کرنے لگے کہ ”اس حالت میں بھی آپ کو اپنے ساتھی کا خیال ہے، اور اپنی کچھ پرواہ نہیں“، لیکن حضرت ابو بکر صدیقؓ برابر یہی پوچھتے رہے کہ ”رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے؟ مجھے ان کی خبر لا دو۔“

ایک روایت کے مطابق رات کو خود حضور ﷺ صدیق اکبرؓ کے گھر تشریف

لائے، انہیں اس حال میں دیکھا تو آپ ﷺ آبدیدہ ہو گئے اور فرط محبت سے ان کی پیشانی چوم لی، اس موقع پر صدیق اکبرؓ نے نہایت لجاجت سے عرض کی: ”یا رسول اللہ ﷺ! یہ میری والدہ ہیں ان کے لیے دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ انہیں نعمت اسلام سے بہرہ ور کرے اور عذاب ووزخ سے محفوظ رکھے۔“ حضور ﷺ نے حضرت ام الخیرؓ کے لیے دعا فرمائی جو فوراً قبول ہوئی اور وہ اسی وقت مشرف بہ اسلام ہو گئیں۔

حضرت ام حرمہؓ کا قبول اسلام

حضرت ام حرمہؓ بنت عبد الاسد کی شادی حضرت جہمؓ بن قیس سے ہوئی، دونوں میاں بیوی نہایت سعید الفطرت تھے اور دعوت اسلام کے آغاز ہی میں مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے، (۶ھ) میں اپنے دونوں فرزندوں عمرو بن جہم اور خزیمہ بن جہم کو ساتھ لے کر حبش کی طرف ہجرت کرنے والے دوسرے قافلے میں شامل ہو گئے، حضرت حرمہؓ نے قیام حبش کے دوران میں ہی وفات پائی اور سرزمین حبش ہی کو ان کی آخری آرام گاہ بننے کا شرف حاصل ہوا۔



حضرت برکہ بنت یسار کا قبول اسلام

حضرت برکہ ابوسفیان کی آزاد کردہ لونڈی تھیں اور دعوت تو حید کے ابتدائی زمانے میں دولت ایمان سے بہرہ یاب ہو گئی تھیں، ان کا نکاح حضرت قیس بن عبداللہ سے ہوا، وہ بھی سابقین اولین میں سے تھے، دوسری ہجرت حبشہ میں دونوں میاں بیوی نے حبش کی غریب الوطنی اختیار کی اور وہاں سے غزوہ خیبر کے موقع پر مدینہ منورہ آئے۔ ابن اشیر نے لکھا ہے کہ ان کی لڑکی آمنہ ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ کی دایہ تھیں اور حضرت قیس ان کے پہلے شوہر عبید اللہ بن جحش کے خدمت گار تھے عبید اللہ نے حبش جا کر عیسائی مذہب اختیار کر لیا، لیکن قیس اور برکہ بدستور اسلام پر قائم رہے۔

حضرت فکیہہ بنت یسار کا قبول اسلام

نہایت قدیم الاسلام صحابیات میں سے ہیں، تمام اہل سیر اس بات پر متفق ہیں کہ انہوں نے بعثت نبوی کے ابتدائی تین سالوں میں اسلام قبول کیا، ان کا نکاح حضرت خطابؓ، یا خطاب بن حارث سے ہوا جو انہی کی طرح سابقین اولین میں سے تھے، جب کفار مکہ نے مسلمانوں پر ظلم و ستم کی انتہا کر دی تو دونوں میاں بیوی (۶ھ) میں مہاجرین حبشہ کے دوسرے قافلے میں شامل ہو گئے اور حبش کو اپنا وطن ثانی بنا لیا، حضرت خطاب بن حارث قیام حبشہ کے دوران میں ہی انتقال کر گئے اور حضرت فکیہہؓ بیوگی کے عالم میں غزوہ خیبر کے موقع پر دوسرے مسلمانوں کے ساتھ مدینہ منورہ واپس آئیں۔

حضرت اسماء بنت سلامہ کا قبول اسلام

حضرت اسماء دعوتِ توحید کے بالکل ابتدائی دور میں شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئیں، ان کا نکاح حضرت عیاش بن ربیعہؓ سے ہوا، وہ ابو جہل جیسے دشمنِ اسلام کے ماں جائے بھائی تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے عیاشؓ کو فطرتِ سعید عطا کی تھی چنانچہ بعثتِ نبوی کے ابتدائی زمانے میں اس وقت اسلام لائے جب آپ ﷺ حضرت ارقم کے گھر تشریف نہیں لائے تھے۔

ابو جہل اور اس کے ساتھیوں نے حضرت عیاشؓ اور حضرت اسماءؓ پر اسلام کے جرم میں جینا دو بھر کر دیا تو دونوں میاں بیوی مکہ سے ہجرت کر کے حبش چلے گئے اور ہجرتِ مدینہ سے کچھ پہلے مکہ واپس آ گئے اور حضرت عیاشؓ نے حضرت عمرؓ کے ہمراہ ہجرتِ مدینہ کا شرف حاصل کیا، قیاس یہ ہے کہ حضرت اسماءؓ نے ہجرتِ نبوی کے بعد مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی اور سارا خاندان مدینہ میں یکجا ہو گیا۔



حضرت یقظہ بنت علقمہ کا قبول اسلام

حضرت یقظہؓ سابقین اولین کے اس طبقہ سے تعلق رکھتی ہیں جس کو بعثت نبوی کے بالکل ابتدائی زمانے میں قبول اسلام کا شرف حاصل ہوا، ان کے شوہر حضرت سلیط بن عمروؓ بھی اسی سعادت مند گروہ میں سے تھے، دوسری ہجرت حبشہ میں دونوں میاں بیوی نے راہ حق میں گھریا کو خیر باد کہا اور حبش کی غریب الوطنی اختیار کر لی، تقریباً تیرہ برس پرولیس میں گزارنے کے بعد غزوہٴ خیبر کے موقع پر مدینہ منورہ کو واپسی ہوئی۔

حضرت ارویٰ بنت عبدالمطلب کا قبول اسلام

حضرت ارویٰؓ کے حسب و نسب کے بارے میں اتنا کہنا ہی کافی ہے کہ وہ رحمت عالم ﷺ کی حقیقی پھوپھی تھیں، اور ان کے قبول اسلام پر بہت سے اہل سیر کا اتفاق ہے۔ حضرت ارویٰؓ کا نکاح عمیر بن وہب سے ہوا، ان کے صلب سے طلیبؓ پیدا ہوئے، حضور ﷺ نے جب دعوت اسلام کا آغاز فرمایا تو جن لوگوں نے اس دعوت کو قبول کرنے میں اولیت کا شرف حاصل کیا حضرت طلیبؓ بھی ان میں شامل تھے، حضرت طلیبؓ دار ارقم سے مسلمان ہو کر گھر آئے اور والدہ سے کہا: ”اماں جان! میں اپنے ماموں زاد بھائی محمد ﷺ پر سچے دل سے ایمان لایا ہوں، وہ خدا کے سچے رسول ہیں۔“

حضرت اروئی نے ابھی اسلام قبول نہیں کیا تھا لیکن بڑے اخلاص وورد مندی کے ساتھ اپنے فرزند سے کہا: ”بیٹے! تمہارا بھائی آج مخالفتوں کے طوفان میں گمراہ ہوا ہے، بے کس و مظلوم ہے، اور واقعی تمہاری امداد کا مستحق ہے، اے کاش کہ مجھ میں مردوں جیسی طاقت ہوتی تو اپنے یتیم بھتیجے کو ظالموں کے ظلم سے بچاتی۔“

طلیبؓ نے کہا: ”اماں! تو پھر آپ بھی اسلام قبول کیوں نہیں کر لیتیں؟“ حضرت اروئی نے کہا: ”مجھے دوسری بہنوں کا انتظار ہے۔“

حضرت تلیبؓ نے کہا: ”اماں! اب انتظار کا وقت نہیں، خدا کے لیے میرے ساتھ بھائی کے پاس چلیں اور دولت اسلام سے بہرہ یاب ہو جائیں،“ حضرت اروئی مزید عذر نہ کر سکیں، اسی وقت اپنے سعادت مند بیٹے کے ساتھ حضرت ارقم کے گھر میں حاضر ہوئیں اور مشرف بہ اسلام ہوئیں، حضرت اروئی اور حضرت تلیبؓ قبول اسلام سے پہلے بھی حضور ﷺ کے خیر اندیش تھے، حضرت اروئی اپنے فرزند کو ہمیشہ حضور ﷺ کی مدد کرنے کی ترغیب دیتی رہتی تھیں۔

حضرت اروئی کا بھائی ابولہب اسلام کا بدترین دشمن تھا، ایک دفعہ اس نے چند مسلمانوں کو قبول حق کے جرم میں قید کیا تو حضرت تلیبؓ کو سخت غصہ آیا اور انہوں نے اپنے ماموں کو خوب پیٹا، اپنے سرغنہ کو پٹتے دیکھ کر بہت سے مشرکین حضرت تلیبؓ کو لپٹ گئے اور ابولہب کو چھڑا کر تلیبؓ کو باندھ دیا، چونکہ معزز خاندان کے فرد تھے اس لیے کچھ دیر کے بعد چھوڑ دیا، ابولہب نے ان کے خلاف اپنی بہن سے شکایت کی، حضرت اروئی نے جواب دیا: ”تلیبؓ کی زندگی کا بہترین وقت وہی ہے جب وہ محمد ﷺ کی مدد کرنے۔“

ایک دفعہ حضرت تلیبؓ کو معلوم ہوا کہ ابواہاب بن عزیز داری نے حضور ﷺ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا ہے، انہوں نے چپکے سے جا کر اس کا سر قلم کر ڈالا، حضرت اروئی کو معلوم ہوا تو انہوں نے اظہار خوشنودی کیا۔

حضرت صفیہ بنت ربیعہ کا قبول اسلام

حضرت صفیہ بنت ربیعہ قریش کے نامور رئیس عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ کی بہن تھیں، یہ دونوں غزوہ بدر میں ہلاک ہوئے۔

حضرت صفیہ کا نکاح عثمان بن الشریذ مخزومی سے ہوا ان کے صلب سے حضرت شہساز پیدا ہوئے، جن کا شمار جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے، بعثت نبوی کے بعد جب آپ ﷺ نے دعوت توحید کا آغاز کیا تو حضرت شہساز نے کسی تامل کے بغیر دعوت حق پر لبیک کہا، حضرت صفیہ بھی بھائیوں کی اسلام دشمنی کے باوجود بیٹے کے ساتھ ہی مشرف بہ اسلام ہوئیں، اور جب مشرکین نے مکہ میں مسلمانوں پر ظلم و ستم کی انتہا کر دی تو رحمت عالم ﷺ نے صحابہ کو ہجرت کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دی، چنانچہ بہت سے مظلوم مسلمان حبش کی طرف ہجرت کر گئے، ان میں حضرت صفیہ اور حضرت شہساز بھی شامل تھے، کچھ عرصہ بعد دونوں ماں بیٹے وہاں سے مکہ آئے اور پھر مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔

حضرت حلیمہ کا قبول اسلام

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کی رضاعی ماں تھیں اور پانچ برس تک حضور ﷺ کے حضور رہیں۔ حضرت حلیمہ کے پاس پرورش پائی تھی۔

ابن سعد نے طبقات میں محمد بن منکدر کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ ایک عورت حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں انہیں دیکھ کر حضور ﷺ میری ماں میری ماں کہتے ہوئے اٹھے اور اپنی چادر بچھا کر اس پر بٹھایا۔

حافظ ابن حجر نے اصحابہ میں لکھا ہے کہ غزوہ حنین کے بعد جب حضور ﷺ مقام جرانہ میں تشریف فرما تھے تو حضرت حلیمہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، حضور ﷺ نے ان کی بہت تعظیم و تکریم کی اور اپنی چادر مبارک بچھا کر انہیں بٹھایا۔

بہت سی کتب سیر حضرت حلیمہؓ کے قبول اسلام اور شرف صحابیت کے بارے میں خاموش ہیں، لیکن قرآن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ شرف اسلام اور صحابیت سے ضرور بہرہ ور ہوئیں، اس لیے کہ حضرت حلیمہؓ کے شوہر حارث بن عبد العزیٰ حضور ﷺ کی بعثت کے بعد ایک دفعہ مکہ آئے اور مشرکین کے بہکانے کے باوجود انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور اس پر خوب ثابت قدم رہے، ظاہر ہے کہ اپنے شوہر کے قبول حق کے بعد حضرت حلیمہؓ بھی یقیناً سعادت اندوز اسلام ہوئی ہوں گی، اور اس طرح ان کے شرف صحابیت میں بھی کوئی شک نہیں۔



حضرت شیماء بنت حارث کا قبول اسلام

حضرت شیماء کے باپ کا نام حارث بن عبد العزیٰ تھا اور ماں حضرت حلیمہ سعدیہ تھیں جنہیں نبی کریم ﷺ کی دایہ بننے کا شرف حاصل ہوا۔

(۸ھ) میں غزوہ حنین پیش آیا جس میں دشمنوں کو شکست فاش ہوئی، اور ایک بڑی تعداد قید ہو کر مدینہ آئی، انہیں قیدیوں میں حضرت شیماء بھی تھیں، جب وہ حضور ﷺ کے سامنے لائی گئیں تو عرض کی: ”یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ ﷺ کی رضائی بہن ہوں“، اس کے بعد انہوں نے ایک نشان بتلایا کہ ان کی بات میں شک و شبہ کی گنجائش نہ رہی، ایک دن بچپن میں حضرت شیماء حضور ﷺ کو کھلا رہی تھیں، کسی بات پر ناراض ہو کر حضور ﷺ نے شیماء کے کندھے یا پشت پر اس زور سے دانت کاٹا کہ عمر بھر اس کا نشان رہ گیا، اس موقع پر یہی نشان شیماء نے حضور ﷺ کو دکھلایا تھا، حضور ﷺ اپنا بچپن یاد کر کے رونے لگے، اور اپنی ردائے مبارک زمین پر بچھا کر شیماء کو نہایت عزت سے بٹھایا، پھر ان سے فرمایا: ”بہن! اگر تم میرے پاس رہنا چاہو تو نہایت آرام سے رہو اور اگر اپنے قبیلہ میں واپس جانا چاہو تو تمہیں اختیار ہے“۔

حضرت شیماء کی زندگی اپنے قبیلہ ہی میں گذری تھی انہوں نے واپس جانا پسند کیا اور ساتھ ہی اسلام قبول کر لیا، حضور ﷺ نے نہایت عزت و اکرام کے ساتھ انہیں اپنے قبیلہ میں بھیج دیا اور کچھ روپے، ایک بکری، تین غلام اور ایک لونڈی ان کو عنایت فرمائے۔

حضرت درہ شہور کا قبول اسلام

حضرت درہ شہور دشمن اسلام ابولہب کی بیٹی تھیں، باپ کی اسلام دشمنی کی یہ کیفیت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں نام لے کر اس کی مذمت کی ہے ﴿تبت یدا ابی لہب﴾ لیکن بیٹی کو اللہ تعالیٰ نے یہ شرف عطا کیا کہ اسلام قبول کیا اور حضور ﷺ کی صحابیات میں شمار ہوئیں۔

حضرت درہ کے بارے میں بعض اہل سیر نے لکھا ہے کہ وہ شرف ہجرت سے بہرہ ور ہوئیں، علامہ ابن اثیر نے اسد الغابہ میں لکھا ہے کہ وہ مدینہ پہنچ کر حضرت رافع بن معلیٰ کے گھرا تریں، بنو زریق کی عورتیں ان سے ملنے آئیں اور کہا ”تم ابولہب کی بیٹی ہو جس کے بارے میں سورہ تبت یدا ابی لہب نازل ہوئی، تم کو ہجرت کا کیا ثواب ملے گا؟“

حضرت درہ کو یہ سن کر بہت صدمہ ہوا اور انہوں نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ بیان کیا، حضور ﷺ نے ان کو تسلی دی اور کچھ دیر ٹھہرنے کا حکم دیا، پھر ظہر کی نماز پڑھ کر منبر پر رونق افروز ہوئے اور لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا: ”لوگو! تم میں سے بعض میرے خاندان کے بارے میں میری دل آزاری کرتے ہیں، حالانکہ خدا کی قسم میرے اقرباء کو میری شفاعت ضرور پہنچے گی۔“

حافظ ابن حجر نے اصحابہ میں لکھا ہے کہ حضرت درہ نہایت فیاض تھیں اور مسلمانوں کو کھانا کھلاتی تھیں۔

حضرت امیمہ بنت غنم کا قبول اسلام

حضرت امیمہؓ مشہور صحابی رسولؐ کے از اصحاب عشرہ مبشرہ حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ کی والدہ ماجدہ تھیں، اور ان کا نکاح عبد اللہ بن جراح سے ہوا، انہیں کی صلب سے حضرت ابو عبیدہ پیدا ہوئے، عبد اللہ بن جراح کو اللہ تعالیٰ نے قبول اسلام کی توفیق نہیں دی، اور بحالت کفر وہ جنگ بدر میں خود اپنے بیٹے حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح کے ہاتھوں قتل ہوئے، لیکن ان کی بیوی امیمہؓ کے قبول اسلام اور شرف صحابیت پر ارباب سیر کا اتفاق ہے۔

حضرت عاتکہ بنت عوف کا قبول اسلام

حضرت عاتکہ جلیل القدر صحابی حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ کی بہن تھیں، اور ان کا نکاح مخرمہ بن نوفل سے ہوا تھا، حضرت عاتکہؓ دعوت اسلام کے ابتدائی زمانے میں مشرف بہ اسلام ہوئیں، اور ہجرت کی بھی سعادت حاصل کی۔

مشہور صحابی حضرت مسور بن مخرمہؓ حضرت عاتکہؓ ہی کے فرزند ہیں، وہ (۲۷) میں مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے اور فتح مکہ کے بعد چھ برس کی عمر میں مدینہ آئے، حضرت عاتکہؓ ان کو اکثر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا کرتی تھیں۔

حضرت حمزہ بنت جحش کا قبول اسلام

والدہ کا نام امیمہ بنت عبدالمطلب تھا جو سرورِ دو عالم ﷺ کی حقیقی چھوٹی بھئی تھیں، اس لحاظ سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی چھوٹی بھئی زاد بہن تھیں، ام المومنین حضرت زینب بنت جحش ان کی حقیقی بہن اور حضرت عبداللہ بن جحش ان کے حقیقی بھائی تھے۔

بعثت نبوی کے ابتداء میں مشرف بہ اسلام ہوئیں، ان کا نکاح جلیل القدر صحابی حضرت مصعب بن عمیرؓ سے ہوا اور ان کے ساتھ ہی مدینہ کی ہجرت کا شرف حاصل کیا اور مہاجرین و انصار کی دوسری خواتین کے ساتھ سرورِ دو عالم ﷺ کی بیعت کا شرف حاصل کیا، غزوہ احد میں دوسری خواتین کے ساتھ مل کر نمایاں خدمات انجام دیں، وہ مجاہدین کو پانی پلاتیں، اور زخمیوں کا علاج کرتی تھیں، اسی غزوہ میں ان کے شوہر حضرت مصعب بن عمیرؓ نے مردانہ وار لڑتے ہوئے شہادت پائی، حضرت حمزہؓ کو ان سے بہت محبت تھی جب ان کی شہادت کی خبر سنی تو بے اختیار چیخ نکلی گئی، اسی غزوہ میں ان کے بھائی حضرت عبداللہ بن جحشؓ بھی شہید ہوئے اور مشرکین نے ان کی لاش کا مثلہ کیا تھا (یعنی ان کے ناک کان ہونٹ وغیرہ کاٹے گئے تھے) اور انہوں نے شہادت سے پہلے خود اپنی لاش کے مثلہ کئے جانے کی خواہش کی تھی، محض اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ کے پاس پیش ہوں تو یہ کہہ سکیں کہ الہی میرے ہونٹ ناک کان تیری راہ میں کاٹے گئے، اسی لیے وہ الحمد للہ فی اللہ کے لقب سے مشہور ہوئے۔

حضرت اروئی بنت کریم کا قبول اسلام

حضرت اروئی حضور ﷺ کی حقیقی پھوپھی زاد بہن تھیں، اور ان کا نکاح پہلے عفان بن ابی العاص سے ہوا، ان کے صلب سے حضرت عثمان بن عفان پیدا ہوئے، ان کے انتقال کے بعد حضرت اروئی عقبہ بن ابی معیط کے نکاح میں آئیں، اسی کی صلب سے ام کلثوم پیدا ہوئیں جو مشہور صحابیات میں سے ہیں۔

عقبہ بن ابی معیط قریش کے ممتاز آدمیوں میں سے تھا، جب رسول اللہ ﷺ نے دعوت اسلام کا آغاز کیا تو وہ آپ ﷺ کا جانی دشمن بن گیا اور آپ ﷺ نے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی، لیکن حضرت اروئی کو اللہ تعالیٰ نے قبول حق کی توفیق دی اور وہ ہجرت سے پہلے ہی اسلام میں داخل ہو گئیں، علامہ ابن سعد کا بیان ہے کہ اروئی اسلام لائیں اور اپنی لڑکی ام کلثوم کے بعد ہجرت کی، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی اور ہمیشہ مدینہ میں رہیں۔

بعض روایتوں کے مطابق حضرت اروئی نے بعثت نبوی کے ابتدائی تین سالوں کے اندر اسلام قبول کیا، ان کے فرزند حضرت عثمان بن عفان بھی اسی زمانہ میں شرف اسلام سے بہرہ ور ہوئے۔



حضرت سعدیؓ بنت کریرہ کا قبول اسلام

یہ حضرت ارویٰ کی بہن تھیں، زمانہ جاہلیت میں کہانت سے شغف تھا، اور اس میں بڑی ماہر تھیں، شعر و شاعری میں بھی خاصی درک رکھتی تھیں، حافظ ابن حجرؒ اور بعض دوسرے اہل سیر نے اپنی کتابوں میں ان کے متعدد اشعار نقل کئے ہیں، ان کے قبول اسلام کے زمانہ کے بارے میں حتمی طور پر تو کچھ نہیں کہا جاسکتا، لیکن بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ دعوت حق کی ابتدا ہی میں شرف ایمان سے بہرہ ور ہو گئی تھیں، حافظ ابن حجرؒ نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ انہوں نے ہی سب سے پہلے اپنے بھانجے حضرت عثمان ذوالنورینؓ کو اسلام کی طرف راغب کیا تھا، اور وہ ان کی باتوں سے متاثر ہو کر حضرت صدیق اکبرؓ کے پاس جا کر ان کا تذکرہ کیا، انہوں نے فرمایا: ”خدا کی قسم! جو کچھ تمہاری حالہ نے کہا وہ سچ ہے“، اس کے فوراً ہی بعد حضرت عثمان شرف بہ اسلام ہو گئے۔



حضرت ہالہ بنت خویلد کا قبول اسلام

حضرت ہالہ ام المومنین حضرت خدیجہ کی حقیقی بہن تھیں، جمہور اہل سیر کا بیان ہے کہ وہ شرف اسلام سے بہرہ ور ہوئیں اور حضرت خدیجہ کی وفات تک زندہ رہیں۔ حافظ ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ وہ رسول اللہ ﷺ سے ملنے کے لیے مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ گئیں، اور آستانہ رسالت پر پہنچ کر انہوں نے اندر آنے کی اجازت چاہی، ان کی آواز ام المومنین خدیجہ الکبریٰ کی آواز سے ملتی تھی، حضور ﷺ کے کانوں تک آواز پہنچی تو آپ ﷺ کو حضرت خدیجہ کی یاد آگئیں اور آپ ﷺ نے حضرت عائشہ سے فرمایا: ”خدیجہ کی بہن ہالہ ہوں گی“، جب وہ اندر آئیں تو حضور ﷺ نے ان کی بے حد تعظیم و تکریم فرمائی۔

حضرت ہالہ کا نکاح ربیع بن عبد العزیٰ سے ہوا تھا، ان کی صلب سے ابوالعاص پیدا ہوئے جن سے حضور ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب کی شادی ہوئی تھی، اس طرح حضرت ہالہ کو حضور ﷺ کی سہ ماہی بننے کا شرف بھی حاصل ہوا، حضرت خدیجہ اپنے بھانجے ابوالعاص سے بہت محبت کرتی تھیں اور ان کو اپنا فرزند سمجھتی تھیں۔



حضرت ام حرام بنت ملحان کا قبول اسلام

حضرت ام حرام کا شمار نہایت جلیل القدر صحابیات میں ہوتا ہے، ان کا تعلق قبیلہ خزرج کے خاندان بنو نجار سے تھا، حضرت انس بن مالکؓ کی حقیقی خالہ تھیں۔

بنو نجار کو دعوت حق قبول کرنے میں سبقت کی بنا پر انصار میں خاص امتیاز حاصل تھا، حضرت ام حرامؓ بھی اپنی بہن حضرت ام سلیمؓ اور بھائی حضرت حرام بن ملحانؓ کے ساتھ مدینہ منورہ میں اوائل اسلام میں مشرف بہ اسلام ہوئیں، ان کی شادی حضرت عمرو بن قیسؓ سے ہوئی تھی، وہ بھی اوائل اسلام میں شرف اسلام سے بہرہ ور ہوئے، گویا اسلام کے نور نے سارے گھرانے کو منور کر دیا اور سب کے سب شمع رسالت کے پروانے بن گئے، جب حضرت عمرو بن قیسؓ نے احد میں شہادت پائی تو حضرت عبادہ بن صامتؓ کے عقد نکاح میں آئیں جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے۔

آنحضرت ﷺ جب کبھی قبا کی طرف جاتے تو حضرت ام حرامؓ کے گھر آتے اور کھانا نوش فرماتے تھے، حجۃ الوداع کے بعد ایک روز آپ ﷺ تشریف لائے اور کھانا کھا کر آرام فرمایا تو حضرت ام حرامؓ نے جویں دیکھنا شروع کیا آپ ﷺ کو نیند آگئی، لیکن تھوڑی دیر بعد مسکراتے ہوئے اٹھے اور فرمایا: ”میں نے ایک خواب دیکھا ہے اور وہ یہ ہے کہ میری امت کے کچھ لوگ سمندر میں غزوہ کے ارادے سے سوار ہیں، حضرت ام حرامؓ نے کہا: ”یا رسول اللہ ﷺ! دعا کیجئے کہ میں بھی ان میں شامل ہوں،“ آپ ﷺ نے دعا کی، یہ خواب کی تعبیر اس طرح پوری ہوئی کہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں حضرت امیر معاویہؓ نے جزیرہ قبرس پر حملہ کرنے کے لیے ایک بیڑا تیار کیا اس میں بہت سے صحابہ شریک تھے، حضرت ام حرامؓ بھی انہیں میں داخل تھیں، بیڑا حمص کی ساحل سے روانہ ہوا اور قبرس فتح ہو گیا، واپسی میں حضرت ام حرامؓ سواری پر چڑھ رہی تھیں کہ نیچے گریں اور جاں بحق تسلیم ہوئیں، لوگوں نے ان کو وہیں دفن کر دیا۔

حضرت خولہ بنت قیس کا قبول اسلام

حضرت خولہؓ مدینہ منورہ کی رہنے والی تھیں، اور خزرج کے خاندان بنو نجار سے تھیں، ان کا نکاح زمانہ جاہلیت میں حضور ﷺ کے چچا حضرت حمزہؓ سے ہوا، اس لحاظ سے حضور ﷺ کی چچی تھیں۔

حضرت حمزہؓ نے جب نبوت کے چھٹے سال میں اسلام قبول کیا تو خیال یہ ہے کہ وہ بھی ان کے ساتھ ہی شرف اسلام سے بہرہ ور ہوئیں اور پھر چند سال بعد ان کے ساتھ ہی ہجرت کر کے مدینہ آ گئیں۔

غزوہ احد میں حضرت حمزہؓ کی شہادت کے بعد انہوں نے حضرت نعمان بن عجلانؓ سے نکاح کر لیا، اور عرصہ تک زندہ رہیں، ان کو حضور ﷺ نے بڑی عقیدت و محبت تھی، اور آپ ﷺ کو بھی ان پر بڑا ناز و اعتماد تھا، حضرت خولہؓ خاصی آسودہ حال تھیں اسی لیے حضور ﷺ کی ضرورت کے وقت کسی تکلف کے بغیر ان سے قرض لے لیا کرتے تھے، حضرت خولہؓ کے لطن سے حضرت حمزہؓ کے ایک صاحبزادے عمارہ پیدا ہوئے، انہی کے نام کی نسبت سے حضرت حمزہؓ کی کنیت ابو عمارہ تھی۔



حضرت رُبیع بنت نضر کا قبول اسلام

حضرت ربیع کا تعلق انصار کے معزز ترین خاندان بنو نجار سے تھا، جلیل القدر صحابی حضرت انس بن نضر شہید احدان کے حقیقی بھائی اور خادم رسول حضرت انس بن مالک ان کے حقیقی بھتیجے تھے، ان کا نکاح اپنے ہی خاندان کے ایک شخص سراقہ بن حارث سے ہوا، ان کے صلب سے ایک صاحبزادے حارثہ پیدا ہوئے، سراقہ ہجرت نبوی سے پہلے ہی وفات پا گئے، اور شرف اسلام سے بہرہ ور نہ ہو سکے۔

البتہ حضرت ربیع اور ان کے فرزند حارثہ نے ہجرت نبوی سے کچھ عرصہ قبل یا ہجرت کے فوراً بعد قبول اسلام کی سعادت حاصل کی۔

حضرت ربیع نے نہایت دلسوزی کے ساتھ اپنے یتیم فرزند کی پرورش کی اور ان کو باپ کی کمی نہ محسوس ہونے دی، حارثہ اپنی ماں کے نہایت فرمانبردار اور خدمت گزار تھے، اور ماں بھی ان سے والہانہ محبت کرتی تھی، جب رسول اللہ ﷺ بدر کے لیے تشریف لے گئے تو حارثہ بھی گھوڑے پر سوار حضور ﷺ کے ہمراہ تھے، میدان جنگ میں حوض کے کنارے پانی پینے کے لیے کھڑے تھے کہ ایک مشرک نے تاک کر ایک تیر ان کی طرف چلایا جو ان کے گلے میں پیوست ہو گیا اور اسی کے صدمہ سے جام شہادت نوش کر کے جنت میں پہنچ گئے۔

حضرت حارثہ کی شہادت کی خبر سن کر حضرت ربیع کو سخت صدمہ پہنچا، لیکن انہوں نے بڑے صبر و استقلال سے کام لیا، جب رسول اللہ ﷺ بدر سے مدینہ کی طرف لوٹے تو انہوں نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا: ”یا رسول اللہ ﷺ! حارثہ

میرا نہایت اطاعت گزار اور محبوب فرزند تھا، اس کی جدائی کا جس قدر صدمہ میرے دل پر ہے اس کو آپ ﷺ خوب جانتے ہیں، میں نے چاہا تھا کہ اس کے غم میں گریہ و زاری کروں، لیکن پھر سوچا کہ جب تک آپ ﷺ سے یہ بات نہ پوچھ لوں کہ حارثہ اب کس حال میں ہے خاموش رہوں گی، اگر وہ جنت میں ہے تو صبر کروں گی اور اگر وہ جہنم میں ہے تو اللہ دیکھے گا کہ میں اس کے غم میں اپنا کیا حال کرتی ہوں؛ حضور ﷺ نے فرمایا: ”یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ حارثہ تو جنت الفردوس میں ہے“، یہ سن کر حضرت ربیع خوش ہو گئیں اور بے اختیار ان کی زبان سے نکلا: ”واہ واہ اے حارثہ“ اس کے بعد انہوں نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ ﷺ! اب میں حارثہ کے لیے کبھی نہ روؤں گی۔“

حضرت بریرہؓ کا قبول اسلام

حضرت بریرہؓ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی آزاد کردہ کنیز تھیں، ان کے شرف اسلام اور صحابیت پر سب اہل سیر کا اتفاق ہے۔
ام المومنین کی خدمت میں آنے سے پہلے وہ کسی شخص کی لونڈی تھیں، اور ان کی شادی حضرت مغیثؓ سے ہوئی تھی جو ایک حبشی غلام تھے، اور سرورِ دو عالم ﷺ کے صحابی تھے، حضرت بریرہؓ کو کسی وجہ سے ان سے نفرت ہو گئی، جب غلامی سے آزاد ہوئیں تو ان سے قطع تعلق کرنا چاہا، حضور ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے ان کو اس سے روکنا چاہا، حضرت بریرہؓ نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ ﷺ! یہ آپ ﷺ کا حکم ہے؟“ فرمایا: ”نہیں، میں سفاس کرتا ہوں“، حضرت بریرہؓ نے مغیثؓ کے ساتھ رہنے سے معذرت کر دی، اس پر حضور ﷺ نے دونوں کی علاحدگی کرادی اور حکم دیا کہ ”بریرہؓ ایک

مطلقہ عورت کی طرح عدت پوری کریں، حضرت مغیثؓ کو بریرہؓ سے بڑی محبت تھی، اس علاحدگی سے وہ اتنے پریشان ہوئے کہ مدینہ منورہ کی گلیوں میں ان کے پیچھے روتے پھرتے تھے، ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ان کو اس حالت میں دیکھ کر حضرت عباسؓ سے فرمایا: ”چچا جان! مغیثؓ کی محبت اور بریرہؓ کی نفرت آپ کو عجیب نہیں معلوم ہوتی۔“

حضرت بریرہؓ حضور ﷺ کے اہل بیت اور دوسرے متعلقین کا بے حد احترام کرتی تھیں، عبادت الہی سے بڑا شغف تھا، حضور ﷺ کی احادیث بیان کرنے لگتیں تو فرط عقیدت و احترام سے ان پر رقت طاری ہو جاتی اور آنکھیں نم ہو جاتیں، بعض روایات میں حضرت بریرہؓ کے متعدد اقوال نقل کئے گئے ہیں، ان سے ان کی مومنانہ بصیرت اور فراست کا ثبوت ملتا ہے، ان میں سے چند اقوال یہ ہیں:

- ☆ کسی کو نیکی کی بات بتانے میں بچل کر نا امانت میں خیانت کے مترادف ہے۔
- ☆ ہمیشہ رزق حلال سے اپنا پیٹ بھرو کہ اس میں بے شمار برکتیں ہیں۔
- ☆ لغو باتیں کرنے سے دل سیاہ ہو جاتا ہے، پرہیزگار وہی ہے جو اپنی زبان کو قابو میں رکھے، ضرورت سے زیادہ باتیں کرنے والا جھوٹ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔
- ☆ کسی کے ساتھ نیکی کرو تو اس کا بدلہ نہ چاہو۔
- ☆ بہادر وہ ہے جو کمزور و ناتواں پر وار نہیں کرتا اور نہ کمزور سے انتقام لیتا ہے۔
- ☆ غنی وہ ہے جو حاجت مندوں کی حاجتیں پوری کرتا ہے۔
- ☆ کسی کے سامنے دست سوال دراز کرنے سے احتراز کرو کہ ایسا کرنا بعض اوقات ذلت کا باعث بن جاتا ہے۔

- ☆ دنیا کے فائدے چند روزہ ہیں ان کے حصول کے لیے زیادہ دوڑ دھوپ نہ کرو۔
- ☆ جھوٹ بولنا بہت بڑا فتنہ ہے، ہمیشہ سچائی سے کام لو۔
- ☆ اپنا کام خود کرو اور دوسروں کے محتاج نہ بنو۔
- ☆ بات، ہمیشہ سیدھی اور صاف کرو اور کسی کو غلط فہمی میں مبتلا کر کے اپنا مطلب نہ نکالو۔

حضرت ام اسحاق کا قبول اسلام

حضرت ام اسحاق کو ہجرت سے قبل قبول اسلام کا شرف حاصل ہوا، لیکن انہوں نے ہجرت نبوی کے بعد مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی، خود ان سے روایت ہے کہ میں نے اپنے بھائی کے ساتھ مدینہ کو ہجرت کی، راستے میں ایک جگہ میرے بھائی نے مجھ سے کہا: ”ام اسحاق! تم یہاں ٹھہرو میں اپنا نفقہ مکہ میں بھول آیا ہوں، اسے جا کر واپس لے آؤں“، میں نے کہا کہ ”مجھے اپنے مشرک شوہر کا خوف ہے کہ وہ تمہیں نقصان نہ پہنچائے“، میرے بھائی نے کہا: ”اللہ نے چاہا تو میں اس کے شر سے محفوظ رہوں گا۔“

ام اسحاق کہتی ہیں کہ ”میں کئی دن تک وہاں ٹھہری رہی لیکن میرا بھائی واپس نہ آیا، ایک دن ایک شخص وہاں سے گزرا جس کو میں نے پہچان لیا، اس نے مجھ سے پوچھا: ام اسحاق! تم یہاں کس لیے بیٹھی ہو؟ میں نے کہا کہ میں اپنے بھائی کے انتظار میں ہوں جو کئی دن ہوئے مجھے یہاں بٹھا کر مکہ اپنا نفقہ لینے گیا تھا، اس شخص نے کہا کہ افسوس تیرے بھائی کو تیرے شوہر نے قتل کر دیا اور اب وہ اس دنیا میں نہیں ہے“، اس کے بعد وہ طویل سفر کر کے مدینہ منورہ پہنچ گئی اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، اس وقت آپ ﷺ وضو فرما رہے تھے، میں آپ ﷺ کے سامنے کھڑی ہو گئی اور روتے ہوئے عرض کیا: ”یا رسول اللہ ﷺ! میرے بھائی کو قتل کر دیا گیا“، حضور ﷺ نے میری بات سن کر ایک مٹھی پانی لیا اور میرے چہرے پر چھڑک دیا۔

حضرت ام حکیم کہتی ہیں کہ اس واقعہ کے بعد حضرت ام اسحاق کو ایسی تسکین حاصل ہوئی کہ ان پر کوئی بڑی سے بڑی مصیبت بھی پڑتی تو وہ روتی نہیں تھیں اگرچہ ان کی آنکھیں نم ہو جاتی تھیں۔

حضرت حوا کا قبول اسلام

حضرت حوا مدینہ منورہ کی رہنے والی تھیں اور اوس کے خاندان بنو عبدالاشہل سے تعلق تھا، ان کا نکاح قیس بن حطیم سے ہوا، اللہ تعالیٰ نے حضرت حوا کو نہایت صالح فطرت سے نوازا تھا، ہجرت نبوی سے پہلے بیعت عقبہ اولیٰ اور بیعت عقبہ ثانیہ کے درمیانی عرصہ میں ان کے کان دعوت اسلام سے آشنا ہوئے تو بلا تامل اسلام قبول کر لیا۔ حالانکہ ان کے شوہر ابھی کفر و شرک کے اندھیروں میں بھٹک رہے تھے، وہ حضرت حوا کے قبول اسلام پر سخت ناراض ہوئے اور ان کو طرح طرح سے ستانے لگے، نماز پڑھنا چاہتیں تو اس سے روکتے، سجدہ کرنے لگتیں تو گرا دیتے، یہاں تک کہ مار پیٹ سے بھی گریز نہ کرتے تھے، حضور ﷺ کو مدینہ کے بعض اہل حق کے ذریعہ حضرت حوا کی مظلومی کا حال معلوم ہوا تو آپ ﷺ بہت آزر دہ خاطر ہوئے، اتفاق سے اسی زمانہ میں ان کے شوہر قیس کسی ضرورت سے مکہ آئے، حضور ﷺ نے ان کو اسلام کی دعوت دی، انہوں نے یہ کہہ کر مہلت چاہی کہ ”ابھی میں آپ ﷺ کی دعوت پر غور کرنا چاہتا ہوں“، حضور ﷺ نے فرمایا: ”بے شک تم خوب غور کر لو لیکن اپنی بیوی پر اسلام لانے کی وجہ سے ظلم نہ کرو اور اس سے اچھا سلوک کرو“۔

قیس نے وعدہ کیا کہ ”اب میں حوا کو نہیں ستاؤں گا“، مدینہ پہنچ کر انہوں نے اپنا وعدہ پورا کیا اور حوا سے اچھا سلوک کرنے لگے، حضور ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے قیس کی وعدہ ایفائی پر مسرت کا اظہار فرمایا، قیاس یہ ہے کہ قیس بھی بعد میں مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

حضرت ہند بنت عمرو بن حرام کا قبول اسلام

حضرت ہند کا تعلق خزرج کی شاخ بنو سلمہ سے تھا، اور ان کی شادی عمرو بن جموح سے ہوئی جن کا شمار انصار کے جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے، لیکن حضرت ہند کو تقدّم فی الاسلام میں ان پر فضیلت حاصل ہے، حضرت عمرو بن جموح ہجرت نبوی کے بعد غزوہ بدر سے کچھ پہلے اسلام لائے جب کہ ان کے فرزند حضرت معاذ اور ان کی اہلیہ ہند نے ہجرت نبوی سے پہلے اسلام قبول کیا۔

حضرت ہند بڑی راسخ العقیدہ مسلمان تھیں، اور ان کو حضور ﷺ سے بے پناہ عقیدت و محبت تھی، غزوہ احد کے موقع پر انہوں نے صبر و استقامت، جوش ایمان، اور حب رسول کا ایسا تحیر خیز مظاہرہ کیا کہ تاریخ میں شاذ و نادر ہی اس کی کوئی مثال ملتی ہے، غزوہ احد میں حضرت ہند کے شوہر حضرت عمرو بن جموح، فرزند حضرت خلد بن عمرو، اور بھائی حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام تینوں نے مروانہ وار لڑ کر شہادت پائی، حضرت ہند نے شوہر، فرزند، اور بھائی کی شہادت کی خبر سنی تو کسی غم و اندوہ کا اظہار کرنے کے بجائے لوگوں سے پوچھا: ”مجھے یہ بتاؤ کہ رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے؟ خدا نخواستہ ان کو تو کوئی زخم نہیں پہنچا“، جب لوگوں نے بتایا کہ ”خدا کے فضل سے حضور ﷺ بخیر ہیں“ تو ان کا چہرہ کھل اٹھا، آہستہ آہستہ میدان جنگ کی طرف روانہ ہوئیں، جب حضور ﷺ کو دیکھا تو بے اختیار عرض کیا

”کل مصیبة بعدك جليل“ (آپ ﷺ کی سلامت ہیں تو سب

مصیبتیں پیچ ہیں)

حضرت کبشہؓ بنت رافع کا قبول اسلام

حضرت کبشہ جلیل القدر صحابی حضرت سعد بن معاذؓ کی والدہ تھیں، اہل سیر کا ان کے اسلام پر اتفاق ہے، یہ شرف انہیں ہجرت نبوی سے قبل حاصل ہوا، بڑی باوقار خاتون تھیں، اور شعر و شاعری میں بھی مہارت رکھتی تھیں۔

غزوہ احزاب میں بنو حارثہ کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں کہ حضرت سعد بن معاذؓ رجز پڑھتے ہوئے ان کے سامنے سے گزرے، حضرت کبشہؓ نے پکار کر کہا: ”بیٹے! دوڑ کر جاتو نے بڑی دیر کر دی۔“

اس غزوہ میں حضرت سعد بن معاذؓ کو کاری زخم لگا، جس کی وجہ سے چند دن بعد رتبہ شہادت پر فائز ہوئے، حضرت کبشہؓ کو اپنے سعادت مند بیٹے کی وفات کا سخت صدمہ ہوا اور انہوں نے ان کی یاد میں رورو کر بہت سے مائمی اشعار پڑھے جن میں حضرت سعدؓ کی بے انتہا تعریف کی، حضور ﷺ نے یہ اشعار سنے تو فرمایا: ”جتنی رونے والی عورتیں ہیں جھوٹ بولتی ہیں، لیکن ام سعدؓ سچ کہتی ہیں۔“



حضرت خالدہ بنت حارث کا قبول اسلام

حضرت خالدہؓ جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن سلامؓ کی پھوپھی تھیں، حضور ﷺ نے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں نزول اجلال فرمایا تو اس وقت عبداللہ بن سلامؓ اپنے باغ میں تھے، ان کی پھوپھی خالدہؓ بھی وہیں تھیں، کسی نے باغ میں جا کر عبداللہ بن سلامؓ کو حضور ﷺ کی تشریف آوری کی اطلاع دی تو وہ فرط عقیدت سے بے خود ہو گئے، اور بے اختیار اللہ اکبر کہہ اٹھے، اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ تورات کے بہت بڑے عالم تھے اور اس میں نبی آخر الزماں کی علامات پڑھ کر آپ ﷺ کے ناویدہ عاشق بن گئے تھے، ان کی مسرت اور بے تابی دیکھ کر خالدہؓ بڑی حیران ہوئیں اور کہنے لگیں ”حصین! (حضرت عبداللہ بن سلام کا اصل نام) ان صاحب کے آنے سے تمہیں اتنی خوشی ہوئی ہے کہ شاید موسیٰ بن عمران بھی تشریف لاتے تو تم اتنے خوش نہ ہوتے۔“

حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے کہا: ”پھوپھی جان! خدا کی قسم یہ بھی موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہیں اور اسی دین کی تبلیغ کے لیے دنیا میں تشریف لائے جس کے موسیٰ علیہ السلام مبلغ تھے۔“

حضرت خالدہؓ نے پوچھا: ”برادر زادے! کیا واقعی یہ وہی نبی ہیں، جن کی تورات اور دوسرے آسمانی صحائف میں خبر دی گئی ہے؟“ حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے جواب دیا: ”بے شک یہ وہی نبی ہیں،“ حضرت خالدہؓ نے کہا: ”پھر تو ہماری بڑی خوش ہنستی ہے کہ وہ ہمارے شہر میں تشریف لائے۔“

اس سوال و جواب کے بعد حضرت عبداللہ نے بارگاہ نبوت کا قصد کیا حضرت خالدہؓ بھی ان کے پیچھے گئیں اور مشرف بہ اسلام ہو کر لوٹیں، پھر اپنے گھر پہنچ کر سب اہل خانہ کو اسلام کی تلقین کی، چنانچہ گھر کے سب چھوٹے بڑے اسلام میں داخل ہو گئے۔

حضرت غزویہؓ کا قبول اسلام

حضرت غزویہؓ نواح مکہ کے صحرائی علاقے کی رہنے والی ایک بدویہ خاتون تھیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں نہایت صالح فطرت سے نوازا تھا، بعثت نبوی کے ابتدائی زمانے میں ان کے کانوں میں جوں ہی دعوت اسلام کی آواز پڑی انہوں نے اس پر لبیک کہا۔ حضرت غزویہؓ مسلمان ہونے کے بعد قریش کی عورتوں میں تبلیغ کرنے لگیں، چونکہ یہ اصل میں قریشی نہ تھیں بلکہ صحرائین بدویہ تھیں اس لیے انہوں نے ان کو خارج البلد کرنا کافی سمجھا، چنانچہ ان کو ایک قافلہ کے سپرد کیا گیا کہ قید و بند کی حالت میں ان کے قبیلے میں پہنچا دیا جائے، قافلے والوں نے انہیں ایک اونٹ کی تنگی پیٹھ پر رسیوں سے باندھ دیا، حضرت غزویہؓ کا بیان ہے کہ ”انہوں نے مجھے ایک بار بھی کھانا پانی نہ دیا، بلکہ منزل میں اترتے تو ہاتھ پاؤں باندھ کر دھوپ میں ڈال دیتے، تین دن رات اسی حالت میں گزرے تو میری حالت غیر ہو گئی، اور مجھے کسی چیز کا ہوش نہ رہا، ایک رات میں اسی حالت میں پڑی تھی کہ یکا یک غیب سے کوئی چیز آ کر منہ کو لگی، میں نے محسوس کیا کہ یہ پانی ہے اور واقعی یہ پانی تھا میں نے سیر ہو کر پیا اور ہوش میں آ گئی، صبح لوگ اٹھے اور میری حالت کو بدلا ہوا اور بہتر پایا تو سمجھے کہ شاید رات کو میں نے قید و بند کو کسی طرح کھول کر قافلے کا پانی چوری سے پی لیا ہے، لیکن نہ تو میری رسیاں کھلی تھیں اور نہ مشکیزوں کے منہ، جب انہیں اطمینان ہو گیا کہ کوئی چوری نہیں ہوئی بلکہ محض خدا کا فضل اور تائید غیبی ہوئی تو وہ سخت متاثر اور تائب ہوئے اور سب کے سب اسلام لائے۔“

حضرت سارہؓ کا قبول اسلام

بعض اہل سیر نے ان کا نام سارہؓ بھی لکھا ہے، گانا بجانا، نوحہ خوانی ان کا پیشہ تھا، ابن نطل شاعر حضور ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی ہجو بنا کر ان کو یاد کر دیتا تھا اور یہ اس کو گالیاں دینے سے داد و تحسین اور انعام و اکرام لیا کرتی تھیں۔

جب مکہ فتح ہوا تو سارہؓ ان چند آدمیوں میں سے تھیں جن کو حضور ﷺ نے مباح الدم (واجب القتل) قرار دیا تھا، وہ کہیں روپوش ہو گئیں، چند دن بعد کسی کی سفارش پر حضور ﷺ نے ان کی سزائے موت منسوخ کر دی، اور وہ اس کرم و عنایت سے متاثر ہو کر مشرف بہ اسلام ہو گئیں۔

علامہ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ وہ فتح مکہ کے موقع پر حضرت علیؓ کے ہاتھ سے قتل ہوئیں، لیکن بعض دوسرے اہل سیر نے صراحت سے لکھا ہے کہ سارہؓ فتح مکہ کے بعد امان پا کر مسلمان ہوئیں اور یہی صحیح ہے۔



حضرت سفانہ بنت حاتم طائی کا قبول اسلام

عرب کے مشہور سخی حاتم طائی کی بیٹی اور مشہور صحابی حضرت عدی بن حاتم کی بہن تھیں، حاتم طائی قبیلہ طے کا سردار تھا اس نے اپنے قبیلے سمیت عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا، حضور ﷺ کی بعثت سے چند سال پہلے حاتم طائی نے وفات پائی تو قبیلہ کی سرداری اس کے فرزند عدی کو ملی۔

(۹ھ) میں حضور ﷺ نے ایک چھوٹا سا لشکر حضرت علیؑ کی قیادت میں بنو طے کی طرف بھیجا جو یمن میں آباد تھا، عدی نے اس لشکر کی آمد کی خبر سنی تو وہ اپنے اہل و عیال کو لے کر ملک شام چلے گئے، گھر سے روانہ ہوتے وقت جو بھگدڑ مچی اس میں عدی کی بہن سفانہ ان سے پچھڑ گئیں اور اسلامی لشکر کے ہاتھ اسیر ہو گئیں۔ (مزید تفصیل کے لیے دیکھئے حضرت عدی بن حاتم کا قبول اسلام)

بہر حال جب بھائی کے پاس واپس گئیں تو انہوں نے پوچھا کہ ”تم عاقلہ اور ہوشیار ہو، صاحب قریش سے مل کر تم نے کیا رائے قائم کی؟“ بہن نے جواب دیا: ”جس قدر جلد ہو سکے تم ان سے ملو“، بہن کے مشورہ کے مطابق حضرت عدیؓ مدینہ پہنچ کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور شرف اسلام سے بہرہ ور ہو گئے، ان کے بعد سفانہ بھی سعادت اندوز اسلام ہو گئیں، حافظ ابن حجرؒ نے اصحابہ میں ان کے بارے میں لکھا ہے:

”وكانت أسلمت وأحسن إسلامها“ (وہ اسلام لائیں اور اسے

حسن و خوبی سے نبایا)

حضرت معاذہ بنت عبد اللہ کا قبول اسلام

حضرت معاذہؓ رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی بن سلول کی کنیز تھیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں فطرت صالح عطا کی تھی، حضور ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہ شرف اسلام سے بہرہ ور ہو گئیں اور حضور ﷺ کی بیعت کی سعادت بھی حاصل کی، عبد اللہ بن ابی ان پر طرح طرح کے ظلم کرتا تھا اور ان کو بدکاری پر مجبور کرتا تھا لیکن وہ پاکدامنی کی زندگی گزارنے پر مصر تھیں، بالآخر قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَلَا تَكْرَهُوا قِتْيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا لَتَبْتَغُوا عَرَضَ

الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ (اور اپنی لونڈیوں کو جو پاکدامن رہنا چاہتی ہیں، دنیا

کے عارضی فائدہ کے لیے حرام کاری پر مجبور نہ کرو)

اس آیت کے نزول کے بعد حضرت معاذہؓ کو عبد اللہ بن ابی کے ظلم سے رہائی

نصیب ہوئی۔



ایک صحابیہؓ کا قبول اسلام

حضور ﷺ ایک مرتبہ اپنے جاں نثاروں کے ساتھ کی ایک کثیر جمعیت کے ہمراہ سفر میں تھے، اثنائے سفر آپ ﷺ ایک ایسے علاقہ سے گذرے جہاں دور دور تک پانی کا نام و نشان تک نہ تھا، اہل لشکر نے پیاس کی شکایت کی تو حضور ﷺ نے حضرت علیؓ اور حضرت عمران بن حصینؓ سے فرمایا: ”تم دونوں ادھر ادھر گشت کر کے پانی کا سراغ لگاؤ“، دونوں حسب ارشاد پانی کی تلاش میں نکلے، کچھ دور جا کر انہوں نے ایک بدویہ خاتون کو کو دیکھا جو اونٹ پر سوار تھیں اور اپنے پاؤں پانی کے دو مشکوں پر لٹکا رکھے تھے، حضرت علیؓ اور حضرت عمرانؓ نے ان سے دریافت کیا: ”پانی کہاں سے لا رہی ہو؟“ انہوں نے جواب دیا: ”پانی یہاں سے بہت دور ہے“، دونوں نے کہا: ”تم ہمارے ساتھ چلو“، خاتون نے پوچھا: ”کہاں چلوں؟“ انہوں نے فرمایا: ”رسول اللہ ﷺ کے پاس“، بولیں: ”وہ شخص جسے لوگ صابی (معاذ اللہ بے دین) کہتے ہیں“، انہوں نے کہا: ”ہاں، جن کو مشرکین ایسا سمجھتے ہیں۔“

اب وہ دونوں ان خاتون کو ساتھ لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچے، آپ ﷺ نے خاتون سے فرمایا: ”اگر اجازت دو تو تمہاری مشکوں سے تھوڑا سا پانی لے لیں“، انہوں نے کہا: ”لے لیں لیکن تھوڑا سا لینا، میں اسے بہت دور سے لائی ہوں، اور یہاں تک پہنچنے میں بڑی مشقت اٹھائی ہے۔“

حضور ﷺ نے پہلے تو مشکوں کے بالائی منہ کھولے اور برتن میں تھوڑا سا پانی لے کر منہ بند کر دیئے، پھر نیچے کی طرف منہ کر کے تھوڑا سا پانی نکالا اور حکم دیا کہ تمام لوگ یہاں آ کر خود بھی پانی پیئیں اور جانوروں کو بھی پلائیں، چنانچہ تمام صحابہ نے خود

بھی سیر ہو کر پیا اور سوار یوں کو بھی خوب پلایا، اللہ تعالیٰ نے اس پانی میں اتنی برکت دی کہ کثیر التعداد آدمیوں اور جانوروں کے سیراب ہونے کے باوجود دونوں مشکیں پہلے سے بھی زیادہ لبریز معلوم ہوتی تھیں، وہ خاتون یہ منظر دیکھ کر انگشت بدنداں ہو گئیں۔

اب حضور ﷺ نے حکم دیا کہ اس عورت کے لیے کچھ کھانے کا سامان لاؤ، صحابہ کرامؓ نے فوراً بہت سا سامان جمع کیا، اور حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق ایک کپڑے میں باندھ کر خاتون کے اونٹ پر رکھ دیا، پھر حضور ﷺ نے خاتون سے فرمایا: ”تم اب جاؤ اور یہ چیزیں اپنے گھر والوں کو کھلاؤ“، جب وہ چلنے لگیں تو مزید ارشاد فرمایا: ”دیکھ لو تمہاری مشکیں پانی سے بدستور لبریز ہیں، لشکر نے جو پانی پیا ہے وہ اللہ نے پلایا ہے۔“

وہ خاتون گھر پہنچیں تو گھر والوں نے پوچھا: ”تم نے معمول کے خلاف پانی لانے میں اتنی دیر کیوں کی“، انہوں نے کہا: ”راستے میں مجھے دو آدمی ملے جو مجھے اس شخص کے پاس لے گئے جسے لوگ صابی کہتے ہیں، اس نے مشکوں کا منہ کھول کر جانوروں سمیت اپنے سارے لشکر کو پانی پلایا، لیکن میرے پانی میں کوئی کمی نہیں آئی، خدا کی قسم! دنیا میں اس شخص سے بڑھ کر کوئی جادوگر (معاذ اللہ) نہیں ہے اور ہو سکتا ہے کہ وہ اللہ کا رسول ہی ہو جیسا کہ اس کے ساتھی اس کو کہتے ہیں۔“

اگرچہ حضور ﷺ نے اس عورت کو اس کے پانی کا صلہ دے دیا تھا پھر بھی صحابہ کرامؓ پر ان کے احسان کا یہ اثر تھا کہ جب کبھی اس علاقہ کے مشرکین سے جنگ آزما ہوتے تو ان خاتون کے قبیلہ کو چھوڑ دیتے تھے، وہ صحابہ کرامؓ کی اس منت پذیری سے اس قدر متاثر ہوئیں کہ ایک مرتبہ انہوں نے اپنے تمام اہل قبیلہ کو جمع کیا اور ان سے کہا: ”تم دیکھتے ہو کہ یہ لوگ ہمارے ساتھ کس قدر رعایت کرتے ہیں، یہ محض اس بنا پر ہے کہ میں نے ایک دفعہ ان کو تھوڑا سا پانی پلایا تھا، ان کی یہ احسان شناسی اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ نہایت اچھے لوگ ہیں اور ان کا سردار خدا کا سچا رسول ہے، میری مانو تو ہم سب بھی ان میں شامل ہو جائیں اور ان کے رسول پر ایمان لے آئیں“، تمام اہل قبیلہ نے ان کی رائے کو قبول کیا اور سب کے سب اسلام میں داخل ہو گئے۔

اسلام کی وسعت

(۷۷) کے ماہ محرم کی پہلی تاریخ تھی کہ نبی ﷺ نے بادشاہان عالم کے نام دعوتی خطوط مبارک اپنے سفیروں کے ہاتھ روانہ فرمائے جو سفیر جس قوم کے پاس بھیجا گیا وہ وہاں کی زبان جانتا تھا تا کہ تبلیغ بخوبی کر سکے۔

احم بن ابجر بادشاہ حبش الملقب بہ نجاشی کے پاس عمرو بن امیہ الضمریؓ آنحضرت ﷺ کا نامہ مبارک لے کر گئے، یہ بادشاہ عیسائی تھا، نجاشی اس فرمان مبارک پر مسلمان ہو گیا۔

منذر بن ساوی شاہ بحرین تھا، شہنشاہ فارس کا خراج گزار تھا، علاء حضرتؓ اس کے پاس نامہ مبارک لے کر گئے تھے، یہ مسلمان ہو گیا، اور اس کی رعایا کا اکثر حصہ بھی مسلمان ہوا، اس نے جواب میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لکھا تھا کہ بعض لوگوں نے تو اسلام کو از حد پسند کیا، بعض نے کراہت کا اظہار کیا، بعض نے مخالفت کی ہے، میرے علاقہ میں یہودی اور مجوسی بہت ہیں، ان کے لیے جو ارشاد ہو کیا جائے، نبی ﷺ نے جواب دیا جو نصیحت کرتا ہے وہ اپنے لیے اور جو یہودیت یا مجوسیت پر قائم رہے وہ جزیرہ (خراج) دیا کرے۔

جیفر و عبد فرزند ان جلدی ملک عمان کے نام عمرو بن العاصؓ کے بدست خط بھیجا گیا اور دونوں بھائی مسلمان ہو گئے اور ریاعا کا اکثر حصہ بھی اسلام لے آیا۔

منذر بن حارث بن ابو شمر دمشق کا حاکم اور شام کا گورنر تھا، شجاع بن وہب الاسدی اس کے پاس بطور سفارت بھیجے گئے، یہ خط پڑھ کر بہت بگڑا، کہا: ”میں خود

مدینہ پر حملہ کروں گا، بالآخر سفیر کو باعزاز رخصت کیا مگر مسلمان نہ ہوا۔
 ہوذہ بن علی حاکم یمامہ عیسائی المذہب تھا، سلیط بن عمرو نامہ مبارک اس کے
 پاس لے گئے، اس نے کہا کہ ”اگر اسلام پر میری آدمی حکومت تسلیم کر لی جائے تو میں
 مسلمان ہو جاؤں گا“، ہوذہ اس جواب سے تھوڑے دنوں بعد ہلاک ہو گیا۔
 جریح بن متی الملقب بہ مقوقس شاہ اسکندریہ و مصر عیسائی المذہب تھا، حاطب
 بن ابی بلتعہ اس کے پاس سفیر ہو کے گئے تھے، نبی ﷺ نے خط کے آخر میں تحریر فرمایا
 تھا کہ اگر تم نے اسلام سے انکار کیا تو تمام مصریوں کے مسلمان نہ ہونے کا گناہ تمہاری
 گردن پر ہوگا۔

مقوقس نے کہا: ”ان میں تو نبوت ہی کی علامت پائی جاتی ہے، بہر حال میں اس
 نبی کے بارے میں غور کروں گا“، پھر آنحضرت ﷺ کے خط کو ہاتھی کے دانت کے
 ڈبے میں رکھوا کر مہر لگوا کر خزانہ میں رکھوا دیا، آنحضرت ﷺ کے لیے تحائف بھیجے
 اور خط کے جواب میں یہ لکھا کہ یہ تو مجھے معلوم ہے کہ ایک نبی کا ظہور باقی ہے مگر میں یہ
 سمجھتا رہا کہ وہ رسول ملک شام میں ہوں گے۔

ہرقل شاہ قسطنطنیہ یا روما کی مشرقی شاخ سلطنت کا نامور شہنشاہ عیسائی المذہب
 تھا، حضرت وحیہ بن خلیفہ الکھی اس کے پاس نامہ مبارک لے کر گئے تھے، یہ بادشاہ
 سے بیت المقدس کے مقام پر ملے، ہرقل نے سفیر کے اعزاز میں بڑا شاندار دربار کیا
 اور سفیر سے نبی ﷺ کے متعلق بہت سی باتیں دریافت کرتا رہا، اس نے کہا: ”وہ ایک
 روز اس جگہ کا جہاں میں بیٹھا ہوا ہوں (شام و بیت المقدس) کا ضرور مالک ہو جائے
 گا، کاش میں ان کی خدمت میں پہنچ سکتا اور نبی ﷺ کے پاؤں دھویا کرتا۔“

خسرو پرویز کسریٰ ایران (نصف مشرقی دنیا) کا شہنشاہ تھا، زرتشتی مذہب رکھتا
 تھا، عبداللہ بن حدافہ سہمی اس کے پاس نامہ مبارک لے گئے تھے، خسرو نے خط غصہ
 سے چاک کر ڈالا اور زبان سے کہا کہ ”میری رعایا کا ادنیٰ شخص مجھ کو خط لکھتا ہے اور اپنا

نام میرے نام سے پہلے تحریر کرتا ہے۔“

اور اپنے یمن کے گورنر باذان کو لکھا کہ اس شخص کے پاس جس نے حجاز میں نبوت کا دعویٰ کیا ہے اپنے دو قوی اور بہادر آدمیوں کو بھیجو اور انہیں حکم دو کہ اسے پکڑ لائیں اور میرے سامنے پیش کریں، حسب حکم باذان نے اپنے دو بہترین آدمی رسول اللہ ﷺ کی طرف روانہ کئے اور ان دونوں کے ہاتھ آپ ﷺ کو ایک خط بھی بھیجا جس میں اس نے لکھا کہ آپ ﷺ بلا تاخیر ان کے ساتھ کسریٰ کے سامنے پیش ہونے کے لیے چلے جائیں، اس نے ان دونوں سے یہ بھی کہا کہ ”وہ نبی ﷺ کے حالات سے مکمل آگاہی حاصل کر کے اس کو آگاہ کریں۔“

وہ دونوں مدینہ پہنچ کر نبی ﷺ سے ملے اور باذان کا خط آپ ﷺ کے حوالے کیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”آج تو تم لوگ اپنی قیام گاہ پر واپس جاؤ کل پھر آنا،“ جب دوسرے دن وہ دونوں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے جواب دیا کہ ”آج کے بعد تم کسریٰ سے نہیں مل سکو گے، اللہ تعالیٰ نے اس کے بیٹے شیرویہ کو فلاں مہینے کی فلاں رات اس کے اوپر مسلط کر کے اسے ہلاک کر دیا ہے،“ یہ سنا تو ان کے چہروں پر دہشت و حیرانی کے آثار ظاہر ہوئے اور وہ ٹکٹکی باندھ کر آپ ﷺ کی طرف دیکھنے لگے، پھر وہ دونوں آپ ﷺ سے رخصت ہو کر باذان کے پاس پہنچے اور رسول اللہ ﷺ کی وی ہوئی خبر سے اس کو مطلع کیا، باذان نے کہا: ”اگر محمد ﷺ کی یہ بات درست ہے تو وہ یقیناً اللہ کے نبی ہیں، اور اگر ایسا نہیں ہے تو سوچوں گا کہ مجھے ان کے ساتھ کیا رویہ اپنانا چاہیے،“ پھر اس کے چند ہی روز بعد شیرویہ کا خط باذان کے پاس پہنچا جس میں اس نے لکھا تھا کہ میں نے کسریٰ کو قتل کر دیا۔

باذان نے اس خط کو پڑھتے ہی ایک طرف پھینک کر اپنے دخول اسلام کا اعلان کر دیا اور اس کے ساتھ ہی یمن میں رہنے والے سارے ایرانیوں نے اسلام قبول کیا۔ اس طرح سے اسلام کا اثر ایک طرف یمن، بحرین، یمامہ، عمان اور دوسری طرف

عراق و شام کی حدود تک وسیع ہو گیا، یہ عرب کے وہ صوبے ہیں جہاں اسلام سے پہلے عربوں کی بڑی بڑی حکومتیں قائم تھیں اور اس وقت بھی وہ روم و فارس دنیا کی دو عظیم الشان طاقتوں کے زیر سایہ تھیں، تاہم اسلام بغیر تلوار کی زور کے صلح و امن کے سایہ میں اپنی آواز بلند کرتا چلا گیا اور ہر گوشے سے لبیک کی صدائیں خود بخود آنے لگیں۔

یمن میں اسلام

عرب کے تمام صوبوں میں یمن سب سے زیادہ زرخیز و سیر حاصل اور تہذیب و تمدن کا نہایت قدیم مرکز تھا، حمیر اور سبا کی عظیم الشان حکومتیں یہیں تھیں، ہجرت سے پہلے یہاں اسلام کی دعوت پہنچ چکی تھی، اور قبیلہ دوس میں اسلام پھیل چکا تھا، لیکن یہاں کاسب سے ممتاز اور بڑا قبیلہ ہمدان تھا، (۸ھ) کے آخر میں آنحضرت ﷺ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو ہمدان میں دعوت اسلام کے لیے یمن بھیجا یہ چھ مہینے تک دعوت دیتے رہے، لیکن کامیاب نہ ہوئے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے انہیں واپس بلا لیا اور حضرت علیؓ کو ان کی جگہ بھیجا، آپ کی کوششوں سے پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا، حضرت علیؓ نے جب اس واقعہ کی اطلاع بارگاہ رسالت میں دی تو آنحضرت ﷺ نے سجدہ کیا اور سر اٹھا کر دو دفعہ فرمایا: "السلام علی ہمدان" (ہمدان پر سلام متی ہو)

یمن ہی میں ایک دوسرا ممتاز قبیلہ مذحج تھا (۱۰ھ) میں آنحضرت ﷺ نے ان میں تبلیغ اسلام کی خدمت بھی حضرت علیؓ کے سپرد کی، انہوں نے جا کر اسلام کی دعوت دی لیکن اس کا جواب تیر اور پتھروں سے ملا، حضرت علیؓ نے بھی مدافعت کی اس مدافعت میں ہیں مذحجی کام آئے باقی بھاگ نکلے، اس کے بعد خود رؤسائے قبائل نے حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا، اور دوسروں کی طرف سے اسلام کا اعلان کیا۔

حضرت علیؓ کے علاوہ حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ بھی دعوت اسلام کے لیے یمن کے اضلاع میں بھیجے گئے، چلتے وقت آپ ﷺ نے ان لوگوں کو جو باتیں تعلیم فرمائیں وہ درحقیقت اسلامی تبلیغ کے اصول ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا:

”سہولت سے کام لینا، سخت گیری نہ کرنا، لوگوں کو خوشخبری سنانا، نفرت نہ دلانا، دونوں مل کر کام کرنا“۔

نجران میں اسلام

یمن کے پاس ہی نجران کا ضلع ہے، نجران عرب میں عیسائیت کا خاص مرکز تھا، عیسائیوں کے علاوہ نجران میں مشرکین کی بھی کچھ آبادی تھی، ان میں ایک قبیلہ بنو حارث بن زیاد تھا جو مدان نام ایک بت کو پوجتا تھا اور اس لیے عبد المدان کے نام سے مشہور تھا، (۱۰ھ) میں آنحضرت ﷺ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو وہاں دعوت اسلام کے لیے بھیجا، حضرت خالد وہاں پہنچے تو سارا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔

بحرین میں اسلام

بحرین ایران کے حدود حکومت میں داخل تھا، یہاں عرب قبائل بھی آباد تھے ان میں عبد القیس بکر بن وائل اور تمیم مشہور خاندان تھے، عبد القیس کے قبیلہ کے ایک شخص منقذ بن حبان ایک مرتبہ تجارت کے سلسلہ میں مدینہ آئے اور آنحضرت ﷺ کی دعوت پر مسلمان ہو گئے، آپ ﷺ نے ان کو ایک فرمان عطا کیا، وطن واپس جانے کے بعد منقذ نے اسلام کو مخفی رکھا، لیکن ان کی بیوی نے ایک دن ان کو نماز پڑھتے دیکھ لیا اور اپنے باپ منذر سے شکایت کی، انہوں نے منقذ سے دریافت کیا اور خود مسلمان ہو گئے، اور آنحضرت ﷺ کا فرمان لوگوں کو پڑھ کر سنایا اسے سن کر پورے قبیلہ نے اسلام قبول کر لیا، صحیح بخاری میں روایت ہے کہ مسجد نبوی کے بعد سب سے پہلا جمعہ جس مسجد میں ادا کیا گیا وہ بحرین کی مسجد تھی، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بحرین میں ابتدائی زمانہ میں اسلام کی اشاعت ہو چکی تھی، (۸ھ) میں آنحضرت ﷺ نے علاء حضرتیؓ کو بحرین بھیجا اس زمانہ میں یہاں حکومت ایران کی جانب سے منذر بن ساوی گورنر تھا، اس نے اسلام قبول کیا اور اس کے ساتھ تمام عرب اور کچھ عجم جو یہاں مقیم تھے مسلمان ہو گئے، بحرین کے علاقہ ہجر کا حاکم سیبخت آنحضرت کی دعوت پر ایمان لایا۔

عمان میں اسلام

عمان میں قبیلہ ازد تھا، عبید اور جعفر یہاں کے حاکم تھے، (۸ھ) میں آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو زید انصاریؓ اور عمرو بن العاصؓ کو دعوت اسلام کا خط دے کر عمان بھیجا، اس دعوت پر دونوں سرداروں نے اسلام قبول کر لیا اور ان کی ترغیب سے یہاں کے تمام عرب مشرف باسلام ہوئے۔

حدود شام میں اسلام

شام کے اطراف میں جو عرب آباد تھے ان میں متعدد ریاستیں تھیں ان میں سے معان اور اس کے اضلاع فروہ بن عمرو کے زیر حکومت تھے، لیکن خود فروہ رومی سلطنت کی طرف سے گویا گورنر تھے، انہوں نے اسلام سے واقفیت حاصل کی تو مسلمان ہو گئے، اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اظہار اسلام کے ساتھ ایک نجر ہدیہ کے طور پر بھیجا، رومیوں کو ان کے اسلام کا حال معلوم ہوا تو ان کو گرفتار کر کے سولی دے دی، اس وقت یہ شعر ان کی زبان پر تھا:

بلغ سرلة المسلمین بانن

مسلم لربى اعظمى و مقامى

(مسلمان سرداروں کو میرا پیغام پہنچا دو کہ میرا جسم اور میری عزت سب

اپنے پروردگار کے نام پر نثار ہے)

ان مقامات کے علاوہ عرب کے مختلف حصوں میں آنحضرت ﷺ نے مبلغین روانہ فرمائے، جنہوں نے عرب کے گوشے گوشے میں اسلام کی روشنی پھیلانی، اس کے علاوہ فتح مکہ کے بعد جب قبائل نے خود قبول اسلام کی جانب سبقت کی تو بہت سے قبائل کے وفود نے مدینہ آ کر اسلام قبول کیا، یا اپنے اپنے مقامات پر قبول کر چکے تھے، پھر آنحضرت ﷺ سے گفتگو کے بعد مسلمان ہو جاتے تھے، یا محض معاہدہ کر کے واپس چلے جاتے تھے، اس قسم کے وفود کی تعداد باختلاف روایت پندرہ سے لے کر سو سے اوپر تک ہے، یہ وفود مختلف اوقات میں آتے رہے، اور چند کے سوا اکثر دولت اسلام سے مشرف ہوئے۔

وفد دوس

حضرت طفیل بن عمرو دوسیؓ اسلام کے بعد جب وطن کو جانے لگے تو انہوں نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ ﷺ! دعا فرمائیے کہ میری قوم بھی میری دعوت پر مسلمان ہو جائے“، نبی ﷺ نے دعا فرمائی ”خدا یا طفیل کو تو ایک نشان بنا دئے“، طفیل نے اپنی قوم میں اسلام کی منادی شروع کر دی، لیکن کچھ لوگ مسلمان نہ ہوئے، طفیل پھر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آئے، عرض کیا: ”میری قوم میں زنا کی کثرت ہے (چونکہ اسلام زنا کو سختی سے حرام ٹھہراتا ہے) اس لیے لوگ مسلمان نہیں ہوتے“، حضور ﷺ نے ان کے لیے دعا فرمادی ”اللہم اهد دوسا“ (اے اللہ! دوس کو سیدھا راستہ دکھا) پھر طفیل سے فرمایا: ”جاؤ، لوگوں کو دین کی طرف بلاؤ، ان سے نرمی اور محبت کا برتاؤ کرو“، اس دفعہ طفیل گواچھی کامیابی حاصل ہوئی، اور وہ (۵ھ) میں دوس کے ستر، اسی (۸۰) خاندانوں کو جو مسلمان ہو چکے تھے، ساتھ لے کر مدینہ پہنچے، معلوم ہوا کہ حضور ﷺ خیبر گئے ہوئے ہیں، اس لیے خیبر ہی پہنچ کر انہوں نے شرفِ حضورِ می حاصل کی، اور یہ سب لوگ بھی خیبر ہی میں نبی ﷺ کے دیدار سے مشرف ہوئے۔



وفد صداء

یہ وفد (۸ھ) میں حاضر خدمت ہوا تھا، سب سے پہلے اس قوم کا ایک شخص زیاد بن حارث صدائی حاضر ہوا، پھر دوبارہ وہی زیاد قوم کے پندرہ سرکردہ لوگوں کو لے کر آیا، سعد بن عبادہ ان کی تواضع کے لیے مامور ہوئے، ان کے واپس جانے کے بعد ان کے قبیلہ میں اسلام پھیل گیا۔

زیاد نے عرض کیا: ”ہمارے یہاں ایک کنواں ہے، سرما میں اس کا پانی کافی ہوتا ہے لیکن گرما میں وہ خشک ہو جاتا ہے اس لیے تمام قوم متفرق ہو کر یہ موسم پورا کرتی ہے، ہمارا ابھی جدید الاسلام ہے، تعلیم و تعلم کی بہت زیادہ ضرورت ہے، دعا فرمائیے کہ کنویں کا پانی ختم نہ ہوا کرے“، نبی ﷺ نے فرمایا: ”تم سات کنکریاں اٹھا لاؤ“، زیاد لے آئے، نبی ﷺ نے ان کو اپنے ہاتھ میں رکھ کر پھر واپس دے دیا، فرمایا: ”ایک ایک کنکری اس کنویں میں گرا دینا ہر ایک کنکری پر اللہ اللہ پڑھتے چلے جانا“، زیاد کا بیان ہے کہ ”پھر اس کنویں میں اتنا پانی بڑھ گیا کہ اس کی گہرائی کا پتہ ہی نہیں چلتا تھا“۔



وفد ثقیف

یہ وفد (۹ھ) میں خدمت نبوی میں حاضر ہوا تھا، وفد کا سردار عبد یاسیل تھا، جس کے سمجھانے کو نبی کریم ﷺ طائف گئے تھے، اس نے وعظ کے سننے سے انکار کر کے آبادی کے لڑکوں اور اوباشوں کو نبی ﷺ کی تضحیک و تحقیر کے لیے مقرر کر دیا تھا، اور جس کے اشارہ سے طائف میں رسول اللہ ﷺ پر پتھر برسائے گئے، کچھ پھینکی گئی تھی۔

نبی ﷺ نے وہاں سے آتے ہوئے یہ فرمایا تھا کہ ”میں ان کی بربادی کے لیے دعا نہیں کروں گا، کیونکہ اگر یہ خود ایمان نہ لائیں گے تو ان کی آئندہ نسلوں کو خدا ایمان عطا کرے گا“، اب وہی دشمن اسلام خود بخود اسلام کے لیے اپنے دل میں جگہ پاتے اور ولی شوق سے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ ”یہ (اہل ثقیف) میری قوم کے لوگ ہیں، کیا میں انہیں اپنے پاس اتار لوں اور ان کی تواضع کروں؟“ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”لا أمنعك أن تكرم قومك“ (میں منع نہیں کرتا کہ تم اپنی قوم کی عزت کرو)

لیکن ان کو ایسی جگہ اتارو جہاں قرآن کی آواز ان کے کان میں پڑے۔

الغرض ان کے خیمے مسجد کے صحن میں لگا دیئے گئے، جہاں سے قرآن بھی سنتے تھے اور لوگوں کو نماز پڑھتے بھی دیکھتے تھے، اس تدبیر سے ان کے دلوں پر اسلام کی صداقت کا اثر پڑا، اور انہوں نے نبی کریم ﷺ کے دست مبارک پر بیعت اسلام کر لی، انہوں نے بیعت سے پہلے یہ اجازت چاہی کہ ہم کو ترک نماز کی اجازت دے

دی جائے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

”لا خیر فی دین لیس فیہ رکوع“ (جس مذہب میں نماز نہیں اس میں کوئی بھی خوبی نہیں)

پھر انہوں نے کہا: ”اچھا ہمیں جہاد کے لیے نہ بلایا جائے اور نہ ہم سے زکوٰۃ لی جائے“، آنحضرت ﷺ نے یہ شرط قبول فرمائی اور صحابہ سے فرمایا کہ ”اسلام کے اثر سے یہ خود ہی دونوں کام کرنے لگیں گے۔“

عبد یلیل جو ان کا سردار تھا، مختلف اوقات میں نبی ﷺ سے مندرجہ ذیل مسائل پر بھی گفتگو کی۔

”یا رسول اللہ ﷺ! زنا کے بارے میں آپ ﷺ کیا فرماتے ہیں؟ ہماری قوم کے لوگ اکثر وطن سے دور رہتے ہیں، اس لیے زنا کے بغیر کچھ چارہ ہی نہیں“، نبی ﷺ نے فرمایا: ”زنا تو حرام ہے اور اللہ پاک کا اس کے لیے یہ حکم ہے:

﴿لَا تَقْرَبُوا الزَّانِيَ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا﴾ (تم زنا کے قریب بھی مت جاؤ، یہ تو سخت بے حیائی اور بہت برا طریق ہے)

”یا رسول اللہ ﷺ! سود کے بارے میں حضور ﷺ کیا فرماتے ہیں؟ یہ تو بالکل ہمارا ہی مال ہوتا ہے“، نبی ﷺ نے فرمایا: ”تم اپنا اصل روپیہ لے سکتے ہو، دیکھو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا﴾ (اے ایمان والو! خدا سے ڈرو اور سود میں سے جو لینا رہ گیا ہے وہ بھی چھوڑ دو)

”یا رسول اللہ ﷺ! شراب کے بارے میں آپ ﷺ کیا فرماتے ہیں؟ یہ تو ہمارے ہی ملک کا عرق ہے اور اس کے بغیر تو ہم رہ نہیں سکتے“، نبی ﷺ نے فرمایا: ”شراب کو خدا نے حرام کر دیا ہے، دیکھو اللہ تعالیٰ

فرماتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ
رَجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تَفْلَحُونَ﴾ (اے
ایمان والو! شراب، جوا، انصاب وازلام ناپاک اور گندے ہیں، شیطان
کے کام ہیں ان سے بچا کرو تا کہ تم فلاح پاؤ)

دوسرے روز اس نے آ کر خیر ہم آپ ﷺ کی باتیں مان لیں گے، لیکن ”ربہ“ کو
کیا کریں، ربہ مؤنث ہے لفظ رب کا، جس دیوی کے بت کو یہ پوجا کرتے تھے اسے ربہ کہا
کرتے تھے، نبی ﷺ نے فرمایا: ”اسے گراؤ“، وفد کے لوگوں نے کہا: ”ہائے ہائے! اگر
ربہ کو خیر ہوگی کہ آپ ﷺ اسے گرا دینا چاہتے ہیں تو وہ ہم لوگوں کو تباہ ہی کر ڈالے گی۔“
عمر بن خطابؓ نے کہا: ”انسوس ابن عبد یلیل! تم اتنا نہیں سمجھتے کہ وہ تو صرف
پتھر ہی ہے“، ابن عبد یلیل نے کھسیانا ہو کر کہا: ”عمر! ہم تجھ سے بات کرنے نہیں
آئے“، پھر رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: ”اسے گرانے کی ذمہ داری حضور ﷺ خود
لیں، کیونکہ ہم تو اسے کبھی نہیں گرانے کے“، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”خیر میں
گرانے والے کو بھیج دوں گا“، ان میں سے ایک نے عرض کیا کہ ”اس شخص کو آپ
ﷺ ہمارے بعد روانہ کیجئے گا، وہ ہمارے ساتھ نہ جائے۔“

الغرض یہ لوگ جتنے حاضر ہوئے تھے وہ مسلمان ہو کر وطن کو واپس چلے گئے،
انہوں نے چلتے وقت کہا: ”ہمارے لیے کوئی امام مقرر کر دیجئے“، ان میں ایک شخص
عثمان بن ابوالعاص تھا، جو عمر میں سب سے چھوٹا تھا، وہ قوم سے خفیہ خفیہ قرآن مجید اور
احکام شریعت سیکھتا رہا تھا، کبھی رسول اللہ ﷺ سے کبھی ابو بکر صدیقؓ سے سیکھ لیا کرتا،
آنحضرت ﷺ نے اسی کو ان کا امام مقرر فرمایا۔

وفد نے راستہ میں یہ مشورہ کیا کہ اپنا اسلام چھپا کر پہلے قوم کو مایوس کر دینا چاہیے،
جب یہ وطن پہنچ گئے تو قوم نے پوچھا: ”کہو کیا حال ہوا؟“ وفد نے کہا: ”ہمیں ایک سخت
خو، درشت گو شخص سے سابقہ پڑا جو ہمیں انہونی باتوں کا حکم دیتا ہے، مثلاً: لات وعزلی

کو توڑ دینا، تمام سودی روپیہ چھوڑ دینا، شراب، زنا کو حرام سمجھنا، قوم نے قسم کھا کر کہا: ”ہم ان باتوں کو کبھی نہیں ماننے کے“، وفد نے کہا: ”اچھا ہتھیاروں کو درست کرو اور جنگ کی تیاری کرو، قلعوں کی مرمت کر لو، دو دن تک ثقیف اسی ارادہ پر جے رہے، تیسرے روز خود بخود ہی کہنے لگے ”بھلا محمد ﷺ کے ساتھ ہم کیوں کر لڑ سکیں گے، سارا عرب تو ان کی اطاعت کر رہا ہے“، پھر وفد کے لوگوں سے کہا: ”جاؤ جو کچھ بھی کہتا ہے قبول کر لو“، وفد نے کہا: ”اب ہم تم کو صحیح صحیح بتاتے ہیں، ہم نے محمد ﷺ کو تقویٰ میں اور وفا میں، رحم میں اور صدق میں سب ہی سے بڑھ کر پایا، ہم تم سب کو اس سفر سے بڑی برکت حاصل ہوئی“، قوم نے کہا: ”تم نے ہم سے یہ راز کیوں پوشیدہ رکھا اور ہم کو ایسے سخت غم و الم میں کیوں ڈالا“، وفد نے کہا: ”ہمارا مدعا یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں سے شیطانی غرور نکال دے“ اس کے بعد وہ لوگ مسلمان ہو گئے۔

چند روز کے بعد وہاں رسول اللہ ﷺ کے بھیجے ہوئے اشخاص حضرت خالد بن ولیدؓ کی ماتحتی میں پہنچ گئے، انہوں نے لات کے گرا دینے کی کارروائی کا آغاز کرنا چاہا، ثقیف کے سب مرد وزن بوڑھے بچے اس کام کو دشوار سمجھے ہوئے تھے، پردہ نشین عورتیں بھی یہ تماشا دیکھنے نکل آئی تھیں، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے اس کے توڑنے کے لیے تیر چلایا، مگر اپنے زور میں خود ہی گر پڑے، یہ دیکھ کر ثقیف والے پکار اٹھے ”خدا نے مغیرہؓ کو دھتکار دیا اور ربہ نے اسے قتل کر ڈالا“ اب خوش ہو ہو کر کہنے لگے ”تم کچھ ہی کوشش کرو مگر اسے نہیں گرا سکتے“۔

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے خفا ہو کر کہا: ”ثقیف والو! تم بہت ہی بیوقوف ہو، یہ پتھر کا ٹکڑا کر ہی کیا سکتا ہے؟ لوگو! خدا کی عاقبت کو قبول کرو، اور اسی کی بندگی کرو“۔

پھر مندر کا دروازہ بند کر کے مغیرہؓ نے اول اس بت کو توڑا اور پھر مندر کی دیواروں پر چڑھ گئے اور انہیں گرانا شروع کر دیا، باقی مسلمان بھی دیواروں پر جا چڑھے اور اس عمارت کا ایک ایک پتھر گرا کے چھوڑا، مندر کا پجاری کہنے لگا کہ ”مندر کی بنیاد انہیں ضرور غرق کر دے گی“، مغیرہؓ نے سنا تو بنیاد بھی ساری کھود ڈالی اور اس طرح اس قوم کے دلوں میں اسلام کی بنیاد مستحکم ہو گئی۔

وفد عبد القیس

قبیلہ عبد القیس کا وفد خدمت نبوی میں حاضر ہوا، نبی ﷺ نے پوچھا: ”تم کس قوم سے ہو؟“ عرض کیا: ”قوم ربیعہ سے“، نبی ﷺ نے انہیں خوش آمدید فرمایا، انہوں نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ ﷺ! ہمارے اور حضور ﷺ کے درمیان قبیلہ مضر کے کافر آباد ہیں، ہم شہر حرام ہی میں حاضر ہو سکتے ہیں، اس لیے صاف واضح طور پر سبھا دیا جائے، جس پر ہم بھی عمل کرتے رہیں اور قوم کے باقی ماندہ اشخاص بھی۔“

فرمایا: ”میں چار چیزوں پر عمل کرنے کا اور چار چیزوں سے بچنے رہنے کا حکم دیتا ہوں، جن چیزوں کے کرنے کا حکم ہے وہ یہ ہیں:

(۱) اکیلے خدا پر ایمان لانا، اس سے مراد یہ ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت ادا کرنا (۲) نماز (۳) زکوٰۃ (۴) رمضان کے روزے اور مال غنیمت میں سے خمس نکالنا۔

چار چیزیں جن سے بچنے کا حکم ہے، یہ ہیں:

(۱) دبا (کدو کے پھلکے کو کہتے ہیں جس کو سکھا لیا جاتا ہے)

(۲) حلتہم (سبز گھڑے کو کہتے ہیں)

(۳) تقیر (درخت کی جڑ کو اندر سے کھود لیا کرتے تھے اس برتن کو تقیر کہتے ہیں)

(۴) مزفت (تارکول کو برتن میں لگالیا کرتے تھے)

(چونکہ اس قوم میں شراب بکثرت پی جاتی، بنائی جاتی، ذخیرہ رکھی جاتی تھی، اور

وہ لوگ ان سب برتنوں کو نشہ آور چیزوں کے لیے استعمال کرتے تھے، اس لیے آپ

ﷺ نے حرمت شراب کا حکم دیتے وقت ان برتنوں کا استعمال بھی منع فرمادیا جن میں شراب پی جاتی یا رکھی جاتی تھی)

ان باتوں کو یاد رکھو، اور پچھلوں کو بھی بتا دو۔

انہوں نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ ﷺ! حضور کو کیا معلوم ہے کہ تقیر کیا ہوتی ہے؟“ فرمایا: ”جانتا ہوں، کھجور کے درخت میں زخم لگا کر عرق نکالتے ہو اور اس میں کھجوریں ڈالا کرتے ہو اور اس پر پانی ڈالتے ہو اس میں جوش پیدا ہوتا ہے، جب جوش بیٹھ جاتا ہے تب پیا کرتے ہو، ممکن ہے تم سے کوئی اس نشہ میں اپنے چچیرے بھائی کو قتل کر ڈالے“ (یہ عجیب بات ہے کہ اسی وفد میں ایک شخص ایسا بھی تھا جس نے تقیر کے نشہ میں اپنے چچیرے بھائی کو قتل کر دیا تھا)

ان لوگوں نے پوچھا: ”یا رسول اللہ ﷺ! ہم کیسے برتن میں پانی پیا کریں؟“ فرمایا: ”مشکوں میں، جن کا منہ باندھ دیا جاتا ہے“، انہوں نے کہا: ”یا رسول اللہ ﷺ! ہمارے یہاں چوہے بکثرت ہوتے ہیں، اس لیے وہاں چمڑے کی مشکیں سالم نہیں رہ سکتیں“، فرمایا: ”خواہ سالم ہی نہ رہیں۔“

اسی وفد کے ساتھ جارود بن العلاء بھی آیا تھا، یہ مسیحی المذہب تھا، اس نے کہا: ”یا رسول اللہ ﷺ! میں اس وقت بھی ایک مذہب رکھتا ہوں، اگر ہم اسے چھوڑ کر آپ ﷺ کے دین میں داخل ہو جائیں، تو کیا آپ ﷺ ہمارے ضامن بن سکتے ہیں؟“ فرمایا: ”ہاں، میں ضامن بنتا ہوں، کیونکہ جس مذہب کی میں دعوت دے رہا ہوں، یہ اس سے بہتر ہے جس پر تم اب ہو، جارود کے ساتھ اور عیسائی بھی مسلمان ہو گئے۔“



وفد بنی حنیفہ

بنو حنیفہ کا وفد نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت ثمامہ بن اثالؓ کی کوشش سے اس علاقہ میں اسلام کی اشاعت ہوئی تھی، یہ وفد مدینہ آ کر مسلمان ہوا تھا، اسی وفد کے ساتھ مسیلمہ کذاب بھی تھا، وہ مدینہ آ کر لوگوں سے کہنے لگا کہ ”اگر محمد ﷺ صاحب یہ اقرار کریں کہ ان کا جانشین مجھے بنایا جائے گا تو میں بیعت کروں گا“، نبی ﷺ نے یہ سنا، حضور ﷺ کے ہاتھ میں کھجور کی ایک چھڑی تھی، فرمایا: ”میں تو اس چھڑی کے دینے کی شرط پر بھی بیعت لینا نہیں چاہتا“۔

اگر وہ بیعت نہ کرے گا تو خدا سے تباہ فرمائے گا، اس کا انجام خدا تعالیٰ نے مجھے دکھایا ہے، یعنی میں نے خواب دیکھا کہ میرے ہاتھ میں سونے کے کنگن ہیں، وہ مجھے ناگوار معلوم ہوئے، خواب ہی میں وحی سے معلوم ہوا کہ انہیں پھونک سے اڑا دو، میں نے پھونک ماری تو وہ اڑ گئے، میں خیال کرتا ہوں کہ ان سے مراد مسیلمہ صاحب یمامہ اور علسی صاحب صنعا ہے۔



وفدِ طے

قبیلہ بنو طے کا وفد جس کا سردار زید الخلیل تھا، نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”عرب کے جس شخص کی تعریف میرے سامنے ہوئی وہ دیکھنے کے وقت اس سے کم ہی نکلا، ایک زید الخلیل اس سے مستثنیٰ ہے“، پھر اس کا نام زید الخیر رکھ دیا، یہ سب لوگ ضروری گفتگو کے بعد مسلمان ہو گئے تھے۔



وفد اشعریین

قبیلہ اشعریہ (جو اہل یمن تھے) کا وفد حاضر ہوا، ان کے آنے پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا: ”اہل یمن آئے، جن کے دل نہایت نرم اور ضعیف ہیں، ایمان یمنیوں کا ہے اور حکمت یمنیوں کی، مسکنت بکریوں والوں میں، فخر و غرور اونٹ والوں میں ہے، جو مشرق کی طرف رہتے ہیں۔“

جب یہ لوگ مدینہ میں داخل ہوئے تو یہ شعر پڑھ رہے تھے:

غداً نلاقى الأجابة

محمداً وحزبه

(کل ہم اپنے دوستوں یعنی محمد ﷺ اور ان کے ساتھ والوں سے ملیں گے)



وفدازو

یہ وفد سات شخصوں کا تھا، نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو نبی کریم ﷺ نے ان کی وضع قطع کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا، پوچھا: ”تم کون ہو؟“ انہوں نے کہا: ”ہم مومن ہیں“، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”ہر ایک قول کی حقیقت ہوتی ہے، بتاؤ کہ تمہارے قول اور ایمان کی حقیقت کیا ہے؟“ انہوں نے عرض کیا: ”ہم پندرہ خصلتیں رکھتے ہیں، پانچ وہ ہیں جن پر اعتقاد رکھنے کا ذکر آپ ﷺ کے قاصدوں نے کیا اور پانچ وہ ہیں جن پر عمل کرنے کا حکم آپ ﷺ نے فرمایا، پانچ وہ ہیں جن پر ہم پہلے سے پابند ہیں۔“

پانچ باتیں جن پر حضور ﷺ کے مبلغین نے ایمان لانے کا حکم دیا، یہ ہیں:

☆ ایمان خدا پر، فرشتوں پر، اللہ کی کتابوں پر، اللہ کے رسولوں پر، مرنے کے بعد جی اٹھنے پر۔

پانچ باتیں عمل کرنے کی ہم کو یہ بتائی گئی ہیں:

☆ لا الہ الا اللہ کہنا، پانچ وقت کی نمازوں کا قائم کرنا، زکوٰۃ دینا، رمضان کے روزے رکھنا، بیت الحرام کا حج کرنا جسے راہ کی استطاعت ہو۔

پانچ باتیں جو پہلے سے معلوم ہیں، یہ ہیں:

☆ آسودگی کے وقت شکر کرنا، مصیبت کے وقت صبر کرنا، قضائے الہی پر رضا مند ہونا، امتحان کے وقت ثابت قدم رہنا، دشمنوں کو بھی گالی گلوچ نہ کرنا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جنہوں نے ان باتوں کی تعلیم دی وہ حکیم و عالم تھے

اور ان کی دانشمندی سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا انبیاء تھے، اچھا پانچ چیزیں اور بتا دیتا ہوں تاکہ پوری ہیں نخصلتیں ہو جائیں:

☆ وہ چیزیں جمع نہ کرو جسے کھانا نہ ہو۔

☆ وہ مکان نہ بناؤ جس میں بسنا نہ ہو۔

☆ ایسی باتوں میں مقابلہ نہ کرو جنہیں کل چھوڑ دینا ہو۔

☆ خدا کا تقویٰ رکھو جس کی طرف لوٹ کر جانا اور جس کے حضور میں پیش

ہونا ہے۔

☆ ان چیزوں کی رغبت رکھو جو آخرت میں تمہارے کام آئیں گی جہاں تم ہمیشہ

رہو گے۔

ان لوگوں نے نبی کریم ﷺ کی وصیت پر پورا پورا عمل کیا۔



وفد ہمدان

یہ قبیلہ یمن میں آباد تھا، یہ لوگ پہلے حضرت علیؑ کے ہاتھ پر ایمان لا چکے تھے اور ویدار نبوی سے مشرف ہونے آئے تھے، طارق بن عبد اللہ کا بیان ہے کہ میں مکہ میں سوق الحجاز میں کھڑا تھا اتنے میں ایک شخص آیا جو پکار پکار کر کہتا تھا:

”یا ایہا الناس قولوا لا الہ الا اللہ تفلحوا“ (لوگو! لا الہ الا اللہ کہو فلاح

پاؤ گے)

ایک دوسرا شخص اس کے پیچھے پیچھے آیا جو نکریاں اسے مارتا تھا اور کہتا تھا:

”یا ایہا الناس لا تصدقوه فانہ کذاب“ (لوگو! اسے سچ نہ سمجھو یہ تو

جھوٹا شخص ہے)

میں نے دریافت کیا کہ ”یہ کون ہیں“؟

لوگوں نے کہا کہ ”یہ تو بنی ہاشم کا ایک فرد ہے، جو اپنے کو رسول سمجھتا ہے اور یہ دوسرا اس کا چچا عبد العزیٰ ہے“، (ابولہب کا نام عبد العزیٰ تھا) طارق کہتے ہیں کہ اس کے بعد برسوں گذر گئے، نبی کریم ﷺ مدینہ جا رہے تھے، اس وقت ہماری قوم کے چند لوگ جن میں میں بھی تھا، مدینہ گئے، تاکہ وہاں کی کھجوریں مول لائیں، جب مدینہ کی آبادی کے متصل پہنچ گئے تو ہم اس لیے ٹھہر گئے کہ سفر کے کپڑے اتار کر دوسرے کپڑے بدل کر شہر میں داخل ہوں گے، اتنے میں ایک شخص آیا جس پر دو پرانی چادریں تھیں، اس نے سلام کے بعد پوچھا کہ کدھر سے آئے، کدھر جاؤ گے؟ ہم نے کہا: ربذہ سے آئے ہیں اور یہیں تک قصد ہے، پوچھا: مدعا کیا ہے؟ ہم نے کہا کہ

کھجوریں خریدنی ہیں، ہمارے پاس ایک سرخ اونٹ تھا جس پر مہار تھی، اس نے کہا: یہ اونٹ بیچتے ہو؟ ہم نے کہا: ہاں! اس قدر کھجوروں کے بدلے دے دیں گے، اس شخص نے یہ سن کر قیمت گھٹانے کے بارے میں کچھ بھی نہیں کہا اور مہار شتر سنبھال کر شہر کو چلا گیا، جب شہر کے اندر جا پہنچا تو اب آپس میں لوگ کہنے لگے کہ یہ ہم نے کیا کیا اونٹ ایسے شخص کو دے دیا جس سے واقف تک نہیں اور قیمت وصول کرنے کا کوئی انتظام ہی نہیں کیا۔

ہمارے ساتھ ایک ہودج نشین (سردار قوم کی) عورت بھی تھی، وہ بولی کہ میں نے اس شخص کا چہرہ دیکھا تھا کہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمک رہا تھا، اگر ایسا آدمی قیمت نہ دے تو میں ادا کر دوں گی۔

ہم یہی باتیں کر رہے تھے کہ اتنے میں ایک شخص آیا، کہا: مجھے رسول اللہ ﷺ نے بھیجا ہے اور (اونٹ کی قیمت) کھجوریں بھیجی ہیں (تمہاری خیافت کی کھجوریں الگ ہیں) کھاؤ پیو اور قیمت کی کھجوروں کو ناپ کر پورا کر لو، جب ہم کھاپی کر سیر ہوئے تو شہر میں داخل ہوئے، دیکھا کہ وہی شخص مسجد کے نمبر پر کھڑے وعظ کر رہا ہے، ہم نے مندرجہ ذیل الفاظ آپ ﷺ کے سنے:

”تصدقوا فان الصدقة خیر لکم، الید العلیا خیر من الید السفلی، أمک وأباك وأختک وأخاک و أدناک أدناک“ (لوگو! خیرات دیا کرو، خیرات کا دیا تمہارے لیے بہتر ہے، اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے، ماں کو، باپ کو، بہن کو، بھائی کو، پھر قریبی کو اور دوسرے قریبی کو دو)



وفد نجیب

قبیلہ نجیب کے تیرہ شخص حاضر ہوئے تھے، یہ اپنی قوم کے مال و مویشی کی زکوٰۃ لے کر آئے تھے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”اسے واپس لے جاؤ اور اپنے قبیلے کے فقراء پر تقسیم کر دو“ انہوں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ ﷺ! فقراء کو جو دے کر بیچ رہا ہے ہم وہی لے کر آئے ہیں“، حضرت صدیق اکبرؓ نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ ﷺ! ان سے بہتر کوئی وفد اب تک نہیں آیا“، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ہدایت خدائے عز و جل کے ہاتھ میں ہے، خدا جس کی بہبودی چاہتا ہے اس کے سینہ کو ایمان کے لیے کھول دیتا ہے“، ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے چند باتوں کا سوال کیا، آنحضرت ﷺ نے ان کے جوابات لکھوا دیئے تھے۔

یہ لوگ قرآن اور سنن ہدئی کے سیکھنے میں بہت ہی راغب تھے اس لیے نبی کریم ﷺ نے حضرت بلالؓ کو ان کی تواضع کے لیے خاص طور پر مہین کر دیا تھا۔

یہ لوگ واپسی کی اجازت کے لیے بہت ہی اضطراب ظاہر کرتے تھے، صحابہؓ نے پوچھا کہ ”تم یہاں سے جانے کے لیے کیوں بے چین ہو؟“ کہا: ”دل میں یہ جوش ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دیدار سے جو انوار ہم نے حاصل کئے، نبی اللہ ﷺ کی گفتار سے جو فیوض ہم نے پائے اور جو برکات اور فوائد ہم کو یہاں آکر حاصل ہوئے، ان سب کی اطلاع اپنی قوم کو جلد پہنچائیں۔“

آنحضرت ﷺ نے ان کو عطیات سے سرفراز کیا اور رخصت فرمایا، ”پوچھا! کوئی شخص تم میں سے باقی بھی رہا ہے؟“ انہوں نے کہا: ”ہاں! ایک نوجوان لڑکا ہے

جسے سامان کے پاس ہم نے چھوڑ دیا تھا“، فرمایا: ”اسے بھی بھیج دینا“، وہ حاضر ہوا تو اس نے کہا: ”یا رسول اللہ ﷺ! حضور ﷺ نے میرے قوم کے لوگوں پر لطف و رحمت کی ہے مجھے بھی کچھ مرحمت فرمائیے“، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”تم کیا چاہتے ہو؟“ کہا: ”یا رسول اللہ ﷺ! میرا مدعا اپنی قوم کی مدعا سے الگ ہے، اگرچہ میں جانتا ہوں کہ وہ یہاں اسلام کی محبت میں آئے ہیں اور صدقات کا مال بھی لائے تھے“، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”تم کیا چاہتے ہو؟“ کہا: ”میں اپنے گھر سے صرف اس لیے آیا تھا کہ حضور ﷺ میرے لیے دعا فرمائیں کہ خدا مجھے بخش دے، مجھ پر رحم کرے اور میرے دل کو عینی بنا دے“، نبی کریم ﷺ نے اس کے لیے یہی دعا فرمادی، (۱۰) کو جب نبی کریم ﷺ نے حج کیا، تو اس قبیلہ کے لوگ پھر حضور ﷺ سے ملے، نبی کریم ﷺ نے پوچھا ”اس نوجوان کی کیا خبر ہے؟“ لوگوں نے کہا: ”یا رسول اللہ ﷺ! اس جیسا شخص کبھی دیکھنے ہی میں نہیں آیا اور اس جیسا قانع کوئی شاہی نہیں گیا، اگر دنیا کی دولت اس کے سامنے تقسیم ہو رہی ہو تو وہ نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا“۔

وفد بنی سعد ہندیم

یہ وفد جس وقت مسجد نبوی میں پہنچا تو نبی کریم ﷺ ایک جنازہ کی نماز پڑھا رہے تھے، انہوں نے آپس میں طے کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے سے پہلے ہم کو کوئی بھی کام نہیں کرنا چاہیے، اس لیے ایک طرف الگ ہو کر بیٹھے رہے، جب آنحضرت ﷺ ادھر سے فارغ ہوئے ان کو بلایا، پوچھا: ”کیا تم مسلمان ہو؟“ انہوں نے کہا: ”ہاں“ فرمایا: ”تم اپنے بھائی کے لیے دعا میں شامل کیوں نہ ہوئے؟“ عرض کیا: ”ہم سمجھتے تھے کہ بیعت رسول اللہ ﷺ سے پہلے کوئی کام بھی کرنے کے مجاز نہیں“، فرمایا: ”جس وقت تم نے اسلام قبول کیا اسی وقت سے تم مسلمان ہو گئے“، اتنے میں وہ مسلمان بھی آ پہنچا جسے یہ لوگ اپنی سواری کے پاس بٹھا آئے تھے، وفد نے کہا: ”یا رسول اللہ ﷺ! یہ ہم سے چھوٹا ہے، اور اسی لیے ہمارا خادم ہے“، فرمایا:

”أصغر القوم خادمہم“ (چھوٹا اپنے بزرگوں کا خادم ہوتا ہے)

خدا سے برکت دے، اس دعا کی یہ برکت ہوئی کہ وہی قوم کا امام اور قرآن مجید کا قوم میں سب سے زیادہ جاننے والا بنا، جب یہ وفد لوٹ کر وطن گیا تو تمام قبیل میں اسلام پھیل گیا۔



وفد بنی اسد

یہ دس شخص تھے جن میں وابصہ بن معبد اور خویلد تھے، رسول اللہ ﷺ اصحاب کے ساتھ اندر مسجد میں تشریف فرما تھے، ان میں سے ایک نے کہا: ”یا رسول اللہ ﷺ! ہم شہادت دیتے ہیں کہ خدا اکیلا ہے، لاشریک ہے، اور آپ ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں، دیکھئے یا رسول اللہ ﷺ! ہم از خود حاضر ہو گئے ہیں اور آپ ﷺ نے تو ہمارے پاس کوئی آدمی بھی نہ بھیجا، اس پر آیت کا نزول ہوا:

﴿يَمْنُونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا قَل لَّا تَمْنُوا عَلٰى اِسْلَامِكُمْ بَلِ اللّٰهُ
يَمْنُ عَلٰىكُمْ اَنْ هٰدَاكُمْ لَلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ﴾ (یہ لوگ آپ
پر احسان جتاتے ہیں کہ اسلام لے آئے ہیں، کہہ دیجئے کہ اپنے اسلام کا
مجھ پر احسان نہ جتاؤ، بلکہ خدا تم پر اس بات کا احسان جتاتا ہے کہ اس نے
تم کو اسلام کی ہدایت کی اگر تم اس دعویٰ میں سچے ہو)

پھر ان لوگوں نے سوال کیا کہ ”جانوروں کی بولیوں اور شکونوں وغیرہ سے قال لینا
کیسا ہے؟“ رسول اللہ ﷺ نے ان سب سے انہیں منع فرمایا، انہوں نے عرض کیا:
”یا رسول اللہ ﷺ! ایک بات رہ گئی، اس کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟“ نبی کریم
ﷺ نے فرمایا: ”وہ کیا ہے؟“ انہوں نے کہا: ”خط کھینچنا؟“ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ
”اسے ایک نبی نے لوگوں کو سکھایا تھا جس کسی کو صحت سے وہ علم مل گیا بیشک وہ علم ہے۔“

وفد بہراء

یہ لوگ مدینہ میں آئے، حضرت مقدادؓ کے گھر کے سامنے آکر اونٹ بٹھائے، حضرت مقدادؓ نے گھر والوں سے کہا کہ ”ان کے لیے کچھ کھانا تیار کرو“ اور خود ان کے پاس گئے اور خوش آمدید کہہ کر اپنے گھر لے آئے، ان کے سامنے جیس رکھا گیا، جیس ایک کھانا ہے جو کھجور اور ستوں ملا کر گھی میں تیار کیا جاتا ہے، گھی کے ساتھ کبھی چربی بھی ڈال دیا کرتے ہیں، اس کھانے میں سے کچھ نبی کریم ﷺ کے لیے بھی حضرت مقدادؓ نے بھیجا، نبی کریم ﷺ نے کچھ کھا کر وہ برتن واپس فرما دیا، اب حضرت مقدادؓ دونوں وقت وہی پیالہ ان مہمانوں کے سامنے رکھ دیتے وہ مزے لے لے کر کھایا کرتے، خوب کھایا کرتے، مگر کھانا کم نہ ہوا کرتا تھا، ان لوگوں کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی، آخر ایک روز اپنے میزبان سے پوچھا: ”مقداد! ہم نے تو سنا تھا کہ مدینہ والوں کی خوراک ستوں، جو وغیرہ ہیں، تم تو ہر وقت وہ کھانا کھلاتے ہو جو ہمارے یہاں بہت عمدہ سمجھا جاتا ہے اور جو ہر روز ہم کو بھی میسر نہیں آسکتا اور پھر ایسا لذیذ کہ ہم نے کبھی ایسا کھایا بھی نہیں۔“

حضرت مقدادؓ نے کہا: ”صاحبو! یہ سب کچھ آنحضرت ﷺ کی برکت ہے، کیونکہ آنحضرت ﷺ کی انگشت ہائے مبارک لگ چکی ہے ہیں، یہ سنتے ہی سب نے باتفاق اپنا ایمان تازہ کیا کہ ”پیشک وہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں“، یہ لوگ مدینہ میں کچھ عرصہ ٹھہرے، قرآن اور احکام سیکھے اور واپس چلے گئے۔

وفد حولان

یہ وہ شخص تھے، جو بمابہ شعبان (۱۰ھ) میں خدمت نبوی میں حاضر ہوئے تھے، انہوں نے آ کر عرض کیا کہ ”ہم اپنی قوم کے پسماندوں کی جانب سے وکیل ہو کر آئے ہیں، خدا اور رسول پر ہمارا ایمان ہے، ہم حضور ﷺ کی خدمت میں لہذا سفر طے کر کے آئے ہیں اور اقرار کرتے ہیں کہ خدا اور رسول کا ہم پر احسان ہے، ہم یہاں محض زیارت کے لیے حاضر ہوئے ہیں۔“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”من زارنی بالمدينة كان في جوارى يوم القيامة“ (جس نے

مدینہ میں آ کر میری زیارت کی وہ قیامت کے دن میرا ہم سایہ ہوگا)

پھر رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا: ”عم انس کا کیا ہوا؟“ (یہ ایک بت کا نام

ہے جو اس قوم کا معبود تھا) وفد نے عرض کیا: ”ہزار شکر ہے کہ اللہ نے حضور ﷺ کی

تعلیم کو ہمارے لیے اس کا بدل بنا دیا ہے، بعض بعض بوڑھے اور بوڑھی عورتیں رہ گئی

ہیں جو اس کی پوجا کئے جاتی ہیں، اب انشاء اللہ ہم اسے جا کر گرائیں گے، ہم مدتوں

دھوکے اور فتنے میں رہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کسی دن کا واقعہ تو سناؤ،“ وفد

نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ ﷺ! ایک دفعہ ہم نے سو (۱۰۰) نرگاؤ جمع کئے اور سب

کے سب ایک ہی دن عم انس کے لیے قربان کئے گئے اور درندوں کے لیے چھوڑ دیئے

گئے، حالانکہ ہم کو گوشت اور جانوروں کی بہت ضرورت تھی،“ انہوں نے یہ بھی عرض کیا

کہ ”چوپایوں اور زراعت میں سے عم انس کا حصہ برابر نکالا جاتا تھا، جب کوئی

زراعت کرتا تو اس کا وسطی حصہ عم انس کے لیے مقرر کرتا اور ایک کنارے کا خدا کے نام مقرر کر دیتا، اگر کھیتی کو ہوا مار جاتی تو خدا کا حصہ تو عم انس کے نام کر دیتے، مگر عم انس کا حصہ خدا کے نام پر نہ کرتے۔“

رسول اللہ ﷺ نے فرائض دین سکھائے اور خصوصیت سے ان باتوں کی وصیت فرمائی:

(۱) عہد پورا کرنا۔

(۲) امانت کو ادا کرنا۔

(۳) ہمسایہ لوگوں سے اچھا برتاؤ کرنا۔

(۴) کسی ایک شخص پر بھی ظلم نہ کرنا، یہ بھی فرمایا کہ ظلم قیامت کے دن تاریکی

ہوگا۔



وقد مخارب

یہ دس شخص تھے، جو قوم کے وکیل ہو کر (سید) میں آئے تھے، حضرت بلال ان کی مہمانی کے لیے مامور تھے، صبح و شام کا کھانا وہی لایا کرتے تھے، ایک روز ظہر سے عصر تک کا پورا وقت نبی کریم ﷺ نے انہیں کو دے دیا۔

ان میں سے ایک شخص کو نبی کریم ﷺ نے دیکھنا شروع کیا پھر فرمایا کہ ”میں نے تم کو پہلے بھی دیکھا ہے“، یہ شخص بولا: ”خدا کی قسم! ہاں حضور ﷺ نے مجھے دیکھا تھا اور مجھ سے بات بھی کی تھی اور میں نے بدترین کلام سے حضور ﷺ کو جواب دیا اور بہت بری طرح حضور ﷺ کے کلام کو رد کیا تھا“، یہ بازار عکاظ کا ذکر ہے، جہاں حضور ﷺ لوگوں کو سمجھاتے پھرتے تھے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”ہاں ٹھیک ہے“، اس شخص نے کہا: ”یا رسول اللہ ﷺ! اس روز میرے دوستوں میں مجھ سے بڑھ کر کوئی بھی حضور ﷺ کی مخالفت کرنے والا اور اسلام سے دور رہنے والا نہ تھا، وہ سب تو اپنے آبائی مذہب ہی پر مر گئے، خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے آج تک باقی رکھا اور حضور ﷺ پر ایمان لانا مجھے نصیب ہوا“۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”سب کے دل خدا کے ہاتھ میں ہیں“، اس شخص نے کہا: ”یا رسول اللہ ﷺ! میری پہلی حالت کے لیے معافی کی دعا فرمائیے“، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اسلام ان سب باتوں کو مٹا دیتا ہے جو کفر میں ہوئی ہوں“۔

وفد بنی عبس

یہ وفد انتقال مبارک سے چار ماہ پیشتر آیا تھا، یہ علاقہ نجران کے باشندے تھے، یہ لوگ مسلمان ہو کر آئے تھے، انہوں نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ ﷺ! ہم نے منادیان اسلام سے سنا ہے کہ حضور ﷺ یہ ارشاد فرماتے ہیں:

”لا اسلام لمن لا ہجرۃ لہ“ (اس کے پاس اسلام نہیں جس نے ہجرت نہ کی ہو)

ہمارے پاس زر و مال بھی ہے اور مویشی بھی جن پر ہماری گذران ہے، پس اگر ہجرت کے بغیر ہمارا اسلام ہی ٹھیک نہیں تو مال و متاع کیا ہمارے کام آئیں گے اور مویشی ہمیں کیا فائدہ دیں گے؟ بہتر ہے کہ ہم سب کچھ فروخت کر کے سب خدمت عالی میں حاضر ہو جائیں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”اتقوا اللہ حیث کنتم فلن یتکم من أعمالکم شیئاً“ (تم جہاں آباد ہو وہیں رہ کر خدا ترسی کو اپنا شیوہ بنائے رکھو، تمہارے اعمال میں ذرا بھی کمی نہیں آئے گی)



وفد عامہ

یہ وفد (۱۰ھ) میں آیا تھا، اس میں دس آدمی تھے، یہ مدینہ سے باہر آ کر اترے، ایک لڑکے کو بٹھا کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، نبی کریم ﷺ نے پوچھا کہ ”تم سامان کے پاس کسے چھوڑ آئے ہو؟“ لوگوں نے کہا: ”ایک لڑکے کو“، فرمایا: ”تمہارے بعد وہ سو گیا، ایک شخص آیا اور گٹھری چرا کر لے گیا“، ایک شخص بولا: ”یا رسول اللہ ﷺ! وہ گٹھری تو میری تھی“، فرمایا: ”گٹھراؤ نہیں، وہ لڑکا اٹھا، چور کے پیچھے پیچھے بھاگا، اسے جا پکڑا، سب مال صحیح سالم مل گیا“، یہ لوگ آنحضرت ﷺ کی خدمت سے جب واپس پہنچے تو لڑکے سے معلوم ہوا کہ ٹھیک اسی طرح اس کے ساتھ ماجرا ہوا تھا، یہ لوگ اسی وقت مسلمان ہو گئے، نبی کریم ﷺ نے حضرت ابی بن کعبؓ کو مقرر فرما دیا کہ انہیں قرآن یاد کرائیں اور شرائع اسلام سکھائیں، جب وہ واپس جانے لگے تو انہیں شرائع اسلام ایک کاغذ پر لکھوا کر دیئے گئے۔



وفد بنی فزارہ

جب رسول اللہ ﷺ تبوک سے واپس آئے، تو بنی فزارہ کا ایک وفد جس میں پندرہ آدمی شامل تھے، خدمت مبارک میں حاضر ہوا، ان کو اسلام کا اقرار تھا، ان کی سواری لاغر کمزور اونٹ تھے، رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ ”تمہاری بستیوں کا کیا حال ہے؟“ انہوں نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ ﷺ! بستیوں میں قحط ہے، مواشی مر گئے، باغ خشک ہو گئے، بال بچے بھوکے مر رہے ہیں، آپ ﷺ خدا سے دعا کریں کہ ہماری فریاد سنے، آپ ﷺ ہماری سفارش خدا سے کریں، خدا ہماری سفارش آپ ﷺ سے کرے۔“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”اللہ تعالیٰ ان باتوں سے پاک ہے، خرابی ہو تیرے لیے، میں تو خدا کے پاس شفاعت کروں گا لیکن خدا کس کے پاس شفاعت کرے گا؟ وہ معبود ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ سب سے بزرگ تر ہے، آسمانوں اور زمین پر اسی کا حکم ہے۔“

آنحضرت ﷺ نے ان کی قوم میں بارش کے لیے دعا فرمائی۔



وفد سلامان

یہ سترہ شخص تھے، آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لائے تھے، انہی میں حبیب بن عمرو تھا، انہوں نے سوال کیا کہ ”سب اعمال سے افضل کیا چیز ہے؟“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”وقت پر نماز پڑھنا“، ان لوگوں نے عرض کیا کہ ”ہمارے یہاں بارش نہیں ہوتی“، دعا فرمائیے، رسول اللہ ﷺ نے زبان سے فرمایا:

”اللہم اسقہم الغیث فی دارہم“ (اے اللہ ان کو ان کے گھروں میں

سیراب کر دے)

حبیب نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ ﷺ! ان مبارک ہاتھوں کو اٹھا کر دعا فرمائیے نبی کریم ﷺ مسکرا دیئے اور ہاتھ اٹھا کر دعا کر دی۔

جب وفد اپنے وطن لوٹ کر گیا تو معلوم ہوا کہ ٹھیک اسی روز بارش ہوئی تھی، جس دن نبی کریم ﷺ نے دعا فرمائی تھی۔



وفد نجران

نجران مکہ معظمہ سے یمن کی طرف سات منزل پر ایک وسیع ضلع کا نام ہے، جہاں عیسائی عرب آباد تھے، یہاں عیسائیوں کا ایک عظیم الشان کلیسا تھا جس کو وہ کعبہ کہتے تھے اور حرم کعبہ کا جواب سمجھتے تھے، اس میں بڑے بڑے مذہبی پیشواریے تھے جن کا لقب سید اور عاقب تھا، عرب میں عیسائیوں کا کوئی مذہبی مرکز اس کا ہمسرنہ تھا۔ یہ کلیسا تین سو کھالوں سے گنبد کی شکل میں بنایا گیا تھا، جو شخص اس کے حدود میں آجاتا تھا وہ مامون ہو جاتا تھا، اس کلیسا کے اوقاف کی آمدنی دو لاکھ سالانہ تھی۔

آنحضرت ﷺ نے ان کو دعوت اسلام کا خط لکھا تو اس کلیسا کے محافظ اور ائمہ مذہب ساٹھ آدمیوں کے ساتھ مدینہ میں آئے، آنحضرت ﷺ نے ان کو مسجد میں اتارا، تھوڑی دیر کے بعد نماز کا وقت آیا تو ان لوگوں نے نماز پڑھنی چاہی، صحابہ نے روکا، لیکن آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”پڑھنے دو“، چنانچہ ان لوگوں نے مشرق کی طرف منہ کر کے نماز ادا کی، ابو حارثہ جو لارڈ بشپ تھا، نہایت محترم اور فاضل شخص تھا، قیصر روم نے اس کو یہ منصب عطا کیا تھا اور اس کے لیے گرجے اور معبد بنوائے تھے۔ ان لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے مختلف مسائل پوچھے اور آپ ﷺ نے وحی کی رو سے ان کا جواب دیا۔

ان کے زمانہ قیام میں سورہ آل عمران کی ابتداء کی اسی (۸۰) آیتیں اتریں، ان آیتوں میں ان کے سوالات کا جواب تھا، آنحضرت ﷺ نے جب ان کو اسلام کی دعوت دی تو ان لوگوں نے کہا کہ ”ہم تو پہلے سے مسلمان ہیں“، آنحضرت ﷺ نے

فرمایا کہ ”جب تم صلیب پوجتے ہو، عیسیٰ کو خدا کا بیٹا کہتے ہو کیوں کر مسلمان ہو سکتے ہو“، جب یہ لوگ اس پر راضی نہ ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے وحی کے مطابق ان سے کہہ دیا کہ اچھا مباہلہ کرو، یعنی ہم تم دونوں اپنے اہل و عیال کو لے کر آئیں اور دعا کریں کہ جو شخص جھوٹا ہو اس پر خدا کی لعنت ہو۔

لیکن جب آنحضرت ﷺ حضرت فاطمہ زہرا اور امام حسن و حسین علیہما السلام کو لے کر مباہلہ کے لیے نکلے تو خود ان کی جماعت میں سے ایک شخص نے رائے دی کہ مباہلہ نہیں کرنا چاہیے، اگر یہ شخص واقعی پیغمبر ہے تو ہم لوگ ہمیشہ کے لیے تباہ ہو جائیں گے، غرض ان لوگوں نے کچھ سالانہ خراج قبول کر کے صلح کر لی، اور جاتے وقت انہوں نے یہ درخواست کی کہ ایک امانت دار شخص کو ہمارے ساتھ بھیج دیا جائے جسے جزیہ ادا کر دیا کریں، نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو عبیدہ بن جراح کو ان کے ساتھ بھیج دیا اور فرمایا کہ ”یہ شخص میری امت کا امین ہے“، حضرت ابو عبیدہ کے فیضانِ صحبت سے علاقہ میں اسلام پھیل گیا۔



وفد نخع

یہ وفد نصف محرم (۱۱ھ) میں خدمت نبوی میں حاضر ہوا تھا، اس کے بعد کوئی وفد حاضر نہیں ہوا، یہ دو اشخاص تھے اور حضرت معاذ بن جبلؓ کے ہاتھ پر مسلمان ہو کر آئے تھے، ان کو دار الضیافہ (مہمان خانہ) میں اتارا گیا، ایک شخص ان میں سے زرارہ بن عمرو تھا، اس نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ ﷺ! میں نے راستے میں خواب دیکھے جو عجیب تھے،“ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”بیان کرو“، کہا: ”میں نے دیکھا کہ ایک بکری نے بچہ دیا ہے جو سپید اور سیاہ رنگ کا ابلق ہے،“ نبی کریم ﷺ نے پوچھا: ”کیا تمہاری عورت کے بچہ ہونے والا تھا؟“ اس نے کہا: ”ہاں“ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”اس کے فرزند پیدا ہوا ہے جو تیرا بیٹا ہے“، زرارہ نے کہا: ”یا رسول اللہ ﷺ! ابلق ہونے کے کیا معنی؟“ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”قریب آؤ“، پھر آہستہ سے پوچھا ”کیا تیرے جسم پر برص کے داغ ہیں جسے لوگوں سے چھپاتے رہے ہو؟“ زرارہ نے کہا: ”قسم ہے اس خدا کی جس نے آپ ﷺ کو رسول بنا کر بھیجا ہے کہ آج تک میرے اس راز کی کسی اطلاع نہ تھی“، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”بچہ پر یہ اسی کا اثر ہے“، زرارہ نے دوسرا خواب سنایا کہ ”میں نے نعمان بن منذر کو دیکھا کہ گوشوارے باز و بند، خلخال پہنے ہوئے ہے“، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اس کی تاویل ملک عرب ہے، جو اب آسائش و آرائش حاصل کر رہا ہے“، زرارہ نے عرض کیا: ”میں نے دیکھا کہ ایک بڑھیا ہے جس کے کچھ بال سفید، کچھ سیاہ ہیں اور زمین سے باہر نکلی ہے“، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”یہ دینا ہے جس قدر باقی رہ گئی ہے“، زرارہ نے عرض

کیا: ”میں نے دیکھا کہ ایک آگ زمین سے نمودار ہوئی، میرے اور میرے بیٹے عمرو کے درمیان آگئی اور وہ آگ کہہ رہی ہے: جھلسو جھلسو بیٹا ہو کہ نابینا ہو، لوگو! اپنی غذا، اپنا کنبہ، اپنا مال مجھے کھانے کے لیے دو،“ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”یہ ایک فساد ہے جو آخر زمانے میں ظاہر ہوگا“، زرارہ نے عرض کیا کہ ”یہ کیسا فتنہ ہوگا؟“ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”لوگ اپنے امام کو قتل کر دیں گے آپس میں پھوٹ پڑ جائے گی، ایک دوسرے سے ایسے گتے جائیں گے جیسے ہاتھوں کی انگلیاں پنچہ ڈالنے میں گتے جاتی ہیں، بدکاران دنوں اپنے آپ کو نیکو کار سمجھے گا، مومن کا خون پانی سے بڑھ کر خوشگوار سمجھا جائے گا، اگر تیرا بیٹا مر گیا، تب تو اس فتنہ کو دیکھ لے گا، تو مر گیا تو تیرا بیٹا دیکھ لے گا“، زرارہ نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ ﷺ! دعا کیجئے کہ میں اس فتنہ کو نہ دیکھوں“، رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی ”اللہم! یہ اس فتنہ کو نہ پائے“، زرارہ کا انتقال ہو گیا اور اس کا بیٹا بچ رہا، اس نے سیدنا عثمان غنیؓ کی بیعت کو توڑ دیا تھا۔



آخری گزارش

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا اپنے رسالہ ”حکایات صحابہ“ کے اخیر میں تحریر فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے:

صحابہ کرامؓ دین کی بنیاد ہیں، دین کے اول (قبول کرنے والے اور اس کو) پھیلانے والے ہیں، ان کے حقوق سے ہم لوگ مرتے دم تک بھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتے، حق تعالیٰ اپنے فضل سے ان پاک نفوس پر لاکھوں رحمتیں نازل فرمائے کہ انہوں نے حضور ﷺ سے دین حاصل کیا اور ہم لوگوں تک پہنچایا۔

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ ہی کے اعزاز و اکرام میں داخل ہے حضور ﷺ کے صحابہؓ کا اعزاز و اکرام کرنا، اور ان کے حق کو پہچاننا، اور ان کا اتباع کرنا، اور ان کی تعریف کرنا، اور ان کے لیے استغفار اور دعائے مغفرت کرنا، اور ان کے آپس کے اختلاف میں لب کشائی نہ کرنا، ان کے فضائل بیان کرنا، کیونکہ صحابہؓ کے فضائل قرآن مجید اور احادیث میں بکثرت وارد ہیں۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں جس کا اتباع کرو ہدایت پاؤ گے، حضرت انسؓ کہتے ہیں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”میرے صحابہ کی مثال کھانے میں نمک کی سی ہے کہ کھانا بغیر نمک کے اچھا نہیں ہو سکتا۔“

حضور ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ ”اللہ سے میرے صحابہ کے بارے میں ڈرو، ان کو ملامت کا نشانہ نہ بناؤ جو شخص ان سے محبت رکھتا ہے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت رکھتا ہے، اور جو ان سے بغض رکھتا ہے وہ میرے بغض کی وجہ سے ان سے

بغض رکھتا ہے، جو شخص ان کو اذیت دے اس نے مجھ کو اذیت دی، اور جس نے مجھ کو اذیت دی اس نے اللہ کو اذیت دی، اور جو شخص اللہ کو اذیت دیتا ہے قریب ہے کہ پکڑ میں آجائے۔“

حضور ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ ”اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے علاوہ تمام مخلوق میں سے میرے صحابہ کو چھانٹا ہے اور ان میں سے چار کو ممتاز کیا ہے ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، ان کو میرے سب صحابہ سے افضل قرار دیا ہے۔“

حضور ﷺ سے یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ ”جو شخص صحابہؓ کے بارے میں میری رعایت رکھے گا وہ میرے پاس حوض کوثر پر پہنچ سکے گا اور جو ان کے بارے میں رعایت نہ کرے گا وہ میرے پاس حوض کوثر پر نہیں پہنچ سکے گا وہ مجھے صرف دور ہی سے دیکھے گا“، حضرت سہل بن عبد اللہؓ کہتے ہیں کہ جو شخص حضور ﷺ کے صحابہؓ کی تعظیم نہ کرے وہ حضور ﷺ پر ایمان لایا ہی نہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے لطف و فضل سے اپنی گرفت سے اور اپنے محبوب کے عتاب سے مجھ کو اور میرے دوستوں کو، میرے محسنوں کو اور ملنے والوں کو، میرے مشائخ کو، تلامذہ کو اور سب مومنین کو محفوظ رکھے اور ان حضرات صحابہ کرامؓ کی محبت سے ہمارے دلوں کو بھر دے۔ آمین۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي بَعَثَهُ وَجَلَّالِهِ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ.



مآخذ

- ☆ صحیح بخاری ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاریؒ
- ☆ صحیح مسلم مسلم بن الحجاج قشیریؒ
- ☆ جامع ترمذی محمد بن عیسیٰ بن سورہ ترمذی
- ☆ موطا امام مالک مالک بن انس مدنیؒ
- ☆ مشکوٰۃ شریف محمد بن عبد اللہ الخطیب التبریزیؒ
- ☆ سنن ابی داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی
- ☆ مسند احمد بن حنبل احمد بن حنبل شیبانی
- ☆ مستدرک حاکم ابو عبد اللہ حاکم
- ☆ طبقات ابن سعد ابو عبد اللہ محمد بن سعدؒ
- ☆ اسد الغابہ علامہ ابن اثیرؒ
- ☆ الاصابہ فی تمییز الصحابہ حافظ ابن حجر عسقلانی
- ☆ تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر عسقلانی
- ☆ الاستیعاب حافظ ابن عبد البرؒ
- ☆ سیر الصحابہ مولانا شاہ معین الدین ندویؒ
- ☆ سیر انصار اول دروم مولانا سعید انصاریؒ
- ☆ سیر الصحابیات مولانا شاہ معین الدین ندویؒ
- ☆ حیاۃ الصحابہ حضرت جی مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ

- ☆ حکایات صحابہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ
- ☆ سیرت الصدیق مولانا حبیب الرحمن خاں شیروانیؒ
- ☆ المرتضیٰ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ
- ☆ الفاروق شمس الائمہ علامہ شبلی نعمانیؒ
- ☆ سیرۃ النبی ﷺ علامہ شبلی نعمانیؒ ر علامہ سید سلیمان ندویؒ
- ☆ سیرت رسول اکرم ﷺ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ
- ☆ صور من حياة الصحابة ڈاکٹر عبدالرحمان رافت پاشا
- ☆ اسوۃ صحابہ مولانا عبدالسلام قدوائی ندویؒ
- ☆ اسوۃ صحابیات مولانا عبدالسلام قدوائی ندویؒ
- ☆ اہل کتاب صحابہ و تابعین مولانا عجیب اللہ ندویؒ
- ☆ معارف الحدیث ہشتم مولانا محمد منظور نعمانیؒ
- ☆ تاریخ اسلام شاہ معین الدین ندویؒ

